اقبال اور احمدیت

جناب جسٹس

ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب زندہ رود

پر

تبصرہ

شیخ عبدالماجد

زندہ رود

علامہ اقبال

جاوید اقبال

اقبال اور احمدیّت

جنابِ جسٹس

ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب زندہ رود

پر

تبصرہ

زندہ رود

جاوید اقبال

شیخ عبدالماجد

ناشر

جناب ارشاد احمد ورک

ایڈووکیٹ - سپریم کورٹ آف پاکستان لاہور

مصنف	:	شیخ عبدالماجد
ناشر	:	چوہدری ارشاد احمد ورک ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان لاہور
طبع اول	:	ایک ہزار
تاریخ اشاعت	:	اپریل ۱۹۹۱ء
کمپوزنگ	:	سلور لنک کمپوزنگ سنٹر رائل پارک لاہور فون: ۸۶۹۸۸۷
مطبع	:	لاہور آرٹ پریس - انار کلی لاہور
قیمت	:	-/۱۲۵ روپے رجسٹرڈ بک پوسٹ -/۱۵ روپے

شیخ عبدالماجد

الحسنین منزل - حسن مارکیٹ - نیو سمن آباد - لاہور

انتساب

قائد اعظم کے معتمد رفیق - پاکستان کے پہلے
وزیر خارجہ، عالم اسلام کے مخلص خادم -
امم متحدہ کی مجلس عام کے صدر - عالمی
عدالت کے پہلے ایشائی اور پہلے احمدی صدر
چوہدری محمد ظفر اللہ خاں
کے نام

ملنے کا پتہ

لاہور : شیخ عبدالماجد - الحسنین منزل - حسن مارکیٹ - نیو سمن آباد - لاہور

لاہور : ناصر محمود - 1 - دیال سنگھ مینشن - شاہراہ قائداعظم

" : محمد محمود - ۴۳ - شاہراہ قائداعظم المحمود فوٹوز نزد دیال سنگھ مینشن

لاہور : احمدیہ ———— دارالذکر - سمن آباد - وحدت کالونی - ماڈل ٹاؤن (بروز جمعہ)

مختلف شہر : احمدیہ بیت الذکر - کراچی، حیدر آباد، رحیم یار خاں، ملتان، راولپنڈی،

" : اسلام آباد، لاہور، شیخوپورہ، اوکاڑہ، فیصل آباد

ربوہ : افضل برادرز گولبازار ربوہ -

لندن : Mr. Hashim Saeed' 37 Crow Throne Close

" : South Field' London قیمت:- پانچ پونڈ

کینیڈا : Ahmad Traders and Marketing

" : 1616' Gerrard Str' East

" : Toronto (ONT) M4L-2A5 Canada

کراچی : مکرم لطیف احمد شاہ صاحب، احمدیہ ہال میگزین لین - صدر - کراچی

بھارت (قادیان) : ملک صلاح الدین صاحب ایم اے، رکن صدر انجمن احمدیہ

نیز اپنے ہاکر یا بک سٹال سے طلب فرمائیں

قیمت ۴۵ روپے رجسٹرڈ بک پوسٹ =/۵ روپے

فہرست

عکس دستخط مرحوم سر محمد اقبال۔

عکس تحریر علامہ اقبال

(نیز دیکھئے صفحہ ۵۱۳)

(نوٹ) کتاب کے ۲۰ ابواب ہیں ۔ " حواشی " ہر باب کے اختتام پر درج کئے گئے ہیں ۔ ان حواشی میں بھی مفید حوالے موجود ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

راجہ غالب احمد

دیباچہ

مشرقی علوم میں اقبالیات کو ایک مستقل فکری نظام کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے ۔ علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کی فکر جن ارتقائی منازل کو طے کرتی رہی ہے ، مشرق و مغرب کے دانشکدوں میں اس موضوع پر بھی اکثر بحث ہوتی رہتی ہے ۔ وفات اقبال کے بعد گذشتہ باون برس میں بلا مبالغہ سینکڑوں تصانیف اور ہزاروں مقالات اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر سپرد قلم کئے گئے ہیں ۔ ان موضوعات میں سے ایک اختلاف افروز موضوع " اقبال اور احمدیت " ہے ۔ اس موضوع پر بہت سی نگارشات ذخیرۂ اقبالیات کا مستقل سرمایہ بن چکی ہیں ۔ احمدیہ عقائد اور اقبال کے فکری ارتقا کے بارے میں حال ہی میں علامہ کے فرزند ارجمند جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنی تحقیقی تصنیف " زندہ رود " میں بھی خاصی تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحقیق کی رو سے اپنی تصنیف میں کئی مقامات پر علامہ اقبال کے سوانحی خاکے میں بعض ناگزیر واقعات کے ضمن میں اقبال کے سلسلہ احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے حسن عقیدت اور جماعت احمدیہ کی تعریف اور تحسین میں بیان کئے گئے اقوال کے بارے میں کچھ ایسی باتیں شامل کی ہیں جنہیں تحقیقی تسامحات سمجھا جائے گا ۔ اور ان کے

بارے میں تاریخی حقائق اور واقعات کی روشنی میں زیر نظر اس کتاب میں **شیخ عبدالماجد** صاحب نے عرق ریزی سے وہ تمام تحقیقی مواد اور حوالہ جات اقبالیات کے طالب علم کے لئے یکجا کر دیئے ہیں ۔ جن سے ان تسامحات کی تصحیح اور حقائق کی دریافت اور احوال واقعی تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے ۔ یہ کتاب " زندہ رود " کے مباحث پر ایک جامع ' ناقدانہ ' اور سیر حاصل بحث کا نہ صرف آغاز کرتی ہے ۔ بلکہ اقبالیات کے حوالے سے اس موضوع پر اپنا علیحدہ ایک تشخص قائم کرتی ہے ۔ جسے کوئی سنجیدہ نقاد نظر انداز نہیں کر سکتا ۔ یہ کتاب اس پس منظر میں تحریر کی گئی ہے کہ تاریخ اقبال کسی سطح پر بھی مسخ شدہ صورت میں اگر پیش کی جائے تو اس کی تصحیح کے لئے فوری طور پر اقدام کئے جائیں ۔ شیخ عبدالماجد صاحب نے اپنی اس تصنیف میں اس کام کو خوش اسلوبی سے کماحقہ ادا کیا ہے ۔

اب ان تاریخی شواہد سے انکار کرنا ممکن نہیں کہ خاندان اقبال کو بانی سلسلہ احمدیہ اور احمدیہ جماعت سے **گہری وابستگی** رہی ہے ۔ پہلے طویل دور میں علامہ اقبال ' احمدیت کو اسلام کی تشکیل نو میں اسلامی سیرت کا ایک " ٹھیٹھ نمونہ " قرار دیتے ہیں ۔ اپنے بڑے صاحبزادے آفتاب اقبال کو قادیان میں دینی تعلیم و تربیت کے لئے داخل کراتے ہیں پھر فقہی استفسارات سے لے کر یہ دور ۱۹۳۲ء تک چلتا ہے بلکہ مصنف " زندہ رود " کے مطابق ۱۹۳۵ء سے قبل ' اقبال احمدیوں کو قطع نظر ان کے عقائد کے **مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتے تھے** ۔ لیکن دوسرے مختصر سے دور میں (۱۹۳۵ء تا وفات ۱۹۳۸ء) مختلف سیاسی واقعات اور ان سے وابستہ اختلافات کے پس منظر میں علامہ اقبال نے سلسلہ احمدیہ کے بارے میں کڑی تنقید کی اور اپنے انگریزی اور اردو مقالات میں خاصی تفصیل سے اس کا ذکر کیا ۔ ان حالات میں اقبالیات کا ایک سنجیدہ قاری یہ سمجھنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ ۱۹۳۵ء میں وہ کیا اسباب تھے جن سے فکر اقبال میں یکدم یہ تبدیلی آئی ؟ فکری ' سماجی ' سیاسی اور انفرادی پہلوؤں سے یہ مطالعہ ازبس ضروری تھا ۔ اس ضمن میں شیخ صاحب نے زیر نظر تحقیق میں نہایت عمدہ اور مبسوط مطالعہ علمی انداز میں پیش کیا ہے ۔ اور ہر ممکن کوشش کی ہے کہ تاریخی شواہد اور حوالوں کے علاوہ اپنے ذاتی نقطہ نظر کو کم سے کم پیش کیا جائے ۔ یہ اس کتاب کی نمایاں خوبی ہے ۔ اس کے مصنف اگرچہ اقبال شناسوں کی صف میں باقاعدہ شمار نہیں ہوتے مگر ان کی یہ کاوش ہر لحاظ سے ایک منفرد تحقیقی مقام کا درجہ رکھتی ہے ۔ مصنف نے اقبالیات کے بارے

میں بعض اشکال کا جواب پیش کیا ہے ۔ اور یہ اہتمام کیا ہے کہ دونوں طرف کے بیانات کو اس طرح " روبرو " پیش کیا جائے کہ قاری از خود اس علمی قضیے کو سمجھنے میں آسانی محسوس کرے ۔ احمدیت اور اقبال کے سلسلہ میں جو مسائل " زندہ رود " میں اٹھائے گئے ہیں ۔ ان کا جواب واضح طور پر اس تصنیف میں موجود ہے ۔ اور اس طرح شیخ صاحب نے نہایت محنت اور کاوش سے بہت سی ایسی توضیحات اور تصریحات اور ان سے وابستہ بہت سے ہم عصر حالات اور واقعات اپنی تصنیف میں جمع کر دیئے ہیں ۔ جن سے اس کتاب میں ایک مستقل موضوع اور تصنیف کا **مزاج** پیدا ہو گیا ہے ۔ تاریخ احمدیت اور سوانح اقبال کے حوالے سے بہت سے معلومات افزاء نئے **حواشی** ہمارے سامنے آئے ہیں ۔ اور یہ قابل ستائش امر ہے ۔

• شیخ عبدالماجد صاحب کی اس تحقیقی تصنیف کو پڑھنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا ہے ' کہ ذخیرۂ اقبالیات میں از سرنو پھر ایک علمی اور تحقیقی بحث کا آغاز ہوا ہے ۔ جس سے برصغیر میں اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نئی جہتوں پر سوچنے اور کام کرنے کے لئے آگاہی حاصل ہو گی ۔ اور یہی شیخ صاحب کے اس علمی کام کا احسن صلہ ہے ۔ میں انہیں **مبارکباد** پیش کرتا ہوں ۔

غالب احمد

سابق چیئرمین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

۳-۱-۱۹۹۱

جناب قمراجنالوی صاحب ایڈیٹر روزنامہ "مغربی پاکستان" کا تبصرہ

جناب شیخ عبدالماجد صاحب!

آپ نے مسٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب "زندہ رود" پر "اقبال اور احمدیت" کے حوالے سے جو تبصرہ لکھا ہے میں نے اس کا مسودہ پوری توجہ اور گہری دلچسپی سے پڑھا ہے۔ میں آپ کی تحقیقی کاوش سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔ آپ نے پاکستان کی ایک اہم شخصیت جنہیں قانون و انصاف کے حلقوں، دانشوروں اور معاشرے میں مقام عزت حاصل ہے کی تحریر کے جواب میں جو لب و لہجہ اختیار کیا ہے اور علامہ اقبال کے متعلق بھی جس پیرائے میں گفتگو کی ہے۔ وہ آپ کی عالمانہ بصیرت کا مظہر ہے۔

علامہ اقبال کے لائق فرزند مسٹر جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے "اقبال اور احمدیت" کے موضوع پر جس حد تک بھی قلم اٹھایا ہے وہ انہیں بہر طور ایک دن اٹھانا تھا۔ کیوں کہ یہ بات ایک نسل سے دوسری نسل تک زیر بحث چلی آتی ہے کہ علامہ اقبال کا احمدیت اور قادیان سے کبھی کوئی گہرا تعلق رہا ہے یا نہیں؟ ڈاکٹر جاوید اقبال نے گہرے تعلق سے انکار کیا ہے جب کہ آپ نے ان کے خیال کی نفی کی اور واقعات و دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ معاملے کی صورت کچھ اور ہے۔ بات کسی دلیل، سلیقے اور دردمندی کے ساتھ لکھی جائے تو دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ قاری کی دلچسپی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ جس سے بالآخر وہ ایک نتیجہ اخذ کرلیتا ہے۔ آپ نے زیر بحث موضوع پر پوری چھان پھٹک کی ہے۔ ماضی کے اخبارات و جرائد اور کتابوں سے بڑے نادر حوالے نکال کر پیش کئے ہیں۔ اور ایک سیر حاصل بحث کے بعد دراصل آپ نے جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کو ایک بہت بڑی ذمہ داری سونپ دی ہے۔ کہ وہ اپنی کتاب کے "اقبال اور احمدیت" سے متعلقہ حصوں پر نظر ثانی کریں یا پھر آپ کی تحریر کا جواب لکھیں۔ کیوں کہ آپ کی یہ "تحقیقی کتاب" چھپ جانے کے بعد معاملے کی جو نئی صورت سامنے آئے گی۔ اس کی وضاحت کرنا

ڈاکٹر صاحب کی ذمہ داری میں شامل ہے۔

قمراجنالوی

۳۱ جنوری ۱۹۹۰ء

ایڈیٹر روزنامہ "مغربی پاکستان"

(لاہور، بہاول پور، سکھر)

حوالوں کے بادشاہ مؤرخ احمدیت مولانا دوست محمد صاحب شاہد

۔ آپ کی مرتبہ تاریخ احمدیت کی جلدوں سے راقم نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ شیخ عبدالماجد

عرض حال

زندہ رود کا تعارف

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے اپنے والد بزرگوار شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کے سوانح حیات " زندہ رود " کے نام سے تین جلدوں میں شائع کئے ہیں ۔ پہلی جلد ۱۹۷۹ء دوسری ۱۹۸۲ء اور تیسری ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آئی ۔ جلد اول ۱۹۰۸ء تک کے حالات پر مشتمل ہے ۔ جلد دوم ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۵ء تک کے حالات سے متعلق ہے اور جلد سوئم جو ۴۳۸ صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۸ء کے دور کا احاطہ کرتی ہے ۔ یہ جلدیں یکجائی صورت میں بھی شائع ہو چکی ہیں اور اقبال اکیڈمی پاکستان کی جانب سے ان جلدوں کا فارسی ترجمہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے ۔

شیخ اعجاز احمد صاحب کا نوٹ

جب تیسری یعنی آخری جلد کا مسودہ تیار ہو رہا تھا تو علامہ اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب کے فرزند اکبر شیخ اعجاز احمد صاحب ا ۔ نے جسٹس جاوید اقبال کو لکھا کہ اس جلد میں چونکہ اس دور کا ذکر بھی آئے گا جس میں علامہ نے احمدیت کی مخالفت کی تھی ۔ یہ مخالفت زیادہ تر ۳۶-۱۹۳۵ء کے دور سے تعلق رکھتی ہے ۔ جس وقت آپ کی عمر ۱۰-۱۲ سال کے قریب تھی اس لئے آپ کو ذاتی طور پر تو علامہ کی طرف سے جماعت احمدیہ کے خلاف محاذ آرائی کی تفاصیل اور مخالفت کے وجوہ کا علم نہیں ہو سکتا ۔ ادھر جماعت کے خلاف چاروں طرف تعصب کی فضا چھائی ہوئی ہے اس لئے تاریخ کے اس مرحلے کو ضبط تحریر میں لاتے وقت خاص احتیاط کی ضرورت ہے ۔ جسٹس جاوید اقبال صاحب نے جواباً لکھا کہ میں تو ایک غیر جانبدار مؤرخ کی حیثیت سے علامہ کے سوانح لکھنا چاہتا ہوں ۔ اس لئے اگر آپ اپنے نقطہ نظر سے " علامہ اقبال اور احمدیت " کے موضوع پر کوئی نوٹ مجھے بھجوا سکیں تو میں اسے آپ ہی کے الفاظ میں شامل کتاب کر لوں گا ۔ اس پر شیخ اعجاز احمد صاحب نے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے مخلص احمدی ہیں ایک مفصل نوٹ انہیں بھجوا دیا ۔ جاوید اقبال صاحب یقیناً شکریہ کے

مستحق ہیں کہ انہوں نے اس نوٹ کا قریباً ۹۵ فی صد حصہ من و عن اپنی کتاب میں شائع کر دیا ۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مصنف نے شیخ صاحب کے اخذ کردہ نتائج سے اتفاق نہیں کیا اور اپنے اختلاف کی مفصل وجوہ بیان کی ہیں اور یہی وجوہ " تبصرہ " کے نام سے ہماری کتاب کا موضوع ہے ۔

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب " زندہ رود " میں درج شدہ اعتراضات یا نکتہ چینیوں کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔

ا ۔ شیخ اعجاز احمد صاحب کے ارسال کردہ نوٹ کے دلائل کا رد کرتے ہوئے ان سے اختلاف رائے کا اظہار کیا گیا ہے ۔

ب ۔ علامہ کے ۳۶-۱۹۳۵ء والے مضامین میں پیش کردہ اعتراضات ۔ خدشات یا بیانات کو دہرایا گیا ہے ۔

ج ۔ اپنی طرف سے بعض نئے اعتراضات شامل کئے گئے ہیں ۔

"مظلوم اقبال"

جب " زندہ رود " کی یہ جلد ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آئی تو شیخ اعجاز احمد صاحب بھی ایک کتاب کا مسودہ " مظلوم اقبال " کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ۔ خاکسار نے ان کی خدمت میں اپنے نوٹ کو اپنی کتاب (مظلوم اقبال) میں شامل کر لینے کی درخواست کی نیز لکھا کہ اگر ممکن ہو تو اس نوٹ پر جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب کے اختلافی موقف کا جواب بھی شائع کر دیا جائے ۔۔۔۔ شروع میں تو محترم شیخ صاحب اس نوٹ کو بھی " مظلوم اقبال " میں شائع کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تھے ۔ دراصل ان کا مسودہ بہت پہلے کا رقم فرمودہ تھا اور اس کا تعلق زیادہ تر علامہ اقبال کی ذات کے اجنبی گوشوں اور ان کی شخصیت کی غیر معروف گہرائیوں اور علامہ کے ۱۰۰ کے قریب گھریلو نوعیت کے خطوط سے تھا اور وہ اپنی کتاب کو اسی موضوع تک محدود رکھنا چاہتے تھے ۔ جہاں تک اختلافی موقف کے جواب کا تعلق ہے ۔ محترم شیخ صاحب (پیدائش ۱۸۹۹ء) نے مجھے جواب دیا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں ۔ مجھ میں اب تحقیق کی سکت نہیں ۔۲۔ کسی اور دوست کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے ۔ شیخ صاحب محترم کی یہ بات اپنی جگہ بالکل درست تھی ۔

بعد میں آپ نے اپنا نوٹ اپنی کتاب میں شامل کر لیا ۔ اور اس کے ساتھ ایک اور نوٹ کا بھی اضافہ کر دیا جس کا تعلق زیادہ تر آپ کے دادا ' آپ کے والد اور آپ کے چچا (علامہ اقبال) اور آپ کی اپنی بیعت کے متعلق بعض تفصیلات سے تھا ۔ مگر " زندہ رود " میں درج شدہ اعتراضات ' بیانات یا خدشات اکثر و بیشتر تشنۂ جواب ہی رہے ۔

بہرحال جسٹس جاوید اقبال صاحب کی کتاب " زندہ رود " ۱۹۸۴ء میں اور جناب شیخ اعجاز احمد صاحب کی تصنیف " مظلوم اقبال " ۱۹۸۵ء کے اواخر میں شائع ہو گئی ۔

مستند سوانح عمری

متعدد اقبال شناسوں نے " زندہ رود " کو اقبال کی مستند ترین سوانح عمری قرار دیا ہے ۔ بعض محققین نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ علامہ کے سوانح حیات پر یہ کتاب حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے ۔ زندہ رود کی خوبی یہ ہے کہ اس میں حیات اقبال کے اکثر و بیشتر گوشے بغیر جانبداری کے بلا کم و کاست پیش کر دیئے گئے ہیں ۔ ایک بیٹے کی طرف سے باپ کی سوانح عمری میں یہ انداز کافی سراہا گیا ہے ۔ کتاب کی زبان عام فہم ہے اور دو ایک مقامات کو مستثنیٰ کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ تنگ نظر ملاؤں کا طرز نگارش اختیار نہیں کیا گیا مگر بعض مقامات پر احمدیت کے بارے میں جانبدارانہ رنگ آمیزی سے کام لیا گیا ہے ۔ بعض جگہ بغیر حوالہ دیئے نکتہ چینی کی گئی ہے ۔ کہیں امر واقعہ کے ساتھ مبالغہ کی آمیزش موجود ہے ۔ کہیں حقائق پر پردہ ڈالنے کی خاطر ' بات گول مول انداز میں پیش کی گئی ہے ۔

تحقیقی تسامح

۱۹۳۵-۳۶ء میں جب علامہ اقبال نے بعض مضامین لکھ کر احمدیت کے خلاف احرار اور اخبار زمیندار کی جاری شدہ مہم میں شرکت کی تو سلسلہ احمدیہ کے لٹریچر میں آپ کی نکتہ چینیوں کا کافی و شافی جواب دیا گیا ۔ مصنف زندہ رود چاہتے تو ان جوابات کو ملحوظ رکھ کر بات کو آگے بڑھاتے مگر آپ نے علامہ کے مضامین میں درج شدہ نکات کو جو ایک حد تک اخبار " زمیندار " کا ہی چربہ ہیں ۔ دہرا دیا ہے ۔۔۔۔ ظاہر ہے یہ انداز تحقیق قابل رشک نہیں ۔

راقم کا انداز مطالعہ

اس تحقیقی مقالہ میں راقم نے " زندہ رود " کے مندرجات میں سے صرف " اقبال اور

احمدیت " کے موضوع سے واسطہ رکھا ہے ۔ اور متعلقہ حصوں پر آزاد ذہن کے ساتھ " تبصرہ " کیا ہے ۔ اور صاف اور سیدھی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے ۔

راقم کو خود زندہ رود کے مختلف مقامات سے ایسا مواد مل گیا ہے جسے مصنف کی بعض غلط فہمیوں اور نکتہ چینیوں کے ازالہ کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے ۔

زندہ رود کا متعلقہ حصہ

تبصرہ کے لئے زیادہ تر زندہ رود جلد سوم کے باب ۲۰ کے ۵۰ صفحات (ص ۔ ۵۵۱ تا ص ۔ ۶۰۰) ۔ اور باب ۱۷ کے تین صفحات (ص ۳۹۸ تا ۴۰۰) راقم کے پیش نظر ہیں ۔

(نوٹ) اس " تبصرہ " کو راقم کی ذاتی رائے کا درجہ دیا جائے اور ہر جزو میں اسے جماعت احمدیہ کی ترجمانی نہ سمجھا جائے ۔
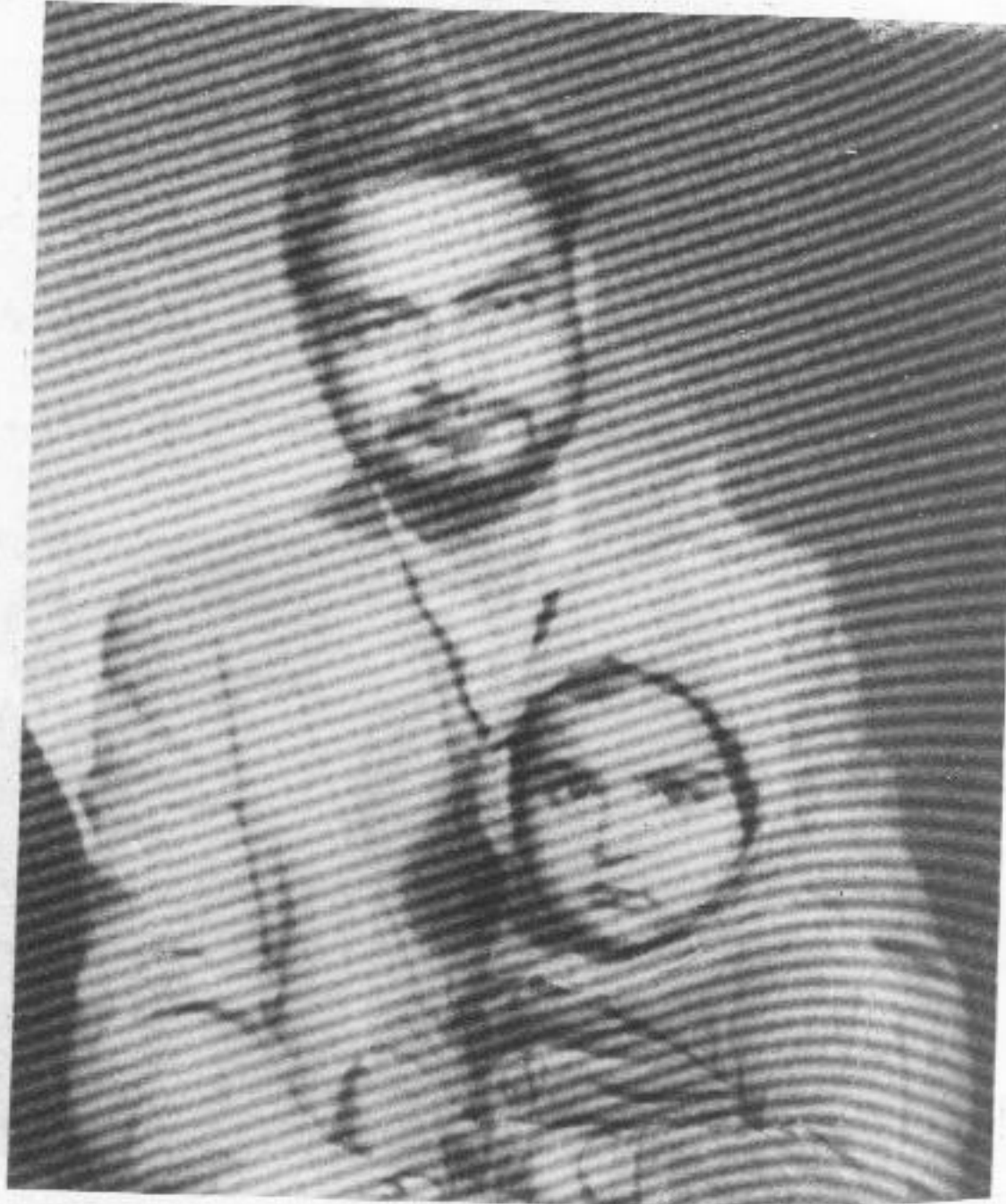
خاکسار

شیخ عبدالماجد

۱-۳-۹۱

ماہرین اقبالیات سے درخواست ہے کہ وہ اصلاح طلب امور کی طرف توجہ دلا کر ممنون فرمادیں ۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اصلاح کر دی جائے ۔

- حواشی -

۱۔ بقول علامہ اقبال "شیخ اعجاز احمد" ۔ نہایت صالح آدمی ہیں اور بقول مصنف زندہ رود :-
" ۔ اقبال کے خاندان میں صرف شیخ اعجاز احمد ہی کو اپنے دادا شیخ نور محمد کی صفات ورثہ میں ملی ہیں ۔ وہ ان کی طرح اصول کے پکے ۔ عالی ظرف ۔ بردبار ۔ مخالفوں یا ناحق ایذا پہنچانے والوں کو معاف کرنے والے ۔ سادہ ، نیک ، شفیق ، حلیم اور صلح کن طبیعت کے مالک ہیں ۔ " (زندہ رود ص ۱۵۷)

۲۔ گذشتہ ایک "یوم اقبال" کے موقعہ پر قارئین نے ملاحظہ کیا ہو گا کہ ٹی وی والوں نے شیخ صاحب کی ضعیف العمری اور نقاہت کی وجہ سے ان کا انٹرویو ان کے ڈرائینگ روم میں ہی ریکارڈ کیا تھا ۔

چوہدری بشیر احمد صاحب ۔ مسٹر ایوب صاحب ۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب ۔
قاضی عیسیٰ صاحب ۔ علامہ اقبال کے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب (مصنف " مظلوم اقبال ")

اقبال کا خاندانی پس منظر اور احمدیت

علامہ اقبال کے والد کا نام شیخ نور محمد تھا اور عرف نتھو ۔ ان کا سن پیدائش اندازاً ۱۸۳۷ء ہے ۔ ان کی وفات ۱۷ اگست ۱۹۳۰ء کو ہوئی ۔ گھر میں اور محلے برادری میں سب انہیں " میاں جی " کہتے تھے ۔ میاں جی کو اہل اللہ سے عقیدت تھی ۔ وفات کے وقت شمسی حساب سے ان کی عمر ۹۳ سال تھی ۔ ۱۔ میاں جی "ابتداً" احمدیہ جماعت میں شامل ہو گئے تھے ۔ ۲۔

علامہ کی والدہ کا نام " امام بی بی " تھا اور محلے برادری میں سب انہیں " بے جی " کہتے تھے ۔ قرائن سے پتہ لگتا ہے کہ شیخ نور محمد سے آپ کی شادی ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل ہوئی ہو گی ۔ " امام بی بی " کو بھی تحریک احمدیہ کے بانی سے عقیدت تھی ۳۔

علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کا سن پیدائش ۱۸۵۹ء ہے ۔ بقول اقبال وہ " قامت میں صورت سرو بلند " تھے ۔ دونوں بھائیوں میں مثالی محبت تھی ۔
آپ کا شمار بھی ابتدائی احمدیوں میں کیا جاتا ہے ۔ ۴۔

شیخ نور محمد کے صاحبزادے علامہ اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ احمدیت قبول کرنے کے بارے میں آپ کے متعلق دو مختلف آراء ہیں ۔ ایک طبقہ کا کہنا ہے کہ آپ نے ۱۸۹۷ء میں قادیان جا کر بیعت کی تھی جبکہ بعض لوگ اس واقعہ کو نادرست قرار دیتے ہیں ۔

علامہ کے بڑے بھائی کے صاحبزادے شیخ اعجاز احمد (مصنف مظلوم اقبال) ۱۸۹۹ء کے شروع میں پیدا ہوئے ۔ علامہ نے ان کا نام " اعجاز احمد " رکھا ۔ آپ ۱۹۳۱ء کے لگ بھگ بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے ۵۔

اقبال کی ارادت مندی

۱۸۸۹ء میں جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا ۔ لدھیانہ کے مقام پر بیعت اولیٰ ہوئی ۔
فروری ۱۸۹۲ء میں بانی سلسلہ احمدیہ پھر سیالکوٹ تشریف لے گئے ۔ ان دنوں شیخ عطا محمد اور ڈاکٹر
اقبال اپنے والد صاحب کی بیعت کی وجہ سے اپنے آپ کو جماعت احمدیہ میں شمار کرتے تھے اور
حضرت اقدس سے ارادتمندانہ تعلق رکھتے تھے ۔ چنانچہ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کا بیان ہے کہ
(حضرت صاحب کے) سفر سیالکوٹ کے موقعہ پر اقبال جو مسجد کی ڈیوڑھی کی چھت پر چڑھے
بیٹھے تھے مجھے دیکھ کر کہنے لگے ۔

دیکھو شمع پر کس طرح پروانے گر رہے ہیں ۶ ۔

اقبال کے خاندان کے افراد کی بیعت

مصنف " زندہ رود " کے مطابق '

" ۔ اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ ۔ اقبال نے اپنی زندگی کے کسی مرحلہ پر مرزا
غلام احمد کی بیعت کی یا احمدیت کے ساتھ ان کا گہرا تعلق رہا ۔ اس طرح یہ کہنا بھی درست
نہیں کہ ان کے والد شیخ نور محمد احمدی تھے ۔ البتہ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد نے اپنی زندگی
کے ایک حصہ میں احمدی مسلک قبول کیا اور کچھ مدت تک جماعت احمدیہ میں شامل رہے مگر
بقول ان کے فرزند.... و دختر... بعد ازاں احمدیت کو ترک کر کے جماعت سے رشتہ توڑ دیا ۔
شیخ عطا محمد ' اقبال کی وفات کے تقریباً دو سال بعد ۲۲ دسمبر ۱۹۴۰ء کو سیالکوٹ میں فوت ہوئے
اور انہیں امام صاحب کے معروف قبرستان میں دفنایا گیا ۔ ان کے جنازے میں راقم بھی شریک
تھا ۔ نماز جنازہ شہر کے ایک سنی امام مولوی سکندر خاں نے پڑھائی ۔ البتہ شیخ اعجاز احمد اور ان
کے چند احمدی احباب نے غالباً شیخ عطا محمد کے گذشتہ یا مفروضہ عقیدے کے پیش نظر علیحدہ نماز
جنازہ پڑھی ۷ ۔

اقبال کا احمدیت کے ساتھ گہرا تعلق

اقبال کے خاندان کے افراد کی بیعت کی تفصیلات کا مطالعہ کرنے سے پیشتر راقم عرض کرتا
ہے کہ جہاں تک مصنف زندہ رود کے اس دعویٰ کا تعلق ہے کہ اقبال کا احمدیت سے گہرا تعلق
نہیں رہا یا آپ احمدیت سے متاثر نہیں رہے ۔ یہ بات محل نظر ہے ۔
واضح رہے کہ برصغیر کے متعدد مسلم مشاہیر ایسے ہیں ۔ جنہوں نے بانی سلسلہ احمدیہ یا

احمدیت کی مخالفت نہیں کی یا تعریف کی ہے ۔ ان میں مولانا شبلی نعمانی ۔ مولانا حالی ۔ مولانا اکبر
الٰہ آبادی ' مولانا عبدالحلیم شرر ' علامہ کے استاد مولانا سید میر حسن ' خواجہ حسن نظامی ' مولانا
غلام رسول مہر ' مولانا ابو الکلام آزاد ' مولانا محمد علی جوہر ۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی وغیرہ شامل
تھے ـــــ لیکن ان میں سے کسی کا بھی احمدیت کے ساتھ ایسا گہرا تعلق نہیں رہا کہ اس نے
اپنے لخت جگر کو دینی تعلیم کے حصول کے لئے سالہا سال تک قادیان بھجوائے رکھا ہو ۔ بانی
سلسلہ احمدیہ کو ہندی مسلمانوں میں غالباً سب سے بڑے " دینی مفکر " کے طور پر پیش کیا ہو ۔
آپ کی جماعت کو " اسلامی سیرت کے ٹھیٹھ نمونہ کی حامل جماعت " قرار دیا ہو ۔ پھر کسی
کا بھی اتنا گہرا تعلق نہیں رہا کہ اس نے اپنے ذاتی یا رفیقہ حیات کے معاملات کے سلسلہ میں
شرعی فتوے قادیان سے منگوائے ہوں ۔ وفات مسیح کا اقرار کیا ہو اور امت میں نئے مسیحا (
New Christ) کی ضرورت کو تسلیم کیا ہو ۸ ۔ احمدیت کے خلاف محاذ آرائی کے دور میں
بھی " صالح آدمی " قرار دیتے ہوئے اپنے اس عزیز کو اپنے نابالغ بچوں کے اولیاء میں شامل
کیا ہو جو کچھ عرصہ پیشتر تحریک احمدیہ میں شامل ہو چکا ہو ۔

اقبال کے والد شیخ نور محمد کی بیعت

اقبال کے والد شیخ نور محمد کی بیعت کے بارہ میں شیخ اعجاز احمد لکھتے ہیں کہ '

" ۔ میں نے خاندان کی بزرگ خواتین یعنی بے جی (علامہ کی والدہ صاحبہ) بھابی جی (
میری والدہ صاحبہ) اور دونوں پھوپھیوں خصوصاً پھوپھی کریم بی سے سنا ہوا ہے کہ انیسویں
صدی کی آخری دہائی میں سلسلہ احمدیہ سے ہمارے خاندان کے گہرے تعلقات تھے ۔ ابا جان تو
سلسلہ میں شامل ہونے والے ابتدائی حضرات میں سے تھے اور میاں جی (علامہ کے والد
صاحب) بھی جماعت میں شامل ہو گئے تھے ۔ میاں جی کے بانی سلسلہ کے پہلے جانشین حضرت
مولانا حکیم نور الدین (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے ۔ یہاں تک
کہ ایک مرتبہ جب ان کی اہلیہ محترمہ بھی ان کے ساتھ سیالکوٹ تشریف لائیں تو وہ ہمارے گھر
" بے جی " کے پاس ٹھہریں ۔ حضرت مولانا حکیم نور الدین نے بے جی کے درد گردہ کا کامیاب
علاج بھی کیا تھا ۔ ۱۹۰۲ء میں جب ہماری منجھلی پھوپھی طالع بی کا انتقال ہوا تو سیالکوٹ کے احمدی
حضرات ان کے جنازہ میں شامل نہ ہوئے ۔ اس پر " میاں جی " نے حضرت میر حامد شاہ جو

مولانا میر حسن کے رشتہ دار اور سیالکوٹ کے احمدیوں کے سرکردہ بزرگ تھے کی زبانی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو پیغام بھیجا کہ - "میں عمر رسیدہ ہوں - آپ کے ساتھ اس قدر تیز نہیں چل سکتا" برادری میں ان کے وسیع تعلقات تھے - انہوں نے محسوس کیا ہو گا کہ وہ غیر احمدیوں کا جنازہ نہ پڑھنے والے قاعدہ کی پابندی نہ کر سکیں گے - ممکن ہے انہیں اس مسئلہ پر شرح صدر بھی نہ ہو - اس لئے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی - ان کے متعلق صرف یہی کہنا کہ وہ احمدی نہ تھے - نامکمل بات ہو گی - ہاں یہ کہنا درست ہو گا کہ وہ ابتدا میں جماعت میں شامل ہو گئے تھے لیکن ۱۹۰۲ء میں جماعت سے الگ ہو گئے - " ۹ ے

"اقبال اور قادیانی" کے مصنف نعیم آسی صاحب کی تحقیق بھی یہی ہے کہ،

"حضرت علامہ کے گردوپیش حتیٰ کہ ان کے والد شیخ نور محمد..... مرزا غلام احمد سے متاثر تھے بلکہ شیخ نور محمد صاحب نے تو مرزا صاحب کی بیعت بھی کی ہوئی تھی - " ۱۰ ے

اقبال کی والدہ صاحبہ کی عقیدت

شیخ اعجاز احمد ہی کا فرمانا ہے،

"...... پھر یہ بھی ہمارے خاندان کی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ سے عقیدت کا ہی اثر تھا کہ "بے جی" جنہیں ابا جان کے ہاں اولاد نرینہ کی بڑی خواہش تھی، نے ابا جان سے حضرت صاحب کو دعا کے لئے خط لکھوایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اولاد نرینہ عطا کرے اور جب ۱۸۹۹ء کے شروع میں راقم الحروف (شیخ اعجاز احمد) پیدا ہوا - تو چچا جان (علامہ اقبال) نے نومولود کا نام "اعجاز احمد" رکھا - ۱۱

ظاہر ہے علامہ نومولود کو "احمد" کی دعاؤں کا اعجاز سمجھتے تھے -

شیخ اعجاز احمد صاحب کی ایک تحریر کے مطابق (جو راقم کے پاس محفوظ ہے) اکتوبر ۱۹۰۴ء میں جب حضور سیالکوٹ تشریف لائے اور سید حامد شاہ صاحب کے ہاں فروکش ہوئے تو باوجود اس کے کہ میاں جی، جماعت سے علیحدگی اختیار کر چکے تھے - بے جی مجھے دعا کی غرض سے حضرت صاحب کے پاس لے گئیں - (خلاصہ)

علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی بیعت

مصنف زندہ رود نے علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد (۱۸۵۸-۱۹۴۰ء) کے متعلق جو کچھ

ضرورۃ الامام

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ بعض اوقات اپنے مخلص مریدوں کو اپنی تصنیفات اپنے دستخطوں سے مزین کر کے بھجوایا کرتے تھے - علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے نام آپ نے اپنی کتاب "ضرورت الامام" دستخط ثبت فرما کر ارسال کی - یہ کتاب ۱۸۹۸ء میں شائع ہوئی تھی -

---

شیخ عطا محمد صاحب کی بیٹی کے لئے ایک جگہ سے رشتہ آیا - رشتے کی خبر نکلی تو محلے کے ایک نوجوان نے علامہ اقبال کو خط لکھا - کہ لڑکا کٹر مرزائی ہے - یہاں رشتہ نہ کیا جائے - علامہ نے یہ خط شیخ عطا محمد صاحب کو بھیج دیا - ان دنوں آپ کے بیٹے شیخ اعجاز احمد جھنگ کمیانہ میں سب جج تھے - آپ نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ میں نے "اقبال کو لکھ دیا ہے کہ میں خود بھی تو مرزائی ہوں" محلے کے اس مخالف احمدیت نوجوان کے متعلق لکھا "بد فطرت لوگ اپنی دلی قدورت اکثر اس موقعہ پر یوں نکالا کرتے ہیں -"

شیخ عطا محمد سیالکوٹ - ۵ ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کے پوسٹ کارڈ کا فوٹو کاپی

لکھا ہے وہ مندرجہ ذیل شہادتوں کی بنا پر نظر ثانی کے لائق ہے۔

۱۔ مولانا عبدالمجید سالک فرماتے ہیں '

"۔ شیخ عطا محمد نے بیاسی سال کی عمر پائی ۱۹۴۰ء میں انتقال فرمایا ... شیخ صاحب احمدی عقائد رکھتے تھے۔" [42]

۲۔ "ملفوظات اقبال" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ عطا محمد ' عمر کے آخری دور میں بھی علامہ کو احمدیت میں شامل ہونے کی تحریک کیا کرتے۔ حدیث نبوی ہے

ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا [43]

(یعنی اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر اس امت کے لئے مجدد مبعوث کیا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کیا کرے گا)۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں شیخ عطا محمد صاحب کی طرف سے مرزا صاحب کی صداقت کے حق میں اس حدیث کا پیش کرنا اور علامہ اقبال کی طرف سے اس پر جرح کے لئے دیکھئے ص ۶۵

۳۔ شیخ اعجاز احمد صاحب (اپنے بھائی اور بہن شیخ عطا محمد صاحب کے فرزند اور دختر جنہوں نے احمدیت قبول نہیں کی۔ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) لکھتے ہیں۔

"اس روایت (کہ ابا جان نے بعد ازاں احمدیت کو ترک کر کے جماعت سے رشتہ توڑ دیا) کے راوی کوئی بھی ہوں اور یہ روایت بیان کرنے کی وجہ ان کی واقعات سے لاعلمی یا ان کی معاشرتی مجبوریاں اور مصلحتیں کچھ بھی ہوں۔ یہ روایت درست نہیں اور دستاویزی شہادت کے خلاف ہے۔ ابا جان جماعت احمدیہ میں ابتدائی شامل ہونے والوں میں تھے۔ وہ ان ۳۱۳ دوستوں میں سے ہیں جن کے نام بانی سلسلہ نے اپنی کتاب "ضمیمہ انجام آتھم" میں درج کئے ہیں ..... ان کے کیش بکس سے حضور کا دستخطی ۲۱ دسمبر ۱۹۰۰ء کا ایک مکتوب بھی حفاظت سے رکھا ہوا ملا اور حضور کی شبیہ مبارک تو وفات تک ان کے کمرے کی زینت رہی۔"

شیخ اعجاز احمد مزید لکھتے ہیں کہ ان کے پاس ان کے والد صاحب کا ۱۹۲۹ء کا خط بھی موجود ہے کہ "۔ میں خود بھی تو مرزائی ہوں۔ لیکن مجھ میں ان میں صرف جنازہ کے سوال کا فرق ہے۔

"

آپ فرماتے ہیں۔

"میرے عزیزوں میں سے جو چاہے یہ خط ——— دیکھ سکتا ہے۔"

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ۱۹۳۱ء کے لگ بھگ شیخ اعجاز احمد صاحب نے بھی بیعت کر لی۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے جب اس بیعت کے بارے میں شیخ عطا محمد صاحب سے ذکر کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور چودھری صاحب سے فرمایا '

چودھری صاحب ! اوتے میرے پچھے ای آناں سی۔ (یعنی جو مسلک میں نے قبول کیا ہے اس نے بھی وہی مسلک قبول کرنا تھا۔) [44] ے

شیخ عطا محمد صاحب کی بیعت کے بارے میں الفضل کی خبر کا متن

شیخ عطا محمد صاحب نے خود بیان کیا کہ انہوں نے بانی سلسلہ احمدیہ کے ہاتھ پر ابتدائی زمانہ میں بیعت کی تھی۔ پھر بیعت خلافت بھی کر لی۔ یہ خبر ـــــ روزنامہ الفضل کی ۱۰ ر اپریل ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں شائع شدہ ہے۔

خبر کا متن یہ ہے۔

"احباب جماعت یہ سن کر خوش ہوں گے کہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا۔ جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے بھتیجے جناب شیخ اعجاز احمد صاحب بی اے سب جج نے حضرت امام احمدیہ کی بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اب ان کے والد جناب شیخ عطا محمد صاحب گورنمنٹ پنشنر سیالکوٹ نے بیعت کا حسب ذیل خط تحریر فرمایا ہے '

(سیدنا حضرت امام جماعت احمدیہ) جناب والا۔ کمترین حضرت بانی سلسلہ کے ابتدائی زمانہ کا بیعت شدہ ہے۔ خدا کے فضل اور حضرت بانی سلسلہ کی دعاؤں کی برکت سے بیعت پر ثابت قدم ہے۔ بلکہ بعض نشانات نے میرے ایمان کو زیادہ محکم کر دیا ہے۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب نے مجھے بتلایا کہ خلافت کی بیعت بھی ضروری ہے۔ بوجہ پیرانہ سالی و نقاہت ' حاضری سے مجبور ہو کر یہ عریضہ خدمت اقدس میں ارسال ہے براہ نوازش قدیمانہ مجھے اپنی بیعت کے سلسلہ میں لے لیویں۔ میں صدق دل سے آپ کی بیعت خلافت کرتا ہوں۔

نیاز مند

شیخ عطا محمد

ظاہر ہے کہ شیخ عطا محمد صاحب تو از خود اقرار فرما رہے ہیں کہ میں ابتدائی زمانے سے لے

کر اب (۱۹۳۴ء) تک احمدیت پر نہ صرف ثابت قدم ہوں بلکہ بعض نشانات کی وجہ سے میرا ایمان پہلے سے زیادہ مستحکم ہوگیا ہے۔ مگر مصنف زندہ رود یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ۔ "کچھ مدت تک جماعت میں شامل رہنے کے بعد شیخ صاحب نے احمدیت کو ترک کر کے جماعت سے رشتہ توڑ دیا

شیخ عطا محمد صاحب کی نماز جنازہ

"۔ شیخ عطا محمد صاحب کی نماز جنازہ ایک سنی امام نے پڑھائی"۔۔

زندہ رود کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ اعجاز احمد نے حقیقت حال کی یوں وضاحت کی ہے '

"۔ یہ درست ہے کہ ابا جان کے جنازہ کے ساتھ ہماری برادری کے کئی اشخاص اور ابا جان کے کئی ذاتی دوست تھے۔ جاوید کا اس وقت لڑکپن ۱۵،ر تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ بات نوٹ نہ کی ہو یا انہیں یاد نہ رہی ہو کہ میرے چھوٹے بھائی امتیاز مرحوم نے مجھے کہا کہ یہ لوگ ابا جان کا جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اپنے امام کے پیچھے۔ کیا اس میں آپ کو کوئی اعتراض ہے۔ میرے نزدیک یہ کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی اور میں نے بہ خوشی اجازت دے دی بلکہ کہا کہ وہ لوگ پہلے جنازہ پڑھ لیں بعد میں ہم پڑھ لیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔"

شیخ صاحب مزید لکھتے ہیں '

"۔ یہاں یہ غلط فہمی بھی دور کر دوں کہ احمدیوں میں جنازہ کسی کے "گزشتہ یا مفروضہ عقیدے" کے پیش نظر نہیں پڑھا جاتا" ۱۶ ؎

مورخ احمدیت

علامہ اقبال کی بیعت

اقبال نے بانی سلسلہ احمدیہ کے ہاتھ پر قادیان جا کر بیعت کی تھی یا نہیں؟ کوئی عقائد کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس واقعہ کے بارہ میں دو آراء بھی ہو سکتی ہیں بلکہ ہیں۔ جس طبقہ کے نزدیک اقبال نے بیعت کی تھی۔ اس کی طرف سے عام طور پر درج ذیل شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

ا۔ مؤرخ احمدیت مولانا شیخ عبدالقادر (سابق سوداگر مل) مربی مرحوم اپنی تصنیف "لاہور تاریخ احمدیت" مطبوعہ ۱۹۶۶ء میں بانی سلسلہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے لاہور کے

ایک بزرگ بابو غلام محمد صاحب (وفات ۱۹۴۶ء) کی ایک روایت درج کرتے ہیں کہ بابو صاحب نے بیان کیا۔

ا۔ مارچ ۱۸۹۷ء میں ہم لاہور کے کافی نوجوانوں نے جو سارے کے سارے تعلیم یافتہ تھے... ارادہ کیا کہ حضرت مرزا صاحب کو قادیان جا کر دیکھنا چاہئے کیونکہ باہر تو انسان تصنع سے بھی بعض کام کر سکتا ہے لیکن اگر گھر میں جا کر اسے دیکھا جائے تو اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ خیر ہم حضرت اقدس کے دعویٰ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے عازم قادیان ہو گئے۔ ہم میں سے ہر شخص نے الگ الگ اعتراضات سوچ لئے تھے جو وہ کرنا چاہتا تھا۔ مولوی محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر محمد اقبال صاحب، مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری، چوہدری شہاب الدین صاحب، مولوی سعد الدین صاحب بی اے ایل ایل بی وغیرہ بھی اس قافلہ میں شامل تھے (خواجہ کمال الدین صاحب ۱۸۹۴ء میں بیعت کر کے سلسلہ عالیہ میں داخل ہو چکے تھے).... جب ہم قادیان پہنچے تو گول کمرہ میں ہمارے لئے ملاقات کا انتظام کیا گیا۔ حضور جب تشریف لائے۔ تو آتے ہی ایک تقریر کے رنگ میں ہمارے ایک ایک اعتراض کو لے کر اس کا جواب دینا شروع کیا حتیٰ کہ ہم سب کے اعتراضات کا مکمل جواب آگیا۔ تب ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر تعجب کرنے لگے کہ یہ کیسے ہوا؟ جب باہر نکلے تو بعض نے کہا کہ یہ سچ مچ مامور من اللہ ہے اور بعض نے کہا۔ یہ جادوگر ہے۔ چودھری شہاب الدین صاحب اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ نے کہا کہ یہ ضرور سچا ہے۔ ہم تو بیعت کرتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد علی صاحب، چودھری سر شہاب الدین صاحب، ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب اور مولوی غلام محی الدین صاحب قصوری اور خاکسار نے بیعت کر لی۔ بعض اور لوگوں نے بھی بیعت کی تھی مگر ان کے نام مجھے یاد نہیں رہے۔ ...... چودھری سر شہاب الدین صاحب اب بڑے آدمی ہیں مگر میرے ساتھ اسی طرح بے تکلفی سے باتیں کرتے ہیں۔ مجھے جب بھی ان سے ملنے کا موقعہ ملتا ہے۔ یہی کہتے ہیں کہ .. میں حضرت صاحب کو اب بھی نبی مانتا ہوں گو اپنے اعمال کی وجہ سے نظام سلسلہ میں داخل نہیں۔ ۱۷ ؎

ب۔ اقبالیات کے عظیم سکالر جناب بشیر احمد ڈار صاحب لکھتے ہیں '

"ایک روایت کے بموجب اقبال نے ..... مرزا غلام احمد کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔" ۱۸ ؎

ج ۔ خواجہ نذیر احمد صاحب چیئرمین سول اینڈ ملٹری بورڈ آف ڈائریکٹرز نے ۵۴۔۱۹۵۳ کی تحقیقاتی عدالت (میز انکوائری) کے سامنے شہادت دیتے ہوئے بتایا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر مرزا بشیر الدین محمود احمد تھے اور علامہ اقبال کمیٹی کے ممبروں میں شامل تھے۔ جب ان دونوں کے درمیان باہمی اختلاف پیدا ہوئے تو میرے والد خواجہ کمال الدین اقبال سے ملنے ان کی رہائش گاہ پر گئے۔ اس ملاقات میں میں بھی ہمراہ تھا۔ والد صاحب نے علامہ سے (دوستانہ بے تکلفی میں۔ ناقل) کہا'

اوئے یار! تیری بیعت دا کی ہویا

علامہ نے جواباً کہا'

او ویلا ہور سی۔ اے ویلا ہور اے۔ ۱۹۔

یعنی علامہ نے بیعت کے واقعہ سے انکار نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ جب میں نے بیعت کی تھی وہ اور وقت تھا۔ اب حالات بدل چکے ہیں۔

یہ واقعہ ۱۹۳۳ء کا ہے۔

د۔ قادیان جا کر بیعت کرنے والے گروہ کے ایک رکن مولوی غلام محی الدین صاحب (لاہور کے ممتاز ایڈووکیٹ) تھے۔ جو خواجہ نذیر احمد صاحب کے دوستوں میں تھے۔ ۱۹۵۳ء کی اینٹی احمدیہ تحقیقاتی عدالت میں ہی خواجہ صاحب نے اپنی شہادت کے دوران اپنے دوست غلام محی الدین صاحب قصوری کے حوالے سے بیان کیا کہ اقبال نے قصوری صاحب کے ہمراہ ۱۸۹۳ء میں قادیان جا کر بانی سلسلہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ (یہ علامہ کے لڑکپن کا دور تھا) ۔۔۔۔ عدالت میں بیان دینے کے بعد جب خواجہ صاحب کی بار میں قصوری صاحب سے ملاقات ہوئی تو قصوری صاحب نے بیعت کے سن کی تصحیح فرما دی اور بتایا کہ علامہ نے میرے ہمراہ ۱۸۹۳ء میں نہیں بلکہ ۱۸۹۷ء میں قادیان جا کر بیعت کی تھی۔ اس پر خواجہ صاحب نے اگلے دن نہایت صفائی اور راستبازی سے کام لیتے ہوئے عدالت کے ریکارڈ میں درخواست دے کر سن کی تصحیح کرا دی۔ ۲۰۔

مصنف زندہ رود نے اس شہادت پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ'

"۔ گواہ نے پہلے تو کہا کہ یہ بیعت ۱۸۹۳ء میں ہوئی تھی۔ پھر کہا کہ ۱۸۹۷ء میں ہوئی تھی

مصنف کے نزدیک گواہ کی تضاد بیانی کی وجہ سے اس کی شہادت قابل اعتماد نہیں۔ لیکن مندرجہ بالا وضاحت کے بعد مصنف کی طرف سے دیا گیا تاثر وزنی دکھائی نہیں دیتا۔

مصنف زندہ رود نے گواہ کی شہادت پر تنقید کرتے ہوئے مزید لکھا ہے۔

"۔ بعد ازاں گواہ نے اپنی شہادت کے کسی اور حصہ میں بتایا کہ اقبال ۱۹۳۰ء تک مرزا غلام احمد کو مجدد مانتے رہے۔ پھر کہا کہ اس نے اپنے بیان میں یہ کہیں بھی نہیں کہا کہ اقبال احمدی تھے۔ ۲۱

اس ضمن میں گواہ نے کیا بیان دیا؟ آیئے اس دور کے اخبارات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

کیا اقبال ۱۹۳۱ء تک قادیانی رہے؟

گواہ (خواجہ نذیر احمد صاحب) نے ازخود اپنی اگلی پیشی میں تحقیقاتی عدالت کو بتایا کہ ان کے بعض سابقہ بیانات کی اخبارات میں رپورٹنگ غلط شائع ہوئی ہے۔ عدالتی کاروائی میں اس کی تصحیح کر دی جائے۔ مثلاً ملاحظہ ہو "اقبال کے ۱۹۳۱ء تک احمدی ہونے کے بارہ میں" خواجہ صاحب کا بیان'

" آج چیف جسٹس محمد منیر اور مسٹر جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی کے روبرو جرح شروع ہوتے ہی گواہ نے ۴ر نومبر ۱۹۵۳ء کے پاکستان ٹائمز لاہور میں شائع شدہ عدالتی کاروائی کی طرف اشارہ کیا۔ جس کا عنوان تھا۔ "اقبال ۱۹۳۱ء تک قادیانی تھے"۔ گواہ نے کہا کہ میری گواہی کو غلط پیش کیا گیا ہے کیونکہ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ علامہ اقبال قادیانی تھے۔ میں نے یہ کہا تھا کہ علامہ اقبال نے بیعت کی تھی۔ ۲۲۔

اس ضمن میں مصنف نے بجائے اخبارات کی غلط رپورٹنگ پر تنقید کرنے اور خواجہ صاحب کی جانب سے عدالت میں اس کی شکایت کا اظہار کرنے کے 'یہ تاثر دیا ہے کہ گویا گواہ اپنے سابقہ بیانات سے منحرف ہوتا رہا۔ ۲۳

لڑکپن کی بیعت

راقم عرض کرتا ہے۔ لڑکپن کی بیعت تھی۔ نہ بعد میں قصوری صاحب نے نبھائی نہ علامہ نے۔ البتہ اقبال نے ۱۸۹۷ء سے ۱۹۳۲ء تک کے ۳۵ سال جماعت احمدیہ سے سلسلہ موانست و مواخات قائم کئے رکھا۔

لڑکپن میں بیعت کرنا اور پھر عمر بھر اس بیعت کو نبھانا دراصل دو الگ الگ امور ہیں۔ جنہیں اقبال کے معاملہ میں یکجا کر دینے سے غلط فہمی پیدا کر دی گئی ہے۔

سوال یہ ہے کہ علامہ اقبال کی بیعت کے متعلق اس زبردست اور ملک گیر چونکا دینے والے عدالتی بیان پر مصنف زندہ رود یا حلقۂ اقبال کے کسی سرکردہ رکن کی طرف سے قصوری صاحب پر جرح کر کے ان کے بیان کو غلط ثابت کیا گیا؟ جواب نفی میں ہے --- کیا مختلف مکاتیب فکر کے متعدد علماء اور دانشوروں نے جو عدالت میں پیش ہوتے رہے' یہ گواہی غلط ثابت کر دکھائی؟ جواب ہے۔ نہیں

راقم کی نظر میں قصوری صاحب کا بیان بہت وزن رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ۱۸۹۷ء میں بیعت کر لینے کے بعد خود علامہ کی طرح احمدیت سے وابستہ نہیں رہے تھے۔ ان کو حقیقت کے خلاف بیان دینے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

اقبال نے بیعت نہیں کی

اس کے مقابل مصنف زندہ رود کا موقف یہ ہے کہ اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ "اقبال نے اپنی زندگی کے کسی مرحلہ پر مرزا غلام احمد کی بیعت کی۔" ۲۴ سے

اپنے موقف کی تائید میں مصنف فرماتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کے ایک مخلص مرید سید حامد شاہ نے ۱۹۰۲ء میں اقبال کو مرزا غلام احمد کی بیعت کے لئے لکھا جس کا جواب اقبال نے ایک نظم کے ذریعے دیا۔ علامہ فرماتے ہیں

تنکے چن چن کے باغ الفت کے   آشیانہ بنا رہا ہوں میں
ایک دانہ پہ ہے نظر تیری   اور خرمن کو دیکھتا ہوں میں
تو جدائی پہ جان دیتا ہے   وصل کی راہ سوچتا ہوں میں

مصنف لکھتے ہیں'

اس نظم کے مطالعہ سے عیاں ہے کہ وہ احمدیت کو ملت اسلامیہ میں ایک علیحدگی پسند تحریک سمجھ کر "ناپسندیدگی" کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔" ۲۵۔

راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ کے لڑکپن کی بیعت کا واقعہ ۱۸۹۷ء کا ہے اور بیعت کا پیغام پانچ سال بعد ۱۹۰۲ء کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پیغام بھجوانے والے کو یہ احساس ہو کہ چونکہ علامہ

نے عملی رنگ میں جماعت کے ساتھ روابط نہیں رکھے اور اب لڑکپن کا دور بھی نہیں رہا۔ اب آپ کا ذہنی شعور پختہ ہو چکا ہے۔ اب آپ کے والد صاحب کے جماعت سے روابط میں بھی سرد مہری آ رہی ہے۔ اس صورت حال میں علامہ کو نئے سرے سے بیعت کا پیغام بھجوانا چاہئے۔ واللہ اعلم۔ راقم کا خیال ہے کہ اگر غلام محی الدین قصوری صاحب کو بھی اس دور میں جب وہ برصغیر کے ممتاز ایڈوو کیٹس میں شمار ہونے لگے تھے۔ بیعت کا پیغام بھیجا جاتا تو وہ بھی بیعت کرنے پر آمادگی کا اظہار نہ کرتے لیکن اس سے ان کے ۱۸۹۷ء والے بیعت کے واقعہ کو تو کالعدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

بہرحال ۱۹۰۲ء میں حالات بہت کچھ بدل چکے تھے۔ علامہ ایم اے کر چکے تھے۔ اور سنٹرل کالج میں استاد مقرر ہو چکے تھے۔ کچھ عرصہ پیشتر ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر غائت درجہ پردرد و پراثر مرثیہ لکھ کر انگریزوں سے زبردست خراج تحسین حاصل کر کے شہرت پا چکے تھے۔ آپ کے والد صاحب کی احمدیت سے وابستگی کا گراف بھی نیچے گر چکا تھا۔ ۲۶ سے

۔ وجہ کچھ بھی ہو ایک بات طے ہے کہ علامہ کا جماعت کو علیحدگی پسند تحریک سمجھنا کسی وقتی اور عارضی جذبے کے تحت تھا کیونکہ بعد کے ۳۰ سالہ واقعات یا علامہ کے بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ علامہ کی تمام غلط فہمیاں دور ہو چکی تھیں۔ اور آپ صرف اسی تحریک کو ایک "پسندیدہ" یا "اسلامی تحریک" سمجھنے لگے تھے۔ علماء کی شدید مخالفتوں کے باوجود آپ کا رجحان "قادیان" کی طرف تھا۔

- ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک علامہ کا قیام انگلستان میں رہا۔ ۲۷ سے
- ۱۹۰۹ء میں علامہ ہمیں جماعت احمدیہ لاہور کے جلسہ سیرت النبیؐ کے مقرروں میں نظر آتے ہیں۔ ۲۸ سے
- ۱۹۱۰ء میں علی گڑھ میں علی الاعلان جماعت احمدیہ کو "مسلم کردار کا طاقتور مظہر" قرار دیتے ہیں ۲۹ سے
- ۱۹۱۱ء میں اپنے لخت جگر کو دینی تعلیم و تربیت کے لئے قادیان بھجواتے ہیں۔ ۳۰ سے

جس طبقہ کو اقبال کی بیعت کے واقعہ سے اتفاق نہیں۔ اس کی جانب سے اقبال کا یہ شعر بھی پیش کیا جاتا ہے۔۔

مینار دل پہ اپنے خدا کا نزول
یہ انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

اور کہا جاتا ہے کہ علامہ تو کسی مسیح یا مہدی کے آنے کے قائل ہی نہ تھے۔ اس ضمن میں ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنا ہوگی کہ علامہ کی بیعت کا سن ۱۸۹۷ء بتایا جاتا ہے اور یہ غزل ۱۹۰۵ء یعنی سات سال بعد کی ہے۔ ۱۸۹۷ء میں اقبال کے لڑکپن کا دور تھا۔ اس عمر میں مذہبی مسائل کی باریکیوں پر گہری نظر نہیں ہوتی۔ اس لئے ۱۸۹۷ء کے حالات کا ۱۹۰۵ء یا اس کے بعد کے حالات پر اطلاق کرنا چنداں مناسب نظر نہیں آتا۔ ۳۱ے

اقبال کی بیعت یا عدم بیعت کے بارے میں قارئین کے سامنے دونوں پہلو آگئے ہیں۔ خود فیصلہ کر لیجئے۔ کونسا پہلو زیادہ وزنی ہے۔

احمدیہ لٹریچر اور افراد خاندان کی بیعت

مصنف زندہ رود نے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ اقبال یا اقبال کے خاندان کے افراد کی بیعت کے متعلق

۔ احمدیہ جماعت کے نقادوں نے۔ "اقبال کی زندگی میں یہ باتیں نہ کہی تھیں"۔ ۳۲ے
۔ راقم دریافت کرتا ہے کہ کیا شیخ عطا محمد صاحب کی زندگی میں غیر احمدی نقادوں میں سے کسی نے یہ بیان دیا کہ آپ نے کچھ مدت جماعت میں رہنے کے بعد احمدیت سے اپنا رشتہ توڑ لیا؟ جواب ہے نہیں

اسی طرح اقبال کی بیعت کا مسئلہ تو زیادہ تر اس وقت زیر بحث آیا جب اینٹی احمدیہ تحقیقاتی عدالت (۱۹۵۳ء) میں خواجہ نذیر احمد صاحب نے اپنا بیان ریکارڈ کروایا کہ علامہ نے ۱۸۹۷ء میں مولوی غلام محی الدین قصوری کے ہمراہ قادیان جا کر بانی سلسلہ احمدیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ باقی افراد خاندان کی بیعت کا ذکر نہ صرف اقبال کی زندگی میں کیا گیا بلکہ اقبال کو مخاطب کر کے کیا گیا۔ چنانچہ جب ۱۹۳۵ء میں علامہ نے احمدیت کے خلاف مضامین لکھے تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے اپنے خطبات میں اصولی طور پر ان کا نہایت معقول جواب دیا۔ پھر یہ خطبات الفضل اخبار میں اشاعت پذیر ہوئے۔ حضور نے اپنے خطبہ میں علامہ کے ایک الزام کے رد میں فرمایا'

"اگر یہ الزام کوئی ایسا شخص لگاتا جسے احمدیوں سے واسطہ نہ پڑا ہوتا تو میں اسے معذور

سمجھ لیتا لیکن سر محمد اقبال معذور نہیں کہلا سکتے۔ ان کے والد صاحب مرحوم احمدی تھے۔ ان کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب احمدی ہیں۔ ان کے اکلوتے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج احمدی ہیں ..... ان کے بڑے بھائی صاحب حال ہی میں کئی ماہ ان کے پاس رہے ہیں بلکہ جس وقت انہوں نے یہ اعلان شائع کیا ہے اس وقت بھی سر محمد اقبال صاحب کی کوٹھی وہ تعمیر کرا رہے تھے۔ کیا سر محمد اقبال صاحب نے ان کی رہائش کے ایام میں انہیں منافق پایا تھا یا خود اپنی زندگی سے زیادہ پاک زندگی ان میں پائی جاتی تھی۔ ان کے سگے بھتیجے شیخ اعجاز احمد ایسے نیک نوجوان ہیں کہ اگر سر محمد اقبال غور کریں تو یقیناً انہیں ماننا پڑے گا کہ ان کی اپنی جوانی' اس نوجوان کی زندگی سے سینکڑوں سبق لے سکتی ہے۔ پھر ان شواہد کی موجودگی میں ان کا کہنا کہ احمدی منافق ہیں اور وہ ظاہر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن دل سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ ۳۳ے

علامہ اس دور میں احمدیت کے خلاف لمبے چوڑے بیانات دے رہے تھے۔ مگر چونکہ اپنے والد محترم اور اپنے بڑے بھائی کی بیعت کا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے اس ضمن میں خاموشی ہی کو مصلحت جانا۔ اور پھر زندگی بھر اس معاملہ میں زبان نہ کھولی۔

ANTI-QA

(Continued from page 1)
contained the heading "Iqbal was a Qadiani up to 1931, says Kh. Nazir."
The witness pointed out that this was a misrepresentation of his evidence in Court because he never stated that Allama Iqbal was a Qadiani. What he stated was that Allama Iqbal had taken the *be'at*.
Khwaja Nazir Ahmad also corrected his previous statement by stating that Allama Iqbal did not, as previously stated by the witness, take the *be'at* in 1893 or 1894 but in 1897 and that the witness had been reminded of this fact by Maulvi Ghulam Mohyuddin Qasuri in the Bar Room when he had a talk with the witness on this subject.

THE PAKISTAN TIMES.
NOVEMBER 11, 1953-

باب نمبر۱　　فصل نمبر۲

شیخ عطا محمد صاحب اور مسز ڈورس احمد

علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب (پیدائش ۱۸۵۹ء) اور آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ اعجاز احمد صاحب (پیدائش ۱۸۹۹ء) کے بارے میں کچھ امور جرمن عیسائی خاتون محترمہ ڈورس صاحبہ کے انگریزی کتابچے "Iqbal As I Knew him" ۔ اقبال جیسا میں انہیں جانتی تھی" ۔ میں بھی بیان ہوئے ہیں ۔ جن کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا ۔

علامہ اپنے خط بنام سر راس مسعود محررہ ۸ ر جون ۱۹۳۷ء میں اپنے نابالغ بچوں کی نگہداشت کے لئے ایک جرمن خاتون کو بلوانے کے انتظام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں '

" ۔ جاوید کی عمر اس وقت تقریباً ۱۳ سال ہے اور منیرہ کی قریباً سات سال ۔ ماں کی موت سے ان کی تربیت میں بہت نقص رہ گئے ہیں ۔ اس واسطے میں نے مذکورہ انتظام کیا ہے ۔ " [۳۵-۳۶]

یہ محترمہ جولائی ۱۹۳۷ء (اقبال کی وفات سے قریباً ۹ ماہ قبل) علی گڑھ سے اقبال کے گھرانے میں تشریف لائیں اور پھر اسی گھرانے میں رچ بس گئیں ۔ اقبال کی وفات کے بعد قریباً ۲۵ سال تک جاوید منزل میں مقیم رہیں ۔

پروفیسر محمد منور صاحب سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی ' محترمہ کے مذکورہ انگریزی کتابچے کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کتابچہ میں شامل مواد کئی کتب پر بھاری ہے ۔ آپ مزید لکھتے ہیں کہ میں نے اقبال کی گھریلو زندگی کے بارے میں یہ کتابچہ رقم فرمانے پر اقبال اکیڈمی کی طرف سے دس ہزار روپیہ انعام پیش کرتے ہوئے محترمہ سے کہا '

" ۔ آپ جاوید اقبال اور منیرہ بانو ہی کی امی نہیں ۔ ہم سب کی امی ہیں ۔ آپ نے ہمارے پیر و مرشد کو کئی تفکرات سے چھٹکارا دلایا ۔ خصوصاً بچوں کی تربیت کے باب میں ۔۔۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید حضرت علامہ ' " ضرب کلیم " ' " پس چہ کرد اے اقوام شرق " ۔۔ اور ارمغان حجاز " مکمل نہ کر پاتے ..... اس اعتبار سے اے محترمہ ڈورس صاحبہ ! آپ کا احسان

فقط ہم پاکستانی مسلمانوں پر ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ پر ہے (اس وقت محترمہ کی عمر اسی پچاسی برس کی ہو گی ۔ " [۳۷]

محترمہ ڈورس صاحبہ ' شیخ عطا محمد صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں '

" ۔ شیخ عطا محمد ہی نے علامہ کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے یورپ بھجوایا ۔ آپ ہمیشہ شلوار قمیص ۔ ترکی ٹوپی اور پگڑی میں ملبوس رہتے ۔ آپ سیالکوٹ میں رہائش پذیر تھے اور عام طور پر ہر مہینہ میں ایک مرتبہ علامہ کے پاس لاہور آیا کرتے تھے ۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ایک میم صاحبہ کے وجود کو ناپسند کرتے تھے اور گھر میں میری موجودگی سے متنفر تھے ۔ آپ بہت کٹر قسم کے مسلمان تھے اور خیال کرتے تھے کہ جاوید اور بانو (علامہ کے بچوں ۔ ناقل) کی نگہداشت کے لئے کسی مسلمان خاتون کا تقرر ہونا چاہئے تھا ۔ جب کبھی ان کا آنا ہوتا یا علی بخش (خادم علامہ اقبال ۔ ناقل) ان کی آمد کی اطلاع دیتا ' میں ادھر ادھر ہو جاتی اور حتی الامکان ' علامہ کے کمرے میں داخل ہونے سے گریز کرتی ۔ " [۳۸]

شیخ اعجاز احمد کا مقام

علامہ اپنے مکتوب بنام سر راس مسعود میں اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد صاحب کو " نہایت صالح آدمی " قرار دیتے ہیں ۔ " [۳۹] علامہ کی اس رائے کی تصدیق محترمہ ڈورس صاحبہ کے کتابچہ کے مندرجات سے بھی ہوتی ہے ۔ آپ لکھتی ہیں '

" ۔ شیخ اعجاز احمد ' شیخ عطا محمد کے بڑے صاحبزادے تھے ۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے ۔ ایسا لگتا تھا جیسے ڈاکٹر صاحب (علامہ ۔ ناقل) اِن کے بارے میں نہایت اعلیٰ رائے رکھتے تھے ۔ کیونکہ اپنے چھوٹے بچوں کا گارڈین مقرر کرنے کے سلسلہ میں علامہ نے ان کو ان کے والد پر بھی ترجیح دی تھی ۔ [۴۰]

عام طور پر یہ تاثر [۴۱] ۔ دیا جاتا ہے کہ شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہو جانے کی وجہ سے علامہ ان سے متنفر ہو گئے تھے اور آپ ان کی جگہ کسی اور کو گارڈین مقرر کرنا چاہتے تھے مگر حقائق اس تاثر کی تائید نہیں کرتے ۔ مثلاً یہی کہ

" ۔ شیخ اعجاز احمد صاحب نے اپنے گارڈین مقرر ہونے کے بعد احمدیت اختیار نہیں کی تھی

بلکہ ان کے احمدی ہو جانے کے بعد علامہ نے ان کو اپنے بچوں کا گارڈین مقرر کیا تھا۔"

اپنے بچوں کا گارڈین مقرر کرنے کے معاملہ میں علامہ ' ہمیں بہت لبرل (Librel) نظر آتے ہیں۔ مسز ڈورس اپنے کتابچہ میں بتاتی ہیں کہ

" وفات سے کچھ عرصہ پیشتر علامہ نے مجھے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میاں امیر الدین اور تمہیں اپنے بچوں کا گارڈین مقرر کروں۔" ۴۲ سے

ظاہر ہے گارڈین کے تقرر کے معاملہ میں علامہ ایک غیر کلمہ گو عیسائی خاتون کو بھی موزوں سمجھتے ہیں۔ پھر اپنے حقیقی بھتیجے ' نہایت صالح آدمی۔ کلمہ گو وجود سے نفرت اور محض احمدی ہونے کی وجہ سے اسے اس اعزاز سے برطرف کرنے کی خواہش ' علامہ کی خواہش معلوم نہیں ہوتی۔

گارڈین کے انتخاب میں تبدیلی کا خیال

سالہا سال تک احمدیت کا مداح رہنے کے بعد علامہ اقبال کا احمدیت کے خلاف پہلا مضمون ' مئی ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔ اس سے قریباً ۵ ماہ بعد علامہ نے اپنے بھتیجے شیخ اعجاز احمد کو جو کچھ عرصہ قبل بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ سے داخل ہو چکے تھے۔ ایک وصیت نامہ کے ذریعہ اپنے بچوں کے اولیاء (گارڈین) میں شامل کر لیا۔۔ قریباً دو سال کے تجربہ سے علامہ کو احساس ہوا کہ اعجاز احمد تو خود بہت عیال دار ہیں نیز اکثر بہ سلسلہ ملازمت لاہور سے باہر رہتے ہیں۔ ان کی جگہ کسی اور کو گارڈین مقرر کرنا چاہئے۔ شاید یہ خیال بھی ہو کہ نیا گارڈین صاحب ثروت ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ بہرحال آپ نے ۱۰ر جون ۳۷ کو سر راس مسعود (بھوپال) کو لکھا '

" شیخ اعجاز احمد میرا بڑا بھتیجا ہے۔ نہایت صالح آدمی ہے لیکن وہ خود بہت عیال دار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو گارڈین مقرر کر دوں۔" ۴۳ سے

سر راس مسعود نے جواباً لکھا کہ میں تو خود لاہور سے دور رہتا ہوں۔ اس بنا پر انہوں نے معذوری ظاہر کر دی اس پر علامہ نے شیخ اعجاز احمد کی ولایت برقرار رکھی۔

پروفیسر شیخ عطاء اللہ مؤلف اقبال نامہ (مطبوعہ ۱۹۴۵ء) نے علامہ کا ۱۰ر جون ۳۷ والا خط سر راس مسعود کی وفات کے بعد اقبال کے ان کے نام دیگر خطوط کے ہمراہ براہ راست لیڈی

سر راس مسعود سے حاصل کر کے شریک اشاعت کیا تھا ۴۴-۴۵ سے

اب چالیس سال بعد بھوپال (بھارت) سے " اخلاق اثر " نامی کسی شخص نے علامہ کے مکاتیب کا ایک مجموعہ شائع کیا ہے۔ اس میں ۱۰ر جون ۳۷ والا یہ خط بھی شامل ہے۔ اس خط میں تبدیلئی ولی کے لئے شیخ اعجاز احمد کے عیال دار ہونے اور لاہور سے باہر رہنے کے علاوہ ایک تیسری وجہ۔ " ان کا قادیانی ہونا " بھی بیان کی گئی ہے۔ اس میں علامہ کی طرف منسوب عبارت ملاحظہ ہو۔

اقبال کا بھوپال سے شائع کردہ خط

۳۔ شیخ اعجاز احمد میرا بھتیجا ہے نہایت صالح آدمی ہے۔ مگر افسوس کہ دینی عقائد کی رو سے قادیانی ہے۔ تم کو معلوم ہے آیا ایسا عقیدہ رکھنے والا آدمی ' مسلمان بچوں کا گارڈین ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ وہ خود بہت عیال دار ہے اور عام طور پر لاہور سے باہر رہتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی جگہ تم کو گارڈین مقرر کروں۔ مجھے امید ہے کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔" ۴۴۔

پروفیسر شیخ عطاء اللہ نے تو یہ خط براہ راست لیڈی سر مسعود سے حاصل کر کے اسے ۱۹۴۵ء میں اقبال نامہ میں شائع کر دیا تھا۔ اس میں شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے اور اس پر اظہار افسوس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اب چالیس سال گزرنے کے بعد بھارت کے " اخلاق اثر " صاحب کو اعجاز احمد کے قادیانی ہونے والے زائد فقرات والا خط کہاں سے دستیاب ہوا ہے " مصنف زندہ رود نے اس خط کا اصل متن یا اصل کا فوٹو کاپی حاصل کئے بغیر اسے کیونکہ معتبرو مستند سمجھ لیا؟ ہم اس کے متعلق کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔

" مظلوم اقبال " کے مصنف شیخ اعجاز احمد صاحب نے بذات خود بھوپال سے اصل خط یا اصل کا فوٹو کاپی حاصل کرنے کے لئے بہت کاوش کی ہے۔ مگر انہیں اس میں کامیابی نہیں ہو سکی۔ ۴۷ سے

اغلب ہے کہ شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے اور اس پر اظہار افسوس والے فقرات الحاقی

ہیں اور یہ علامہ کی سوچ نہیں۔

اگر اصل خط میں شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے کا ذکر ہوتا تو سر راس مسعود اپنے جوابی خط میں اس نکتہ پر کچھ نہ کچھ اظہار رائے ضرور فرماتے مگر ان کا خط اس ضمن میں بالکل خاموش ہے۔

علامہ کے بچوں کے گارڈین ز٭ میں چودھری محمد حسین اور شیخ اعجاز احمد (احمدی) دونوں شامل تھے۔ چودھری صاحب احمدیت کے شدید مخالف تھے۔ جس وقت ۱۹۴۵ء میں "اقبال نامہ" چھپا۔ چودھری صاحب پریس برانچ کے سپرنٹنڈنٹ اور پیپر کنٹرولر (Paper Controller) تھے۔ کتاب کے پبلشر شیخ محمد اشرف صاحب تاجر کتب کشمیری بازار لاہور تھے۔ شیخ محمد اشرف اور سید نذیر نیازی صاحبان کے بیانات کے مطابق چودھری محمد حسین صاحب نے مکاتیب کے بعض مقامات پر جو انہیں ناپسند تھے قطع و برید سے کام لیا۔ خاص طور پر ۱۰/ جولائی ۳۷ء والا خط شائع شدہ کتب سے حذف کروا دیا گیا۔ کیونکہ شیخ اعجاز احمد کا "نہایت صالح آدمی" ہونا چودھری صاحب کی سیاست کو گوارا نہیں تھا لیکن اس اقدام کے وقت چند کتب فروخت بھی ہو چکی تھیں۔ چنانچہ بعض لائبریریوں میں فروخت شدہ نسخہ موجود ہے مثلاً دیکھئے لاہور کی پنجاب پبلک لائبریری۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔ قائداعظم لائبریری وغیرہ --- ۴۸

اب یہ امر قرین قیاس نہیں ہے کہ شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے اور علامہ کے اس بات پر اظہار افسوس والے فقرات اصل خط میں موجود ہوں اور چودھری صاحب انہیں حذف کرا دیں۔ یہ فقرے تو ان کے مطلب کے فقرے تھے۔

پھر مصنف "زندہ رود" ہمیں بتاتے ہیں کہ --- "اقبال میں قوت برداشت کی انتہا تھی۔ مگر جب ایک مرتبہ کسی سے ناراض ہو جاتے تو پھر ساری عمر اس کا چہرہ دیکھنے کے روادار نہ ہوتے۔ ۴۹

کیا علامہ نے شیخ اعجاز احمد کے قادیانی ہونے کو ناپسند کیا؟ اظہار افسوس کیا؟ ناراض ہوئے؟ ان کا چہرہ دیکھنے سے نفرت کا اظہار کیا؟ --- جواب ہے ہرگز نہیں بلکہ علامہ' وفات کے قریب تک اپنے بھتیجے کے عادات و خصائل پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتے رہے۔ ۵۰

جہاں تک بڑے بھائی کا تعلق ہے۔ ان کے اس اعلان (اخبار الفضل ۱۰/ اپریل ۱۹۳۴ء

) کے بعد کہ میں قدیمی بیعت شدہ ہوں اور اس بیعت پر ثابت قدم ہوں۔ علامہ نے پہلے سے بڑھ کر اپنے اعتماد اور قربت سے نوازتے ہوئے اپنی کوٹھی کی تعمیر کی نگرانی کا کام ان کے سپرد کر دیا اور چھ ماہ تک اپنے پاس ٹھہرایا۔ بے شک ۳۶-۱۹۳۵ء میں علامہ نے پبلک پلیٹ فارم پر احمدیت کی بعض ذاتی و سیاسی وجوہ سے مخالفت کی مگر آپ کے طرز عمل سے ظاہر ہے کہ اندر خانے احمدیوں کی صالحیت کا آپ کی طبیعت پر جو گہرا اثر تھا اسے کوئی ترشی زائل نہ کر سکی۔
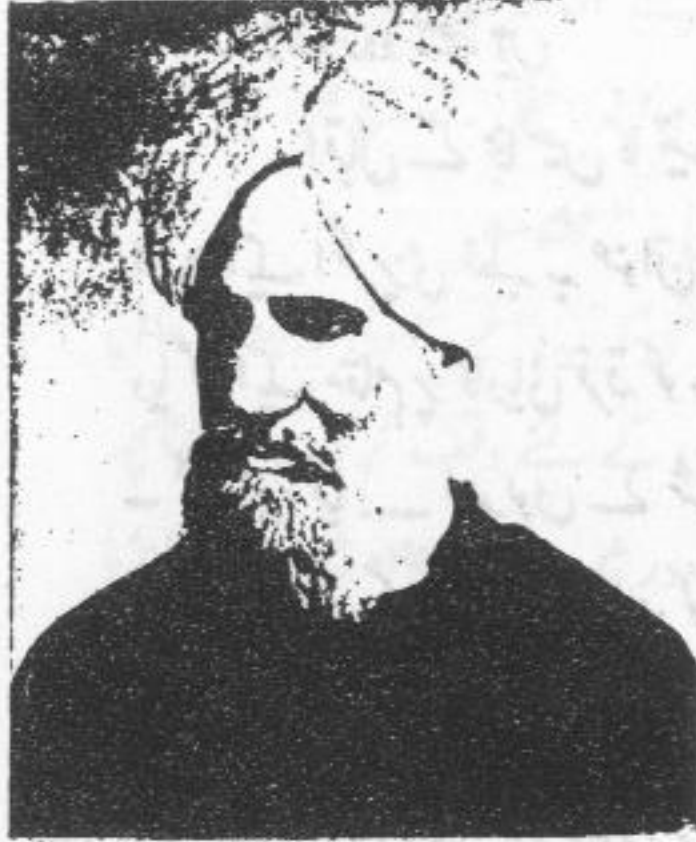
علامہ اقبال کی والدہ گرامی (وفات: ۹ نومبر ۱۹۱۴ء)

...مرشد علامہ اقبال، شیخ نور محمد صاحب

مسز ڈورس احمد

آفتاب اقبال فرزند اکبر حضرت علامہ و محترمہ کریم بی بی (۱۹۱۳ء میں)

باب نمبر۱ فصل نمبر۳

کیا اقبال پر احمدیت قبول کرنے کے لئے ڈورے ڈالے گئے؟

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں'

"۔ اقبال کے مخالفین کا تیسرا گروہ احمدی عقیدہ رکھنے والوں کا تھا.... اقبال نے ۱۹۱۰ء میں اپنے ایک انگریزی خطبہ بہ عنوان "مسلم کیمونٹی" "ایک معاشرتی مطالعہ"۔ میں جو علی گڑھ میں دیا گیا ایک مقام پر قادیانی فرقہ کو پنجاب میں ---- "خالصتاً مسلم کردار کا طاقت ور مظہر ۔" بیان کیا.... احمدیوں نے شروع ہی سے کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح اقبال جیسی غیر معمولی قابلیت کی حامل شخصیت کو احمدی مذہب قبول کر لینے کے لئے رضامند کیا جائے.... احمدیوں کے ایک اخبار نے خبر وضع کر کے شائع کر دی کہ اقبال نے احمدی عقیدہ رکھنے والے کسی خاندان کی لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ اس پر اقبال نے اس خبر کی تردید میں ایک بیان دیا کہ انہوں نے ایسی کوئی شادی نہیں کی بلکہ جس کسی نے یہ شادی کی ہے وہ کوئی اور ڈاکٹر اقبال ہوں گے... جب احمدیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے اقبال کو ناپسندیدگی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ ۵۱ سے

راقم عرض کرتا ہے کہ وفات یافتہ بزرگوں کی سوانح عمریوں میں خیر و خوبی کے پہلوؤں کو اجاگر کرنا اور جوانی کی رنگ رلیوں کے بیان سے گریز کرنا بہتر ہوتا ہے مگر مصنف زندہ رود نے اس قابل احترام اصل کو پوری طرح پیش نظر نہیں رکھا۔ ہمیں علامہ کی جوانی کے ایام تصویر کے دو ایک نقوش مصنف کے حوالے سے بہ امر مجبوری دکھانے پڑے ہیں۔ مصنف کہتا ہے کہ راگ رنگ اقبال کا دین اور ایمان تھا۔ رفتہ رفتہ آپ شہر کے باذوق روسا کی رقص و سرود کی محفلوں میں شریک ہونے لگے۔ امیر بیگم جس کا تعلق طوائفوں کے گھرانے سے ہے کے متعلق اقبال نے اپنے ایک دوست کو لکھا'

"۔ امیر کہاں ہے۔ خدا کے لئے وہاں ضرور جایا کرو۔ مجھے بہت اضطراب ہے۔ جانے اس میں کیا راز ہے۔ جتنا دور ہو رہا ہوں۔ اتنا ہی اس سے قریب ہو رہا ہوں۔ ۵۲

مصنف "زندہ رود" ہمیں مزید بتاتے ہیں کہ لندن میں پروفیسر آرنلڈ نے اقبال کا ایک بزرگ مولوی صاحب سے تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ انہیں لندن کے قابل دید مقامات کی سیر کرا دو۔ اقبال آخر میں اس بزرگ کو قہوہ خانے میں لے گئے۔ جہاں چند ستم پیشہ لڑکیاں موجود تھیں۔ وہاں اقبال کے اشارے سے یا اپنی جولانئ طبع سے لڑکیوں نے اس بزرگ سے بہت ناروا حرکات کیں۔ کسی نے ان کی نورانی داڑھی کو چھوا اور ایک نے تو ان کے رخساروں پر عقیدت کی چند مہریں بھی جڑ دیں ---- مولوی صاحب غصہ سے بھرے آرنلڈ کے پاس پہنچے اور سخت شکایت کی اس پر آرنلڈ' اقبال کی اس حرکت پر سخت نادم ہوا اور خفگی کے لہجے میں کہنے لگا کہ ایسے بزرگ کو قہوہ خانے میں لے جاتے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی۔" ۵۳ سے

اس صورت حال میں اقبال کے احمدی دوستوں کی تڑپ تھی کہ یہ "غیر معمولی قابلیت کا حامل نوجوان" تلمیذ الرحمٰن بنے اور اپنے تئیں **خدمت قرآن** کے لئے وقف کر دے۔ چنانچہ **جماعت کے پہلے خلیفہ** (اللہ آپ سے راضی ہو) کے دور میں (دسمبر۱۹۱۱ء میں) آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے' اقبال کی موجودگی میں ان کے احمدی دوست خواجہ کمال الدین صاحب نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا'

کہاں ہے تو ڈاکٹر اقبال! خدا تعالیٰ تجھے دین و دنیا میں بااقبال کرے۔ تیرے نادر قوائے ذہنی ابھی دنیا کی نظر سے چھپے ہوئے ہیں۔ تجھ میں وہ ذہنی قابلیتیں اور استعدادیں ہیں کہ ان کا ٹھیک استعمال بقائے دوام کا تاج تیرے سر پر رکھ سکتا ہے لیکن یہ خاص الخاص قویٰ تجھے اس لئے عطا نہیں ہوئے کہ تو فی کل واد یھیمون کے مصداق بن کر ایک بے ثمر باغ میں جس کا نام مشاعرہ ہے' گلگشت کرے۔ اب وقت ہے اٹھ اور حقیقی تلمیذ الرحمٰن بن! عالم سفلی کو چھوڑ اور طائر قدس ہو جا! تجھے اگر مغربی حکمت و فلسفہ انہوں نے سکھا کر ڈاکٹر کا خطاب دیا تو یہ قرضہ 'ترانوں اور نغموں سے ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کا معاوضہ یہ ہے کہ تو قرآن کو کھولے اور اس کے دریائے حقیقت میں غوطہ لگائے.... دیکھ یورپ کیا اور اس کا فلسفہ کیا ہے۔ او! بیرسٹر اقبال' آ! میرے ساتھ وکالت میں شامل ہو اور ہم بحیثیت منصفی' اس مال کو اپنے گھر کا مال مسروقہ ثابت کریں۔ تجھے خدا تعالیٰ نے بینظیر قابلیتیں اس لئے نہیں دیں کہ تو لفظی موشگافی میں پڑے اور اپنے شعروں سے ہمیں خوش کرے۔ تیرے گانے کا یہ وقت نہیں۔ یہ عملی کام کا وقت ہے۔ وہ ہار جو قوم ترے گلے میں عملاً ڈال رہی ہے اور تو اس کا حقیقی طور پر مستحق

ہے وہ ان گل ہائے فردوس بریں کے مقابل کیا حقیقت رکھتے ہیں جو خدمت قرآن تیرے لئے
وقف کر سکتی ہے۔ قوم تجھے ملک الشعراء بنانا چاہتی ہے اور وہ ایسا کرنے میں غلطی پر ہے اور تو
پست ہمت ہو گا اگر اس پر قانع ہوا۔ میں تجھ میں **رازی اور غزالی** کا بروز دیکھنا چاہتا ہوں "۵۵

علامہ کو خود بھی احساس تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اعلیٰ قوائے ذہنی عطا کئے ہیں جنہیں اگر
خدمت دین میں صرف کیا جاتا تو بہت بہتر تھا۔ خواجہ صاحب کی نصیحت کے ۸ سال بعد علامہ
نے اپنی پھوپھی صاحبہ کو ایک مکتوب میں لکھا'

"۔ میں جو اپنی گزشتہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں۔ تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر
یورپ میں فلسفہ پڑھنے میں گنوائی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے
اگر یہ قواء دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسول کی میں کوئی خدمت کر
سکتا۔" ۵۶ ے

بہرحال اقبال کے ہاں جو اسلامی رنگ جھلکتا ہے۔ اس میں کچھ حصہ اس قسم کے مخلص
احمدی دوستوں کا بھی تسلیم کرنا پڑے گا جو اقبال کو رازی اور غزالی کا بروز بننے کی تلقین کرتے
رہتے تھے۔

اقبال کے نزدیک جماعت احمدیہ " خالصتاً مسلم کردار کی طاقتور مظہر" جماعت تھی۔ راقم
عرض کرتا ہے کہ اگر احمدیوں کی یہ تمنا تھی کہ غیر معمولی قابلیت کا حامل یہ نوجوان اس جماعت
کی آغوش میں پرورش پائے۔ تو بتایئے یہ امر کس پہلو سے قابل اعتراض ہے۔

باقی رہی۔ شادی والی خبر تو اس کی وضاحت خود اقبال کے اعلان میں موجود ہے کہ الحکم
اخبار (قادیان) میں جس اقبال کے نکاح کی خبر چھپی ہے وہ کوئی اور اقبال ہوں گے۔ خبر میں
میرا ذکر نہیں۔

مصنف نے زندہ رود کی دوسری جلد کے بعد تیسری جلد میں بھی اس امر کو دہرایا ہے کہ
احمدیوں کی طرف سے شادی کی خبر شائع کر کے اقبال پر احمدیت قبول کرنے کے لئے ڈورے
ڈالے گئے۔

مصنف فرماتے ہیں'

اقبال کی انگلستان سے واپسی کے چند برس بعد الحکم قادیان مورخہ ۲۸ ر اگست ۱۹۱۰ء میں

ایک خبر شائع ہوئی کہ شیخ یعقوب علی تراب کی نواسی کا نکاح بعد از نماز مغرب پانچ صد روپیہ حق
مہر پر ڈاکٹر محمد اقبال سے ہوا۔ اقبال کے احباب و اعزہ کو تعجب ہوا کہ انہوں نے قادیان جا کر
احمدیوں سے رشتہ ناطہ جوڑ لیا۔ جن کے عقائد کے وہ خلاف تھے۔ اقبال کو اس بے سروپا خبر کی
تردید چھپوانی پڑی۔ جو پیسہ اخبار لاہور مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی۔ فرمایا'

"۔ اس عبارت سے میرے اکثر احباب کو غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے مجھ سے زبانی اور
بذریعہ خطوط استفسار کیا ہے۔ سب حضرات کی آگاہی کے لئے بذریعہ آپ کے اخبار کے اس
امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مجھے اس معاملہ سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جن ڈاکٹر محمد اقبال
صاحب کا ذکر ایڈیٹر صاحب الحکم نے کیا ہے وہ کوئی اور صاحب ہوں گے۔" ۵۷ ے

گزشتہ سطور میں ان خبروں پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ یہاں راقم دو غلطیوں کی نشاندہی کرنا
چاہتا ہے۔ ایک یہ کہ مصنف زندہ رود کا دلہن (محترمہ امتہ الرحمٰن صاحبہ) کو شیخ یعقوب علی
تراب کی نواسی لکھنا درست نہیں۔ یہ محترمہ خود حضرت ——— مولوی حکیم نور
الدین (اللہ ان سے راضی ہو) کی نواسی تھیں یعنی آپ کے داماد مفتی فضل الرحمٰن صاحب کی
صاحبزادی۔ دوسرے یہ کہ دولہا کا نام ڈاکٹر اقبال علی غنی تھا۔ اس اخبار کے کاتب کی غلطی
سے ڈاکٹر محمد اقبال لکھا گیا۔ اپنی نواسی کا یہ نکاح حضرت امام جماعت احمدیہ ———
نے خود پڑھایا تھا۔

راقم نے خلیفہ اول کے اگست ۱۹۱۰ء کے خطبہ نکاح کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ خطبہ نہایت درجہ
پر معارف اور روحانیت کا گہرا رنگ لئے ہوئے ہے۔ خواب میں آپ کو سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ خطبہ میں اس مقدس واقعہ کا بھی ذکر ہے۔ ایسے خطبہ کے
متعلق یہ تاثر دینا کہ امام جماعت نے اقبال پر ڈورے ڈالنے کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔
افسوسناک ہے۔ علامہ نے اپنے اعلان میں یہ کہیں بھی نہیں کہا کہ مجھ پر احمدیت قبول کرنے
کے لئے ڈورے ڈالے جا رہے ہیں نہ علامہ نے اسے ہتھکنڈا سمجھتے ہوئے احمدیت سے بے
زاری کا اظہار کیا ہے۔ علامہ پر تو اس خبر کی اشاعت کے بعد احمدیوں کی سیرت اور امام جماعت
احمدیہ کے تقویٰ و طہارت کا نہایت گہرا اثر نظر آ رہا ہے۔ "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" والا
لیکچر جس میں جماعت احمدیہ کو علیحدگی پسند تحریک کی جگہ "اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ" قرار دیا
گیا ہے۔ اسی خطبہ نکاح کے چند ماہ بعد (دسمبر ۱۹۱۰) کا ہے اگلے سال آپ نے اپنے بڑے

صاحبزادہ کو قادیان بھجوا دیا۔

نکاح کی خبر کے ضمن میں مصنف مزید لکھتے ہیں '

جب احمدیوں کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی تو انہوں نے اقبال کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا۔ ۵۸ ؎

راقم عرض کرتا ہے " ناپسندیدگی " والا قصہ بھی واقعات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ واضح رہے کہ نکاح کی خبر (۱۹۱۰ء) اقبال کی انگلستان سے واپسی کے بعد کے دور سے تعلق رکھتی ہے۔ اول تو خود خواجہ کمال الدین صاحب کی ۱۹۱۱ء کی محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس والی تقریر جس میں اقبال کو رازی و غزالی کا بروز بننے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس قصے کو جھٹلا رہی ہے۔ جس نوجوان کو " ناپسندیدہ " نگاہوں سے دیکھا جائے اس کے لئے اتنی دردمندی اور دلسوزی کا اظہار کہاں کیا جاتا ہے!

پھر " روایات اقبال " میں علامہ کے قدیمی مخلص دوست مرزا جلال الدین بیرسٹر کی یہ روایت قابل توجہ ہے ' فرماتے ہیں :'

" ۔ اقبال انگلستان سے تشریف لائے تو ان کی عظمت زیادہ تر ان کی بلند شاعری کی وجہ سے تھی۔ لوگ ان کے تبحر علمی اور ژرف نگاہی سے واقف نہ تھے۔ لیکن کچھ عرصہ بعد احمدیہ جماعت کی طرف سے کیلیاں والی سٹریٹ (آجکل برانڈرتھ روڈ یا نشتر روڈ۔ ناقل) پر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے ایک پر مغز مقالہ پڑھا .... یہ پہلا موقعہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں علامہ کی بالغ نظری۔ عالمانہ استعداد اور فلسفیانہ لیاقت کا نہایت گہرا اثر ہوا اور وہ آئندہ کے لئے ایک جلیل القدر شاعر ہونے کے علاوہ ایک رفیع المرتبت عالم بھی سمجھے جانے لگے۔ " ۵۹ ؎

گویا اس دور کے مسلم معاشرہ میں اقبال کے ارفع علمی مقام کی شناسائی ' احمدیہ سٹیج سے ہوئی تھی۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ احمدی ' اقبال کو کس درجہ " پسندیدگی " کی نظر سے دیکھتے تھے!

اسی دور کا ذکر کرتے ہوئے علامہ کے ایک اور قدیمی رفیق مولانا عبدالمجید سالک فرماتے ہیں '

" ۔ اس وقت تک سر محمد شفیع ' مسلمانوں کے لیڈر تھے اور عام جلسوں کی صدارت وہی

کرتے تھے۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ' ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ' مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب (جماعت احمدیہ لاہور کے چوٹی کے ممبران۔ ناقل) علامہ اقبال کے دوست اور مداح تھے اور ان کو مسلمانوں کی قیادت کا حقدار سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے علامہ کا نام ایک جلسے کی صدارت کے لئے تجویز کیا۔ ۶۰ ؎

غرض ——— نکاح کی خبر کے بعد کے واقعات سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ احمدیوں نے اقبال کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا بلکہ اقبال اور احمدیوں ہر دو کے طرز عمل سے معاملہ برعکس نظر آتا ہے۔

خط منظوم ' پیغام بیعت کے جواب میں

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں کہ

سید حامد شاہ صاحب ' مولانا سید میر حسن کے عزیزوں میں تھے۔ اور اقبال کے دوست اور ہم محلہ تھے۔ شاید انہوں نے اس قرب کی وجہ سے اقبال کو مرزا غلام احمد کی بیعت کے لئے لکھا ہو جس کا جواب اقبال نے ایک نظم کے ذریعہ دیا۔

مصنف کے نزدیک یہ نظم جو " مخزن " بابت مئی ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی ' خصوصی توجہ کی مستحق ہے۔ اس نظم کو احمدی ہفت روزہ " الحکم " قادیان نے بھی اپنی ۱۰۔ ۱۷ اور ۲۴ جنوری ۱۹۰۲ء کی اشاعت میں نقل کیا اور ساتھ ہی سید حامد شاہ کی طرف سے اس کا " منظوم جواب " بھی شائع کیا۔ ۶۱ ؎

راقم عرض کرتا ہے۔ حضرت سید حامد شاہ صاحب ' مولانا سید میر حسن شاہ صاحب کے بھتیجے تھے۔ مولانا میر حسن کی نظروں میں اپنے بھتیجے کا روحانی مقام کیا تھا؟ اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حامد شاہ صاحب کی وفات ہوئی تو مولانا میر حسن نے فرمایا '

" ۔ آج ہمارے خاندان سے تقویٰ اور پرہیزگاری رخصت ہو گئی۔ حامد شاہ میرے بھتیجے تھے۔ ان کی ساری زندگی میرے سامنے ہے اور اس میں ایک بات بھی ایسی نہیں نکل سکتی جس پر انگلی رکھی جا سکے۔ ۶۲ ؎

حامد شاہ صاحب کا منظوم جواب

آیئے! سید حامد شاہ صاحب کے " منظوم جواب " کا مطالعہ کرتے ہیں جو انہوں نے اقبال

کی نظم کے جواب میں بانی سلسلہ احمدیہ کی زبان حق ترجمان بن کر شائع کروایا۔ یہ ایک طویل نظم ہے مگر ہم اختصار سے کام لیتے ہوئے چند اشعار نقل کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

نظم سے قبل کی تمہید میں شاہ صاحب نے لکھا،

"میں نے اصول اسلام کو مدنظر رکھ کر کچھ اشعار لکھے ہیں اور اپنے اس تعلق خاطر سے جو شیخ صاحب (مراد اقبال۔ ناقل) سے مجھ کو ہے۔ محض نیک نیتی کی بنا پر سچی نیکی اور اصلی خوشی اور حقیقی تسلی کی راہ پر انہیں لانا چاہا ہے۔ یہ میرے آئینہ دل کا عکس ہے جو میں شیخ صاحب پر ڈالنا چاہتا ہوں۔ میں ان کو جانتا ہوں۔ وہ مجھے جانتے ہیں۔ دل ہی دل کا معاملہ ہے۔۔ مجھے امید ہے شیخ صاحب میرے اس جواب کو اس کے سچے محل پر رکھ کر حق سے توفیق مانگیں جس کی میں ان کے لئے دعا مانگتا ہوں۔ بہتر ہوتا کہ وہ اس راہ میں اس انداز سے قدم رکھتے ہوئے خدا کا خوف کرتے۔ طبع آزمائی کے لئے جہان میں اور میدان تھوڑے ہیں۔ اپنی مشغلہ پسند طبیعت کو اس طرف مصروف رکھتے۔ آگے کی خدا جانے مگر اب تک جو اس آسمانی مرد کے مقابل میں آیا ہے۔ اس کا نتیجہ آخرکار ایک افسوسناک حالت پر مبنی ہوا ہے۔ ہر رنگ میں خدا نے غلبہ اپنے بندے کو بخشا ہے۔ بہتر ہے شیخ صاحب اپنے قلم کو روک لیں اور اپنے زور طبیعت کے لئے اور میدان پسند کریں۔" ۶۳

اب نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں،

سید حامد شاہ صاحب

اقبال

تنکے چن چن کے باغ الفت کے   آشیانہ بنا رہا ہوں، میں

حامد

باغ الفت کا وہ شجر میں ہوں   آشیانہ بنا کھڑا ہوں، میں

اقبال

ایک دانہ پہ ہے نظر تیری   اور خرمن کو دیکھتا ہوں، میں

حامد

ہے مرے پاس دانہ ایماں   کتنے خرمن بنا رہا ہوں میں

اقبال

جام ٹوٹا ہوا ہوں میں، لیکن   مئے حق سے بھرا ہوا ہوں، میں

حامد

آب انگور میں جو ڈوبے ہیں   ان کو ہر وقت تاڑتا ہوں میں

ٹوٹ جائیں خدا کرے یہ جام   یہ دعا حق سے مانگتا ہوں میں

حوض کوثر پہ ہوں مئے حق کی   جام بھر بھر پلا رہا ہوں میں

اقبال

تو جدائی پہ جان دیتا ہے   وصل کی راہ سوچتا ہوں میں

حامد

یار سے وصل جس سے ہو جائے   راہ سیدھی نکالتا ہوں، میں

میں نہ ہوں، غیر سے جدا کیونکر   یار کا وصل چاہتا ہوں، میں

اقبال

بھائیوں میں بگاڑ ہو جس سے   اس عبادت کو کیا سراہوں میں

حامد

جس عبادت میں ہووے، شرکت غیر   اس عبادت کو کیا سراہوں، میں

میں تو ہوں کل زمانہ کا مصلح   اللہ اللہ! بگاڑ چاہوں، میں

اقبال

مرگ اغیار پر خوشی ہے تجھے — اور آنسو بہا رہا ہوں، میں
میرے رونے پہ ہنس رہا ہے تو — تیرے ہنسے پہ رو رہا ہوں، میں

حامد

مرگ اغیار، یار کے ہے لئے — یار چاہے تو کیوں نہ چاہوں میں
تجھ سے جاتی رہی ہے غیرت دیں — تجھ پہ آنسو بہا رہا ہوں، میں
کفر کی موت پہ ہے قلق تجھے — العجب! اس پہ ہنس رہا ہوں میں

راقم عرض کرتا ہے۔ اس کے بعد علامہ نے اپنے قلم کو روک لیا اور خدا خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریک احمدیہ کی مخالفت کرنے یا ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے کی بجائے اسے قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ آپ نے اپنے ایک لیکچر "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں احمدیہ جماعت کو "اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ" قرار دیا۔ پھر آپ نے ۱۹۱۱ء میں اپنے بڑے بیٹے آفتاب اقبال کو تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں تعلیم و تربیت کی خاطر چار پانچ سال تک داخل کئے رکھا۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی دوکان کے روزنامچہ میں، آفتاب اقبال کے ادھار کی یادداشت موجود ہے ا۔ نیز الفضل اخبار میں مرقوم ہے

"ڈاکٹر محمد اقبال صاحب، پی ایچ ڈی (P.H.D) مشہور شاعر کے نوجوان فرزند آفتاب اقبال نے (جو یہاں ہائی سکول میں تعلیم پاتا ہے) حضرت مسیح موعود کی ایک نظم پڑھی۔ پھر اپنا مضمون سنایا جس میں احمدی جماعت ہی کو خدا تعالیٰ کی پاک جماعت مان کر پھر مرکز سے قطع تعلق کرنے والوں پر اظہار افسوس تھا۔ ۴۴ ؎

پھر ۱۹۱۳ء کا واقعہ بھی اس امر پر شاہد ہے کہ علامہ نے اس مرد آسمانی کے مقابل نہ صرف یہ کہ اپنے قلم کو روک لیا بلکہ مخالفین احمدیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا رخ قادیان کی طرف پھیر لیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ

علامہ نے لاہور کے ایک کشمیری خاندان میں نکاح کیا لیکن کسی شرپسند نے اس خاتون کے متعلق گمنام خطوط بھیج کر آپ کو شکوک میں مبتلا کر دیا لیکن بعد تحقیق، خاتون پاک دامن معلوم

ہوئیں۔ اس بارہ میں محترم سالک صاحب رقم فرماتے ہیں۔

"۔ انہیں (یعنی اقبال کو۔ ناقل) شبہ تھا کہ وہ چونکہ طلاق دینے کا ارادہ کر چکے تھے۔ اس لئے مبادا شرعاً طلاق ہی ہو چکی ہو۔ انہوں نے مرزا جلال الدین کو مولوی حکیم نور الدین کے پاس قادیان بھیجا کہ "مسئلہ پوچھ آؤ" مولوی صاحب نے کہا کہ شرعاً طلاق نہیں ہوئی لیکن اگر آپ کے دل میں کوئی شبہ اور وسوسہ ہو تو دوبارہ نکاح کر لیجئے۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب کو طلب کر کے علامہ اقبال کا نکاح اس خاتون سے دوبارہ پڑھوایا گیا۔ ۶۵ ؎

لاہور۔ امرتسر۔ لدھیانہ۔ دہلی۔ دیوبند۔ سہارن پور وغیرہ مقامات کے مستند اور اعلیٰ پایہ کے علماء کی طرف رجوع کرنے کی بجائے علامہ اپنے دوست کو جو بیرسٹر تھے ۱۹۱۳ء میں قادیان جیسی گمنام بستی کی طرف بھجوانے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جہاں پہنچنے کے لئے گیارہ میل کچی سڑک پر ہچکولے کھانے اور گرد پھانکنے پڑیں۔ اس وقت آپ کے والد ماجد بھی زندہ تھے اور انہوں نے اس بارہ میں استخارہ بھی کیا تھا — گویا وہ روک نہ بنے کہ کیوں قادیان سے استفسار کیا۔ یا یہ کہ ان کی ناپسندیدگی کا خطرہ نہ تھا۔ ۶۶ ؎

پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ علامہ کی ۱۸۹۳ء میں شادی ہوئی تھی۔ معراج بیگم صاحبہ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئیں اور آفتاب اقبال ۱۸۹۸ء میں — گویا ۱۹۱۰ء میں جب نکاح والی خبر "الحکم" میں شائع ہوئی اقبال کی اپنی بچی ۱۲ سال کی تھی۔ اغلب ہے کہ قادیان ایسے دور دراز قصبہ میں مفتی فضل الرحمٰن صاحب کو تو اقبال سے کوئی شناسائی بھی نہ ہو گی۔ ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اپنی صاحبزادی کے اصلی سرتاج کا نام عمداً بدل کر اسے کسی ایسے شادی شدہ، غیر احمدی شخص سے منسوب کر دیں جس کی اپنی بچی قابل شادی ہو، اور پھر اخبار میں بھی اس کا ڈھنڈورا پٹوائیں اور مقصد اس ہیرا پھیری کا یہ ہو کہ یہ شخص احمدیت قبول کر لے۔

کیا مفتی فضل الرحمٰن صاحب نے والد ہونے کے ناطہ سے یہ بھی نہ سوچا کہ ان کی اپنی بچی اور دولہا اور دولہا کے عزیز و اقارب اور ساری جماعت احمدیہ اس بے غیرتی کے اظہار پر کتنا برا اثر لیں گے۔

غرض کسی پہلو سے دیکھا جائے مصنف زندہ رود نے "الحکم" کے کاتب کی معمولی غلطی کو بنیاد بنا کر رائی کا پہاڑ بنانے کی کوشش کی ہے۔

باب نمبر ۱

۔حواشی۔

۱۔ "مظلوم اقبال" مصنفہ شیخ اعجاز احمد ص ۲۲، مطبوعہ ۱۹۸۵ء

۲۔ ص ۱۸۵۔

۳۔ ص ۱۸۶۔

۴۔ ص ۱۸۷۔

۵۔ ص ۱۸۸ --- شیخ اعجاز احمد صاحب علامہ اقبال کے بھتیجے ہیں جنہیں علامہ نے اپنے بچوں کے اولیاء (گارڈین ز) میں شامل کیا تھا۔

۶۔ مجدد اعظم جلد اول ص ۳۳۳ از ڈاکٹر بشارت احمد۔ ۱۸۹۱ء میں نویں جماعت میں اقبال کے ہم جماعت (اقبال کی ابتدائی زندگی ص ۱۸۸)

۷۔ زندہ رود ص ۵۷۰

۸۔ علامہ کا خط محررہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۱ء بنام ڈاکٹر نکلسن (جس نے اسرار خودی کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا)۔

نیز "Thoughts and Reflections of Iqbal" P.93 to 102. (1973)

اقبال نامہ حصہ اول مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۴۵۷ تا ۴۷۴ (۱۹۴۵ء) "اقبال نامہ" میں New کا لفظ حذف کر کے "نئے مسیحا" کی جگہ "مسیحا" ترجمہ کیا گیا ہے۔

۹۔ مظلوم اقبال ص ۱۸۵۔

۱۰۔ ایضاً ۵۷

۱۱۔ "مظلوم اقبال ص ۱۸۵ مطبوعہ ۱۹۸۵ء

۱۲۔ ذکر اقبال ص ۹، ۱۰

۱۳۔ ابو داؤد جلد نمبر ۳ کتاب الفتن۔

۱۴۔ اقبال نے اپنے بڑے بھائی کے لئے یوسف ثانی۔ شمع محفل عشق اور اخوت قرار جاں کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ شیخ عطا محمد کی محبت نے من و تو کے دفتر جلا کر اقبال کی تربیت کی اور انہیں جواں کیا تھا (اقبال کی ابتدائی زندگی از ڈاکٹر سید محمود حسین)

۱۵۔ شیخ اعجاز احمد اس وقت ۱۲ برس کے تھے۔

۱۶۔ مظلوم اقبال ص ۱۸۹

۱۷۔ "لاہور تاریخ احمدیت" ص ۲۰۸ (مصنفہ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب (سابق سوداگر مل)

۱۸۔ اقبال اور احمدیت ص ۲۳۔

۱۹۔ پاکستان ٹائمز لاہور، ۱۵ نومبر ۱۹۵۳ء

۲۰۔ زندہ رود ص ۵۷۰

۲۱۔ زندہ رود ص ۵۷۰

۲۲۔ روزنامہ آفاق لاہور ۱۵ نومبر ۵۳ صفحہ اول، پاکستان ٹائمز ۱۴ نومبر

۲۳۔ زندہ رود ص ۵۷۰، ۵۶۹

۲۔ The witness pointed out that this was a misrepresentaion of his evidence in Court because he never stated that Allama Iqbal was a Qadiani. What he stated was that Allama Iqbal had taken the beat (بیعت)

(Pakistan Times Lahore Nov:14'1953).

۲۴۔ زندہ رود صفحہ ۵۷۰

۲۵۔ ص ۵۷۲

۲۶۔ مظلوم اقبال ص ۱۸۵

۲۷۔ مظلوم اقبال ص ۲۳۴

۲۸۔ پیسہ اخبار ۷ اپریل ۱۹۰۹ء

۲۹۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر

۳۰۔ زندہ رود ص ۵۷۶

۳۱۔ بعد میں، خاص طور پر عمر کے آخری حصہ میں علامہ نے اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے

اپنے مکتوب بنام چوہدری محمد احسن لکھا (خط محررہ ۷ر اپریل ۳۲) "—— کہ مہدی کی آمد - مسیح کے دوبارہ ظہور اور مہدویت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں - اور قرآن کریم کی صحیح سپرٹ سے ان کا سروکار نہیں - (اقبال نامہ حصہ دوم ص ۲۳۰ - ۲۳۱)

۳۲ - زندہ رود ص ۵۷۰

۳۳ - یہاں یہ مراد نہیں کہ وہ عمر بھر احمدی رہے

۳۴ - الفضل ۱۸ جولائی ۱۹۳۵ء

۳۵ - اقبال نامہ حصہ اول ص ۳۸۴

۳۶ - ضمناً عرض ہے کہ "ضرب کلیم" جولائی ۳۶ء میں "پس چہ کرد اے اقوام شرق" ستمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی تھی اور محترمہ ڈورس صاحبہ قریباً سال بھر بعد یعنی جولائی ۳۷ء میں لاہور وارد ہوئی تھیں - اقبال اکیڈمی کے ڈائریکٹر صاحب نے غالباً سہواً لکھ دیا ہے کہ یہ کتب محترمہ کی آمد کی وجہ سے اشاعت پذیر ہو سکیں - "ارمغان حجاز" کو علامہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مرتب کی لیکن اس کی اشاعت علامہ کے انتقال کے بعد نومبر ۳۸ء میں ہوئی تھی -

۳۷ - نوائے وقت اقبال نمبر ۲۱ر اپریل ۸۶

۳۸ - کتابچہ Iqbal - As I Knew Him ص ۳۷ -

۳۹ - اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ خط محررہ ۱۰ر جون ۳۷ء

۴۰ - کتابچہ ص ۴۳

۴۱ - مثلاً دیکھئے مضمون پروفیسر محمد منور سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی - نوائے وقت ۲۱ر اپریل ۱۹۸۶ء

۴۲ - کتابچہ ص ۴۸

۴۳ - اقبال نامہ مطبوعہ ۱۹۴۵ء ص ۳۸۶

۴۴ - دیکھئے دیباچہ اقبال نامہ

۴۵ -

۴۶ - زندہ رود ص ۵۷۰

۴۷ - تفصیل کے لئے دیکھئے مظلوم اقبال ص ۳۳۳ تا ۳۳۹

۴۸ - ایضاً ص ۳۳۴

۴۹ - زندہ رود ص ۳۱

۵۰ - دیکھئے علامہ کے خطوط مظلوم اقبال ص ۳۷۴، ۳۷۷

۵۱ - زندہ رود جلد نمبر ۲ ص ۱۷۰ و جلد نمبر ۳ ص ۵۷۳

۵۲ - لیکن وہ اب تائب ہو چکی تھی - ص ۱۷۵

۵۳ - ایضاً جلد نمبر ۲ ص ۱۷۵ - اقبال کا یہ شعر بھی شاید اسی "امیر" کے بارے میں ہے -

عجیب شے ہے صنم خانہ امیر اقبال - میں بت پرست ہوں رکھ دی کہیں جبیں میں نے

(مخزن - ۱۹۰۳ء)

۵۴ - ایضاً جلد نمبر ۲ ص ۱۷۵

۵۵ - زندہ رود حصہ دوم ص ۱۵۲

۵۶ - مکتوب ۸ر دسمبر ۱۹۱۹ء بحوالہ مظلوم اقبال صفحہ ۲۸۱

۵۷ - زندہ رود جلد نمبر ۳ صفحہ ۲۸۹

۵۸ - زندہ رود صفحہ ۱۷۰

۵۹ - ص ۱۰۸ مرتبہ ڈاکٹر محمد عبداللہ قریشی بہ موقع صد سالہ تقریبات ولادت علامہ اقبال مطبوعہ نومبر ۱۹۷۷ء

۶۰ - ذکر اقبال شائع کردہ بزم اقبال (۱۹۵۵ء) ص ۶۷

۶۱ - زندہ رود صفحہ ۵۷۱ - ۵۷۲

۶۲ - ذکر اقبال از مولانا عبدالمجید سالک ص ۲۸۷

۶۳ - الحکم ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء

۶۴ - بحوالہ "رفقاء احمد" سوانح حضرت چوہدری نصراللہ خاں صاحب (مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے - قادیان بحوالہ الفضل ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء)

۶۵ - ذکر اقبال ص ۷۰

۶۶ - ایضاً ص ۶۴

برصغیر کی مذہبی صورت حال کا جائزہ

تاریخ مذاہب میں ۱۹ ویں صدی کا نصف آخر اور ۲۰ صدی عیسوی کا آغاز خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب کہ تمام روئے زمین پر ایک طرف تو بڑے بڑے مذاہب کے درمیان گہری سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ نظریاتی جنگ لڑی جا رہی تھی اور دوسری طرف احیائے علوم اور تہذیب نو کے نتیجہ میں مذہبی اور غیر مذہبی نظریات باہم دگر بڑی شدت کے ساتھ برسرپیکار تھے۔

اول الذکر مقابلہ میں عیسائیت' اسلام اور ہندومت کا مجادلہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان تینوں مذاہب کی باہمی جنگوں کے لئے ہندوستان ہی بہترین اکھاڑا ثابت ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور ۱۸ ویں صدی کے نصف آخر میں سرزمین ہند میں ان تینوں مذاہب کے درمیان وسیع پیمانے پر تاریخی اہمیت کی نظریاتی جنگیں لڑی گئیں اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی رنگ میں اب تک جاری ہے۔

سرزمین ہند میں ان تینوں مذاہب کے مابین مذہبی جنگوں کے بکثرت محرکات تھے۔ مثلاً

ا۔ احیائے علوم اور تہذیب نو نے عموماً مذہب اور خصوصاً عیسائیت کو جو چیلنج دیا۔ اس کے نتیجہ میں عیسائی پادریوں میں مقابلے اور مدافعت کا ایک نیا جوش پیدا ہونے کے علاوہ انہیں عیسائیت کے لئے نئی منڈیوں کی بھی تلاش تھی اور نوآبادیات سے بہتر انہیں کوئی اور جگہ اس غرض پورا کرنے کے لئے نظر نہ آتی تھی۔ انگریزی حکومت کا سورج' نصف النہار پر تھا اور حکومت کے مذہب کو جو نفسیاتی برتری حاصل ہوتی رہی ہے وہ پوری شان کے ساتھ عیسائیت کو ہندوستان میں حاصل تھی۔ نیز اس مذہب کے اختیار کرنے کے نتیجہ میں جو اقتصادی اقتداری فوائد حاصل ہو سکتے تھے۔ ان کی تصویر بہت دلربا تھی ـــــ لہذا زمین ہندوستان عیسائیت کے پھیلاؤ کے لئے خاص کشش کا موجب بنی۔

۲۔ انگریزی حکومت کے مفادات بھی اسی امر سے وابستہ تھے کہ ہندوستانی ذہن جلد از جلد زیادہ سے زیادہ عیسائی نظریات کے تابع ہو کر حکومت برطانیہ کے استحکام میں ممد و معاون

ہو۔

۳۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے تین صد سالہ سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہندومت کے لئے خوش آیند خوابوں کا تحفہ لے کر آیا تھا۔

ا۔ از سرنو ہندو مہاراشٹر کے قیام کا تصور ذہنوں میں جنم لینے لگا تھا اور اس کے طبعی نتیجہ کے طور پر غیر قوموں کو شدھی کے ذریعہ ہندومت میں جذب کرنے کا تصور بھی پیدا ہو رہا تھا

ب۔ ہندو تہذیب و تمدن کے احیاء کے منصوبے بن رہے تھے۔ پس یہ ضروری تھا کہ سابق آقاؤں یعنی مسلمان حکمرانوں کے تہذیب و تمدن کے نقوش کو مسمار کر کے انہی مقامات پر ہندو تہذیب کی نئی عمارتیں بلند کریں۔

مسلمانوں کی حالت

غیر منظم اور منتشر ہونے کے باوجود' مسلمان عوام میں اپنے مذہب کے ساتھ بے پناہ وابستگی اور عقیدت پائی جاتی تھی ـــــ

جہاں تک مسلمان علماء کا تعلق تھا وہ اگرچہ اپنی بساط کے مطابق اسلام کے دفاع میں کوشاں تھے۔ لیکن عیسائیت' ہندومت۔ اور تہذیب نو کی سہ طرفہ یلغار کا کماحقہ' مقابلہ کرنا دراصل ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

ان کی کمزوری کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اسلامی مدارس کا نظام تعلیم اپنے زمانہ سے صدیوں پیچھے رہ چکا تھا اور نئے علوم اور سائنسی انکشافات کی ہوا تک بھی ان مدارس کو نہیں پہنچی تھی۔

جہاں تک مذہبی تعلیم کا تعلق ہے۔ یہ مدارس اسلام کے سوا' کسی مذہب کی تعلیم سے کوئی سروکار نہ رکھتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں ایسے علماء تیار ہوتے تھے جن کو شنیدہ علم کے سوا' غیر مذاہب کی تعلیمات اور کتب مقدسہ سے کوئی ٹھوس واقفیت نہیں تھی۔ ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں جارحانہ جنگ تو الگ رہی' مدافعانہ جنگ کے لئے بھی ضروری ہتھیار مہیا نہ تھے۔

علماء کا دوسرا بے نیاز طبقہ جو اس کے علاوہ تھا اور اکثریت میں تھا۔ جسے اس جنگ سے

کوئی بھی سروکار نہ تھا۔ وہ اندرونی فرقہ وارانہ جھگڑوں ہی کو باعث نجات سمجھ بیٹھا تھا۔ قصہ وہابی غیروہابی کا۔ اور۔ جھگڑا شیعہ سنی کا۔ ان کی تمام تر توجہات اور جوش و خروش ہیجانات کا محور بنا ہوا تھا۔ کہیں تو نظریاتی جنگیں تھیں اور کہیں نور و بشر کے طوفان خیز جھگڑے تھے۔ ان کے نزدیک اسلام ہی کی چاردیواری میں اندرونی لہروں کے باہم دگر ٹکرا ٹکرا کر جھاگ جھاگ ہوتے رہنے کا نام جہاد تھا۔

ردعمل

مذکورہ بالا حالات کے ردعمل کے طور پر کئی قسم کے خیالات اور تحریکات کی رو[illegible] مسلمانوں کے درمیان، چلنے لگیں۔

شدت اور وسعت میں سب سے بڑا ردعمل جس نے علماء اور عوام کی بھاری اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ان پیشگوئیوں میں پناہ ڈھونڈنے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ جن میں حضرت بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، مسلمانوں پر آنے والے ادبار کی خبر کے ساتھ ساتھ ایک ایسے نجات دہندہ کی بعثت کی خبر بھی دی گئی تھی جو اس آڑے وقت میں مسلمانوں کے تنزل کو ترقی اور ان کی شکست کو عظیم الشان عالمگیر غلبہ میں تبدیل کر دے گا۔

اصل پیشگوئیاں کیا تھیں اور ان کا حقیقی مفہوم کیا تھا؟ —— یہ ایک علیحدہ بحث ہے۔ اس وقت ہم مختصراً ان پیشگوئیوں کے اس مفہوم کا ذکر کرتے ہیں جو مسلمان علماء کی طرف سے بکثرت مسلمان عوام میں پھیلا دیا گیا تھا —— یہ تصور حضرت بانی اسلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پیشگوئیوں سے ماخوذ تھا۔ جن میں ایک طرف تو ایک خوفناک آفت کی خبر دی گئی جس کا نام دجال بتایا گیا تھا اور دوسری طرف ایک نجات دہندہ مسیح و مہدی کی بشارت دی گئی تھی۔

خروج دجال

مذکورہ بالا پیشگوئیوں کے نتیجہ میں مسلمان عوام، اپنے تنزل اور ادبار کے ایام میں ایسے دجال کے خروج کے منتظر تھے۔ جس نے ایک دیوہیکل یک چشمی انسان کی صورت میں ایک طویل و عریض گدھے پر سوار ہو کر دنیا میں خروج کرنا تھا۔ اور ہر طرف قتل و غارت کا بازار گرم کر دینا تھا۔ اس دجال کی زد میں دیگر اقوام کی طرح، مسلمانوں نے بھی [illegible]

متاثر ہونا تھا یہاں تک کہ ایک معمولی تعداد کے سوا اکثر و بیشتر مسلمانوں نے دجال کے غلبہ سے کلیتہً مغلوب ہو جانا تھا —— لیکن عین اس وقت جب کہ مسلمان صفحہ ہستی سے مٹتے ہوئے نظر آتے، آسمان سے مسلمانوں کے نجات دہندہ مسیح ناصری نے نازل ہو کر دجال کو اپنی تلوار سے قتل کر دینا تھا اور یوں بظاہر سر پر منڈلاتی ہوئی ایک ذلت آمیز شکست کو ایک عظیم الشان فتح اور غلبہ میں بدل دینا تھا —— اس تصور کے مطابق قتل دجال سے فارغ ہو کر مسیح موعود کے فرائض میں مندرجہ ذیل امور شامل تھے۔

اول۔ دنیا بھر کی صلیبوں کو، خواہ وہ لکڑی کی ہوں یا لوہے کی۔ پیتل تانبے کی ہوں یا سونے چاندی کی 'توڑ دینا' یہاں تک کہ روئے زمین پر کوئی صلیب دیکھنے کو بھی نظر نہ آئے۔

دوئم۔ تمام دنیا کے سوروں کا قتل عام اور سطح ارض کو اس خبیث جانور کے وجود سے پاک کرنا۔

اسلام کے غلبہ نو کا یہی وہ تصور ہے جو حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت پاکیزہ اور لطیف پر استعارہ کلام کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں مسلمان علماء نے پیشگوئیوں کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر باندھا اور مسلمان عوام میں خوب خوب اس کا چرچا کیا۔

مذہبی جنگوں کے جس دور کا ہم جائزہ لے رہے ہیں۔ اس دور میں یہ علماء زیادہ تر ایسی ہی خوابوں میں زندگی بسر کر رہے تھے اور حملہ آور قوموں کے خلاف نظریاتی جہاد کرنے کی بجائے اسی یک چشمی دجال اور اس کے گدھے کی راہ دیکھ رہے تھے کہ ادھر وہ ظاہر ہو اور ادھر مسیح ناصری چوتھے آسمان کی بلندیوں سے اتر کر شاہین کی طرح جھپٹ پڑیں اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد دنیا بھر کے ممالک کا دورہ کر کے تمام صلیبیں توڑ ڈالیں پھر اس کے فوراً بعد سوروں کی طرف اپنی توجہ منعطف فرمائیں اور ان کی بیخ کنی کی عالمگیر مہم شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ یہ پلید جانور دنیا سے ناپید ہو جائے اور چہار دانگ عالم میں مسلمانوں کا بول بالا ہو جائے۔

ادھر عیسائی اور ہندو عملاً اپنے اپنے مذاہب کو غالب کرنے کیلئے ٹھوس اقدام کر رہے تھے —یہ خوابوں کی دنیا میں بس رہے تھے تو وہ عمل کے میدان میں قدم مار رہے تھے۔

عیسائیت کی یلغار

ہندوستان میں عیسائیت کو جو کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ اس کی ایک ادنیٰ سی جھلک

پنجاب کے گورنر چارلس ایچی سن کی ایک تقریر میں پائی جاتی ہے۔ جو انہوں نے ۱۸۸۸ء میں کی
تھی۔ انہوں نے کہا۔

"بعض ایسے لوگوں کو جنہیں اس طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ یہ سن کر تعجب ہو
کہ جس رفتار سے ہندوستان کی معمولی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے اس سے چار پانچ گنا زیاد
رفتار سے عیسائیت اس ملک میں پھیل رہی ہے اور اس وقت ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد د
لاکھ کے قریب پہنچ چکی ہے ..... میں اور آپ اس کا حقیقی سبب جانتے ہیں۔ وہ یہ ہے ک
خداوند کی روح حرکت میں ہے۔ پہلے کی طرح اب بھی خداوند اپنے نام کو عظمت دے رہا
..... انجیل کے پیغام کی قدیم طاقت ابھی تک موجود ہے۔"[۱]

ہندوؤں کے منصوبے

خود ہندو مورخین کی رائے میں آریہ سماج کے قیام کا واحد مقصد ہندوستان سے اسلا
ملیا میٹ کرنا اور مکمل ہندو راج کا قیام تھا۔ چنانچہ لالہ دھنپ رائے بی۔ ایل۔ ٹی لکھتے ہیں
"۔ ہندوستان میں سوائے ہندو راج کے دوسرا راج ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک
آئے گا کہ ہندوستان کے سب مسلمان 'شدھی آوی' اندولن کی وجہ سے آریہ سماجی ہو جا
گے۔ یہ بھی ہندو بھائی ہیں۔ آخر صرف ہندو رہ جائیں گے۔ یہ ہمارا آدرش (نصب الع
ہے۔ یہ ہماری آشا (تمنا) ہے۔ سوامی جی مہاراج نے آریہ سماج کی بنیاد اسی اصول ک
کر ڈالی تھی" ۲ ـــہ

سیالکوٹ اور عیسائی مشنری ادارے

سیالکوٹ مشن

پنجاب کو صلیب کے جھنڈے تلے جمع کرنے کے لئے عیسائیت کا مرکزی مشن ابتدا
لدھیانہ میں قائم ہوا۔ لیکن سیالکوٹ مشن کو بڑی خصوصیت حاصل تھی کیونکہ یہ مشن (جو
اسکاچ مشن تھا) ملک کی ایک خاص دفاعی سکیم کے تحت جاری ہوا تھا۔ تاریخ بشارت السند
پاکستان کے مطابق'
۔ ۱۸۵۶ء میں فوجی افسروں کی درخواست پر سکاچ مشن نے پنجاب کا رخ کیا۔ جہاں دس
سال کے اندر سیالکوٹ کو مرکز بنا کر گردونواح کے پچاس میل دائرہ کے شہروں اور قصبوں میں
سکول، یتیم خانے اور ڈسپنسریاں قائم کر دیں اور گردوپیش کے گاؤں میں تبلیغ کی جانے لگی" (ص
۲۴۱)

سیالکوٹ گزیٹیئر

اس علاقہ کے باشندے چرچ مشنوں کے سب سے زیادہ شکار ہوئے۔ امپریل گزیٹر آف
انڈیا جلد نمبر ۲ کے مطابق Sialkot has the largest number of native Christians یعنی "سیالکوٹ کے مقامی باشندے باقی علاقوں کی نسبت سب سے
زیادہ عیسائیت میں داخل ہوئے۔"[۳]
گزیٹر میں درج شدہ تفاصیل کے مطابق
American United Presbyterian Mission جو ۱۸۵۵ء میں سیالکوٹ میں
قائم ہوا۔ ایک Theological seminary ــــــ ایک کرسچن ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ
ایک زنانہ ہسپتال اور ایک اینگلو ورنیکلر ہائی سکول کی امداد کرتا ہے۔

چرچ آف سکاٹ لینڈ' سیالکوٹ میں دو یورپین مشنز چلا رہا ہے (قائم شدہ ۱۸۵۷) یہی
مشن ڈسکہ میں بھی کام کر رہا ہے۔ زنانہ مشن اس کے علاوہ ہے۔ چرچ آف انگلینڈ (نارووال
) ۱۸۵۹ء میں قائم ہوا اور اس جگہ زنانہ مشن کا قیام ۱۸۸۴ء میں عمل میں آیا تھا۔ رومن

کیتھولکس جو تین مقامات پر قائم ہے۔ ۱۸۸۹ء میں اس میدان میں داخل ہوا۔ [4] سے

حضرت مرزا صاحب کی سیالکوٹ میں ملازمت

تاریخ بشارت الہند کے حوالے سے ظاہر ہے کہ ۱۸۵۶ء سے ۱۰ سال یعنی ۱۸۶۶ء ا۔ تک عیسائی مشنز سیالکوٹ میں اپنی جڑیں مضبوط کر چکے تھے۔

حضرت مرزا صاحب کے والد بزرگوار کو اس بات کا بخوبی علم ہو چکا تھا کہ آپ کے صاحبزادے ملازمت کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے بیٹے کے ذریعہ معاش کے متعلق فکرمند تھے۔ انہوں نے آپ کو سیالکوٹ (کچہری) میں ملازم کروا دیا۔ آپ کے والد حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کا یہ فیصلہ بے وجہ نہیں تھا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کی عمیق در عمیق حکمتوں کا کرشمہ تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپ اصلاح خلق کے لئے عدالتی جھمیلوں اور مقدمہ بازی کے مختلف انسانی شعبدوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد دنیاداری کے اس گندے ماحول کو بھی دیکھ لیں۔ جو نوکری پیشہ لوگوں کا ماحول ہے۔ اور آپ کو ہر ایک قسم کے انسانوں کا تجربہ حاصل ہو ـــ۔ علاوہ ازیں آپ جس معرکے کی تیاری میں معروف تھے۔ اس کی پہلی مہم آپ کو سیالکوٹ میں سر کرنا تھی۔ یعنی نصرانیت کے حملوں کے دفاع کے لئے جدوجہد کا آغاز ـــ اسی طرح اپنے گاؤں کی چار دیواری سے نکل کر ایک شہری آبادی میں اقامت گزیں ہونے سے بعض مسلم و غیر مسلم مشاہیر آپ کے پاکیزہ شباب۔ ہمدردی خلق اور عشق قرآن کے شاہد ہو گئے۔ [5] سیالکوٹ میں بانی سلسلہ احمدیہ کا قیام ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۸ء رہا۔ [5] سے

اقبال کے والد صاحب اور اقبال کی "بانی تحریک احمدیہ" سے شناسائی

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں '

"۔ اقبال کی ولادت سے پیشتر ' مرزا غلام احمد ' سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں چار یا پانچ سال سیالکوٹ میں مقیم رہے۔ اس زمانہ میں وہ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں کے اسلام پر پے در پے حملوں کا جواب دیتے اور ان سے مناظرہ کیا کرتے تھے۔ اس سبب سے ایک عالم دین کی حیثیت سے سیالکوٹ کے لوگ ان کی تعظیم کرتے تھے اور وہاں کے دیگر علماء فضلاء مثلاً مولوی غلام حسن اور مولانا سید میر حسن وغیرہ کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے ـــ جہاں تک اقبال کے والد شیخ نور محمد کا تعلق ہے وہ چونکہ مولانا غلام حسن اور مولانا سید میر حسن کے

خاص دوستوں اور ہم نشینوں میں تھے اس لئے مرزا غلام احمد کو جانتے تھے ... سیالکوٹ میں مرزا غلام احمد کا قیام اقبال کے گھر کے قریب تھا (یہ ۱۸۹۲ء کا ذکر ہے جب حضور دوبارہ سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ ناقل) اس لئے اقبال انہیں گلیوں میں آتے جاتے دیکھتے تھے۔" [6]

شمس العلماء مولانا سید میر حسن کے اوصاف حمیدہ

مصنف زندہ رود ' مولانا سید میر حسن سیالکوٹی کے اوصاف حمیدہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں '

"۔ اقبال کے والد شیخ نور محمد خود بڑے دین دار اور پارسا مسلمان تھے (لیکن آپ) ہر دنیوی یا دینی معاملہ میں مولانا سید میر حسن سے رجوع کیا کرتے تھے۔ اور اقبال انہیں اپنا استاد اور مرشد تسلیم کرتے ہوئے ان کی بے حد عزت کرتے تھے"۔ [7] سے

"۔ سید میر حسن ایک منور الفکر اہل علم تھے۔ وہ نہ صرف علوم اسلامی اور عرفان و تصوف سے آگاہ تھے بلکہ علوم جدیدہ۔ ادبیات۔ لسانیات اور ریاضیات کے بھی ماہر تھے .... وہ ایک راسخ الاعتقاد اور عبادت گزار مسلمان تھے۔ حافظ قرآن تھے اور قرآن مجید سے بے حد شغف رکھتے تھے۔" [8]

"سید میر حسن کی وفات پر اقبال نے مادہ تاریخ نکالا۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین ۹۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا بلند روحانی مقام

شمس العلماء مولانا میر حسن کی شہادتیں

شمس العلماء مولانا سید میر حسن (۱۸۴۴ء۔ ۱۹۲۹ء) سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ آپ سیالکوٹ ہی نہیں ہندوستان بھر میں ایک ممتاز شخصیت تسلیم کئے جاتے تھے۔ حضور کے سیالکوٹ قیام کے دوران مولانا صاحب موصوف کو بھی حضور سے ملاقات کا موقعہ ملتا تھا۔ آپ کے دل میں حضور کی بزرگی۔ تقویٰ کا جو غیر معمولی اثر تھا۔ اس کا اندازہ آپ کی شہادتوں سے اخذ کردہ درج ذیل اقتباسات سے ہو سکتا ہے۔

(ا) "۔ حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے۔ اور

قیام فرمایا ۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول ' لغو سے مجتنب اور محترز تھے ۔ اس لئے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے ۔ آپ پسند نہیں فرماتے تھے ۔

"۔ مرزا صاحب کو اس زمانہ میں مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا ۔ چنانچہ پادری صاحبان سے اکثر مباحثہ رہتا تھا ..... پادری بٹلر صاحب ایم اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے ۔ مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا ۔

" چونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے ۔ اس واسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی تیاری شروع کر دی اور قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا ۔ پر امتحان میں کامیاب نہ ہوئے اور کیونکر ہوتے وہ دنیوی اشغال کے لئے بنائے (ہی) نہیں گئے تھے ۔ سچ ہے

ہر کسے را بہر کارے ساختند ۔۔"

"۔ حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے ۔ عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے ۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے ۔ بیٹھ کر ' کھڑے ہو کر ' ٹہلتے ہوئے ' تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے ۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی ۔ "۱۳

حضرت عرفانی صاحب کی ملاقات

ایک دفعہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ' سیالکوٹ میں مولانا سید میر حسن صاحب سے ملے ۔ تو انہوں نے چشم پر آب ہو کر فرمایا ۔ " افسوس ہم نے ان کی قدر نہ کی ۔ ان کے کمالات روحانی کو بیان نہیں کر سکتا ۔ ان کی زندگی معمولی انسان کی زندگی نہ تھی بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں ۔ " ۱۴

احمدیت کا مختصر تعارف

"۔ اسلام کے لئے فکروں ' رنجوں اور پریشانیوں کا یہ وہ زمانہ تھا جس میں احمدیت کا نور طلوع ہوا ۔ احمدیہ تحریک کے بانی حضرت مرزا غلام احمد ۱۸۳۵ھ میں قادیان کی ایک گمنام بستی میں پیدا ہوئے ۔ جو مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں بٹالہ سے بارہ میل مشرق میں واقعہ ہے ۔

بچپن سے بانی سلسلہ احمدیہ کو اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ و سلم سے ایک بے پناہ خداداد عشق تھا ۔ اور عبادت الٰہی کا ذوق دل میں جاگزیں تھا ۔ عبادت الٰہی کے ذوق کے علاوہ بنی نوع انسان کی گہری ہمدردی بھی بچپن ہی سے آپ کے کردار کا نمایاں حصہ تھی ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۔

"۔ میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں ۔ اول خدا کی توحید اختیار کرو ۔
دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو ۔ " ۱۲

آغاز جوانی ہی میں آپ نے شدت سے یہ محسوس کیا کہ اسلام چاروں طرف سے دشمن کے نرغے میں گھرا ہوا ہے اور اس کے دفاع کے لئے کوئی موثر کوشش اہل اسلام کی طرف سے نہیں کی جا رہی ۔ اس احساس کے نتیجہ میں دو قوی رد عمل آپ کے دل میں پیدا ہوئے ۔

اول یہ کہ آپ پہلے سے بھی زیادہ انہماک اور دردمندی اور احیائے نو کے لئے گریہ و زاری کرنے لگے ۔۔۔ دوسرا رد عمل یہ تھا کہ قرآن کریم کے گہرے غور و فکر مطالعہ کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب عالم کا بھی گہری نظر سے مطالعہ فرمانے لگے اور ان کی طرف سے اسلام پر وارد ہونے والے اعتراضات کا جائزہ لینے لگے ۔ اس لمبے اور دقیق موازنہ اور مطالعہ نے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ اس یقین پر قائم کر دیا ۔ کہ تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے ۔ جو پیروی کے لائق اور جامع کمالات حسنہ ہے اور کل عالم اور تمام زمانوں کے لئے ہدایت کا سامان رکھتا ہے ۔ جب کہ دیگر مذاہب بھی اگرچہ ابتداً خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے ۔ مگر وہ محدود زمانوں کے لئے '

ہندی مسلمانوں میں غالباً سب سے
بڑے دینی مفکر (اقبال ۔ ۱۹۰۰ء)

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی

مخصوص اقوام کی ہدایت کے لئے نازل کئے گئے تھے ۔ اور اپنا مقصد وجود پورا کرنے کے بعد اب وہ بے ضرورت اور بے فیض ہو چکے ہیں ۔ ان کی کتابیں محرف و مبدل ہو گئیں ۔ ان کی تعلیمات بگڑ گئیں ۔ ان کا زمانہ عمل ختم ہوا اور ان کی مثال بچپن کے ایسے بوسیدہ اور ناقابل استعمال کپڑوں کی طرح ہے جو بالغ انسان کی ضروریات کسی طرح پوری نہیں کر سکتے ۔

اسلام کی تائید میں لٹریچر

اسلام کی تائید میں جو عظیم لٹریچر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے پیدا کیا ۔ اس کی تعداد ۸۰ ضخیم کتب و رسائل سے تجاوز کر گئی ۔ دیگر سینکڑوں اشتہارات اور مضامین اس کے علاوہ ہیں ۔ لیکن اس ضمن میں آپ کی سب سے پہلی اور بنیادی حقائق پر مشتمل ، تصنیف " براہین احمدیہ " کے نام سے موسوم ہے ۔ یہ معرکۃ الارا اور انقلاب انگیز تصنیف تھی ۔ جس نے یکسر میدان جہاد کا نقشہ پلٹ کر رکھ دیا ۔ اور مذاہب کے درمیان لڑی جانے والی قلمی جنگ میں ایک نئے علم کلام کا اضافہ ہوا ۔۔ اس تصنیف کا غیر معمولی اثر اپنوں اور غیروں پر پڑا ۔ جہاں دشمن سخت ہراساں اور پریشان ہوا ۔ وہاں دوستوں کے دل خوشی سے بلیوں اچھلنے لگے ۔ مسلمانوں کے بجھتے ہوئے دلوں میں امید کی نئی شمعیں روشن ہونے لگیں ۔۔۔ ملک کے طول و عرض میں براہین احمدیہ کے محاسن اور کمالات پر زوردار تبصرے لکھے گئے مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ جلد نمبر۷ نمبر۶۔۱۱ میں لکھا ،

" ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں اور موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے ۔ جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی ۔ اور آئندہ کی خبر نہیں ۔ **لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا** اور اس کا مولف بھی اسلام کی مالی ، جانی و علمی و لسانی ، حالی ، قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی جاتی ہے ۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ دھرم سماج سے ایسے زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو ۔

تقویٰ شعار صحافی اور مشہور مسلم اخبار " منشور محمدی " بنگلور کے مدیر شہیر مولوی محمد شریف صاحب بنگلوری نے " **جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا** " کے

عنوان سے اپنے مبسوط اور پرزور تبصرے میں لکھا:

"۔ منافقوں اور دشمنوں کے سارے حملے دین اسلام پر ہو رہے ہیں۔ ادھر دہریہ پن کا زور' ادھر لامذہبی کا شور۔ کہیں برہمو سماج اپنے مذہب کو فیلسوفانہ تقریروں سے دین اسلام پر غالب کیا چاہتے ہیں۔ ہمارے عیسائی بھائیوں کی پوری ہمت تو اسلام کے استیصال پر مصروف ہے۔ اور ان کو اس بات پر یقین ہے کہ جب تک آفتاب اسلام اپنی پرتاب شعاعیں دنیا پر ڈالتا رہے گا۔ تب تک عیسوی دین کی ساری کوششیں بیکار اور تثلیث تین تیرہ رہے گی۔ غرض سارے مذہب اور تمامی دین والے یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح دین اسلام کا چراغ گل ہو

—— مدت سے ہماری آرزو تھی کہ علمائے اسلام سے کوئی حضرت جن کو خدا نے دین کی تائیدانہ حمایت کی توفیق دی ہے۔ کوئی کتاب ایسی تصنیف یا تالیف کریں جو زمانہ موجودہ کی حالت کے موافق ہو اور جس میں دلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ' قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثبوت نبوت پر قائم ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو بھی بر آئی —— یہ وہی کتاب ہے جس کی تالیف یا تصنیف کی مدت سے ہم کو آرزو تھی۔" ۱۳؎

وفات مسیح علیہ السلام

حضرت مرزا صاحب نے قرآن کریم کی تیس آیات سے ' نیز بیشتر احادیث نبویہ ' سے نہایت قوی استدلال کے ساتھ یہ ثابت فرما دیا ہے کہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی رو سے حضرت عیسیٰ کا نہ صرف یہ کہ آسمان پر جانا ثابت نہیں بلکہ اس کے برعکس قطعی وفات ثابت ہوتی ہے۔ آپ نے صرف اسی دعویٰ پر اکتفا نہ فرمائی کہ حضرت مسیح آسمان کی طرف نہیں اٹھائے گئے بلکہ ان کا زیر زمین (سری نگر۔ کشمیر۔ ناقل) مدفون ہونا بھی ثابت فرما دیا۔

خروج دجال کا مفہوم

اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر آپ کی پیش کردہ وضاحت کے مطابق وہ دجال جس نے مسیح ابن مریم کے نزول سے قبل خروج کرنا تھا۔ کوئی ایسا مافوق الفطرت دیو نہیں تھا جیسے ہم بڑی بوڑھی عورتوں کے قصے کہانیوں میں سنتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد ایک ایسی قوم تھی جو اپنے انتہائی دجل اور دھوکہ آمیز سیاست کے ذریعہ دنیا میں بڑا فتنہ پیدا کرنے والی تھی۔ پس اسی تمثیلی

انسان کو دیوہیکل دکھانا اس فتنہ کی شدت اور ہیبت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا اور یہ جتانا مقصود تھا کہ اس قوم کی طاقت کے سامنے دیگر قومیں پستہ قد بونوں کی طرح بے زور اور بے حیثیت ہو کر رہ جائیں گی۔ تمثیلی زبان میں اس عظیم پیشگوئی کی سب کڑیاں نہایت معنی خیز ہیں

—— مثلاً پیشگوئی کی رو سے دائیں آنکھ کا بصارت سے محروم دکھایا جانا اور بائیں آنکھ کا بہت بڑی اور روشن دکھانا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ یہ قوم روحانیت سے بالکل عاری ہو گی لیکن دنیا کے معاملات میں بڑی تیز اور باریک نظر رکھنے والی ہو گی اور مادی قوانین کے مطالعہ سے غیر معمولی استفادہ کرے گی —— مغرب کی عیسائی اقوام نے جو سواریاں ایجاد کی ہیں' دجال کے گدھے کی تصویر بعینہ ان پر صادق آتی ہے۔ مثلاً خوراک کے طور پر آگ اور پانی کا استعمال' انتہائی تیز رفتار ہونا۔ وسیع و عریض ہونا۔ سواریوں کا پیٹھ پر بیٹھنے کی بجائے پیٹ میں یعنی اندرونی سیٹوں پر سفر کرنا' روانگی سے قبل بلند آواز نکال کر مسافروں کو متنبہ کرنا ——— یہ تمام علامتیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں دجال کے گدھے کی بیان کی گئی تھیں۔ بتمام تفصیل مغرب کی عیسائی قوموں کی ایجاد کردہ سواریوں پر صادق آتی ہیں۔ ریل ہو یا سمندری جہاز' دونوں کی خوراک آگ اور پانی' دونوں کی رفتار غیر معمولی' دونوں کے مسافر پیٹ کے اندر۔ دونوں کا حجم عظیم۔ پھر مزید لطف یہ کہ جیسا کہ احادیث نبویہ میں بیان کیا گیا تھا۔ دونوں اپنے سفر پر روانہ ہونے سے قبل ایک خاص بلند آواز کے ذریعہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم روانہ ہونے والے ہیں۔

پس حضرت مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر ان آسمانی معموں کو حل فرمایا اور دنیا کو بتا دیا کہ کیا دجال کی پیشگوئی اور کیا اس کو ہلاک کرنے والے مسیح کی آمد کی پیشگوئی —— یہ سب استعارہ کی زبان تھی۔

پس کوئی منصف مزاج طالب حق یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسیح موعود کے نزول اور دجال کے خروج سے متعلق حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کی تشریح فرما کر حضرت مرزا صاحب نے اسلام کی ایک نہایت عظیم الشان خدمت سرانجام دی ہے۔

قارئین کرام! ایک طرف آپ اس ظاہری منظر کو دیکھئے جو محض الفاظ کے ظاہری معنے قبول کرنے سے آنکھوں کے سامنے ابھرتی ہے' دوسری طرف اس باطنی منظر کو دیکھیں جس پر سے حضرت مرزا صاحب نے تمثیل اور استعارہ کے پردے اٹھائے ہیں' جہاں پہلے منظر کو دیکھ

کر نظر گھبراتی اور عقل اسے حقیقت کے طور پر قبول کرنے سے انکار کرتی ہے وہاں دوسرا منظر کتنا دیدہ زیب اور عقل کے لئے قابل قبول ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی عظمت دل میں بٹھاتا ہے کہ چودہ سو سال قبل ہی آج کے زمانہ کی نو ایجاد سواریوں کا نقشہ ہوبہو کھینچ کر رکھ دیا اور مغربی قوموں کے عالمگیر غلبہ کی خبر دے دی۔

نزول مسیح، قتل دجال، کسر صلیب کا مفہوم

جس طرح خروج دجال کی پیشگوئی معنی خیز تمثیلات پر مشتمل تھی اسی طرح نزول مسیح کی پیشگوئی بھی استعارہ کی زبان میں ہے۔ قتل دجال سے مراد نہ تو کسی ایک دیوہیکل مخلوق کا قتل کرنا تھا نہ کسر صلیب سے مراد ظاہری صلیبوں کا توڑنا۔ اسی طرح قتل خنزیر سے بھی یہ مراد نہ تھی کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد دنیا بھر کے سؤر مارتے پھریں گے۔ نہ کہ خود مسیح سے مراد بھی پرانے مسیح نہیں کیونکہ قرآن کریم واضح طور پر ان کی وفات کی خبر دیتا ہے وہ حقیقی مسیح تھا اور حدیث، جس مسیح کے آنے کی خبر دیتی ہے وہ تمثیلاً مسیح کا نام پانے والا موعود مصلح ہے۔ جس نے امت محمدیہ ہی میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے پیدا ہونا تھا۔

آپ نے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ "صلیب توڑنے" کی پیشگوئی کے ظاہری معنے لینا جہالت اور پیشگوئی کی عظمت کو گرا دینے کے مترادف ہے۔ صلیب توڑنے کے معانی آپ نے یہ بیان فرمائے کہ آنے والا موعود حقانی دلائل کے ساتھ صلیبی فتنے کی کمر توڑ دے گا اور بگڑے ہوئے عیسائی عقائد کے خلاف ایسے قوی اور کاری براہین پیش کرے گا جو صلیبی عقائد کو پارہ پارہ کر دیں۔

آنے والے مصلح کو مسیح کا لقب کیوں دیا گیا؟

اس سوال پر بھی آپ نے سیر حاصل بحث فرمائی کہ آنے والے مصلح کو مسیح کا لقب دینے میں کیا حکمت تھی، آپ نے فرمایا کہ آنے والے مسیح محمدی اور وفات پا جانے والے مسیح موسوی کے درمیان چونکہ بہت سی مشابہتیں پائی جاتی تھیں لہٰذا آنے والے کا نام تمثیلاً ابن مریم رکھ دیا گیا جیسے کسی بہادر کو رستم یا کسی بہت سخی انسان کو حاتم طائی کہہ دیا جاتا ہے۔ جو مماثلتیں آپ نے بیان فرمائیں۔ ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام موسوی شریعت کے تابع ہو کر آئے تھے اور خود ان کے اعتراف کے مطابق وہ تورات کا ایک شعشہ بھی تبدیل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ اسی طرح آنے والے مسیح بھی حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے کامل طور پر تابع ہوں گے۔

۲۔ جس طرح حضرت مسیح ابن مریم نے یہودی فرقوں کے اختلافات میں حکم و عدل کا کردار ادا کیا اور خدا تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیم کو بعد میں شامل ہونے والے انسانی مبالغات سے پاک کر کے پیش کیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود، امت محمدیہ میں بعد کے پیدا ہونے والے اختلافات میں حکم و عدل کا کردار ادا کریں گے۔

۳۔ جس طرح موسوی دور کے تیز غلبہ کے مقابل پر عیسیٰ بن مریم کے متبعین کو آہستہ آہستہ رونما ہونے والا غلبہ عطا کیا گیا اسی طرح حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلد اور برق رفتار غلبہ کے مقابل پر آنے والے مصلح کو مسیح ناصری کی طرح آہستہ آہستہ ظاہر ہونے والا غلبہ عطا کیا جائے گا۔

۴۔ جس طرح حضرت مسیح کو تلوار کا جہاد نہیں کرنا پڑا لیکن تبلیغ جہاد کے سلسلہ میں آپ کو اور آپ کے متبعین کو شدید مخالفت اور طرح طرح کی اذیتیں برداشت کرنی پڑیں۔ اسی طرح مسیح موعود اور آپ کی جماعت کو بھی اسلام کی تبلیغ کے سلسلہ میں ایک لمبا اور قربانیوں سے بھرپور جہاد کرنا پڑے گا۔

۵۔ آنے والے موعود کو مسیح کا نام دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آنے والے مسیح نے بگڑی ہوئی عیسائیت کے تصور کی پیداوار یعنی مافوق البشر اور ابن اللہ مسیح کی بجائے حقیقی مسیح کا وجود ان کے سامنے از سر نو پیش کرنا تھا۔ اور اس کی امامت میں انہوں نے بالآخر فوج در فوج (دین حق) میں داخل ہونا تھا۔

وفات مسیح، اسلام کے لئے پیغام حیات ہے

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ وفات مسیح کا اعلان امت محمدیہ کے لئے مژدہ جانفزا تھا یا اندوہناک خبر؟ ۔۔ تو ادنیٰ سے تدبر سے بھی یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ مسیح کی موت کا اعلان دراصل اسلام کی زندگی کا پیغام تھا۔ یہ خوشی سے اچھلنے اور کودنے کا وقت تھا نہ کہ

شدت غم سے سر پیٹنے کا۔ عیسائیت کے ہاتھ میں اسلام کے خلاف سب سے کاری حربہ مسلمانوں کا یہی غلط اعتقاد تھا۔ عیسائی پادریوں کے نزدیک حیات مسیح اور رفع الی السماء کے عقیدہ کے حسب ذیل طبعی نتائج مرتب ہوتے تھے:

۱۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب مطالبہ کیا گیا کہ آسمان پر چڑھ کر اور پھر وہاں سے کتاب لا کر دکھائیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جواب دینے کی ہدایت کی۔

قل هل کنت الا بشرا رسولا

یعنی ان سے کہہ دے کہ میں تو بشر رسول کے سوا کچھ نہیں۔

گویا آسمان پر جانا بشریت اور رسالت دونوں سے ارفع تر مقام کا متقاضی تھا۔ چونکہ مسیح یہ کام کر کے دکھا دیا لہٰذا آپ بشر اور رسول دونوں سے بلند تر تھے۔

۲۔ آپ کی غیر طبعی طویل عمر آپ کی الٰہی صفات کی نشاندہی کرتی ہے۔

۳۔ کسی رسول کو خدا نے سخت سے سخت تکلیف کے وقت بھی اپنی طرف نہیں اٹھایا۔

۴۔ آخری زمانہ میں امت محمدیہ کو نئی زندگی بخشنے کے لئے آخر مسیح کی ضرورت پیش آئے۔ پس مسیح محسن ثابت ہوئے۔ اور امت محمدیہ زیر احسان۔ افضل وہی ہو گا جو محسن ہو۔

مسیحیوں کو، مسلمانوں پر اس عقیدہ کی بناء پر جو منطقی غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے لئے شدید مضرات سے خالی نہیں تھا۔ اسی عقیدہ کے طفیل مسلمانوں کا ایک طبقہ تو مسیح کی موہوم تمنا لئے خوابوں میں زندگی گزارنے لگا اور دوسرا طبقہ اس کے ردعمل میں اسی سے بیزار ہو کر دنیا کی طرف جھک گیا یا احادیث کا منکر ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کے ایک بڑے حصہ سے محروم ہو گیا۔ پس آخری اور قطعی اور صحیح فیصلہ ہے جو حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ مسیح کو مرنے دو کہ اس میں اسلام کی زندگی ہے۔

> حضرت بانیء سلسلہ عالیہ احمدیہ کا یہ دعویٰ کہ آپ کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق دنیا کی اصلاح کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ آپ کو دیگر تمام علمائے اسلام اور فقیروں سے ایک بالکل الگ مقام عطا کرتا ہے۔ آپ کا دعویٰ یہ ہے۔ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خدمت دین کا فریضہ ایک مامور کی حیثیت سے سونپا ہے۔ اور آپ وہی ہیں جن کے آنے کی پیشگوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھی۔

احمدیت۔ عالمی وحدت کا ایک روح پرور نظارہ

"۔ ملک ہند میں مشرقی پنجاب (انڈیا) کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں آج سے ایک سو سال پہلے ایک عجیب ماجرا گزرا، جسے آئندہ بنی نوع انسان کے لئے ایک عظیم عہد آفرین واقعہ بننا تھا۔ وہاں ایک ایسا مذہبی راہنما مبعوث ہوا جس نے خدا کے اذن سے دَور آخر میں ظاہر ہونے والے آسمانی مصلح ہونے کا دعویٰ کیا۔ یوں تو دنیا میں ایسے سینکڑوں دعویدار پیدا ہوئے اور آئندہ بھی پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن اس کے دعویٰ میں ایک ایسی بات تھی جو سب سے الگ اور سب سے عجیب تھی۔ اس نے ایک ایسا دعویٰ کیا جس نے ایک نئے انداز سے اقوام عالم میں اتحاد کی بناء ڈالی اور توحید باری تعالیٰ کی ایک ایسی تفسیر کی جس نے دَور آخر میں ظاہر ہونے والے متفرق مصلحین کے پراگندہ تصور کو وحدت کا جامہ پہنایا۔

وہ انقلاب آفرین اعلان کیا تھا جس نے اس دور کی مذہبی دنیا میں ایک ہیجان برپا کر دیا اور جس کا ارتعاش زمین کے کناروں تک محسوس کیا گیا۔ یہ وہ دور تھا جسے ہم بالعموم دور انتظار کہہ سکتے ہیں۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کے پیروکار، کیا یہودی اور کیا عیسائی، کیا مسلمان اور کیا ہندو، کیا بدھ اور کیا زرتشتی اور کیا کنفیوشس کے ماننے والے سبھی اپنے اپنے مذہب کی راہ پر آخری زمانہ کے موعود مصلح کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ یہود کو بھی ایک مسیح کی انتظار تھی جس نے دور آخر میں ظاہر ہونا تھا اور عیسائیوں کو بھی ایک مسیح کی آمد کا انتظار تھا۔ مسلمان بھی ایک موعود مسیح کی آمد کے منتظر تھے اور ایک مہدی معہود کی راہ دیکھ رہے تھے۔ ہندو، کرشن کی آمد ثانی کے منتظر اور بدھ کے ماننے والے بدھا کے روپ میں ظاہر ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ ہر مذہب میں ایسی قطعی اور واضح پیشگوئیاں موجود تھیں کہ آخری زمانے میں سچائی کے عالمگیر غلبہ کی خاطر خدا تعالیٰ کسی مصلح کو ضرور بھیجے گا لیکن مشکل یہ تھی کہ ہر مذہب اس ظاہر ہونے والے مصلح کو الگ الگ ناموں سے یاد کر رہا تھا۔

بانی جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو اللہ تعالیٰ نے یہ راز سمجھایا کہ مختلف مذاہب میں جو مختلف ناموں سے آخری موعود عالم کی پیشگوئیاں ملتی ہیں۔ اگرچہ وہ سب بنیادی طور پر درست ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں کہ خدائے واحد و یگانہ نے ہر مذہب میں الگ الگ

مصلح بھیجنا تھا۔ بلکہ مراد یہ تھی کہ ایک ہی مذہب میں جسے خدا تعالیٰ اپنے جلوہ توحید کے لئے اختیار فرماتا، ایک ایسے موعود عالم کو مبعوث فرمانا تھا جو تمام مذاہب کے موعود مصلحین کی بھی نمائندگی کرتا، تا بنی آدم کو ایک عالمی وحدت کی لڑی میں پرو کر توحید خالق کا ایک روح پرور نظارہ، توحید خالق کے آئینہ میں دکھایا جاوے۔ ۱۴ ؎

از ص ۲۰۶ء
سردار صاحب نے برطانوی سیاستدانوں سے اپیل کی کہ وہ ظفر اللہ خاں کے اس نوعیت کے دلائل سے متاثر نہ ہوں۔ بلکہ اپنی انہی قدیم روایات انصاف پر کاربند رہیں جن کی وجہ سے وہ ماضی میں کامیابیاں حاصل کر چکے ہیں۔

I would appeal to the british statement not to follow this sort of argument but to follow the tradition which have brought themsuccess in the past. (P.212)

سردار صاحب نے ممبران اسمبلی کو مخاطب کر کے کہا کہ

"سکھ، کسی کی (اشارہ "مسلم راج" کی طرف تھا۔ ناقل) (Permanent Slavery) مستقل غلامی پر کسی صورت آمادہ نہ ہوں گے"۔ (ایضاً)

راقم یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ علامہ اقبال کو (جن کی سیٹ چوہدری ظفر اللہ خاں کی سیٹ کے ساتھ رکھی گئی تھی، تا وہ اسمبلی معاملات میں دلچسپی لیا کریں) سیاسیات احرار کے دور میں کیا مجبوری پیش آئی کہ انہوں نے اس خدشہ کا اظہار کر دیا کہ:۔

اگر احمدیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو وہ صوبائی لیجسلیٹو میں "مسلمانوں" کو شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں" (زندہ رود ص ۵۹۶)

اسی بحث میں ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کی تقریر کے دوران علامہ اقبال نے مداخلت کی تھی فرمایا تھا Reject democracy یعنی دفعہ کرو جمہوریت کو۔

اس پر انہوں نے علامہ کو یاد دلایا کہ وہ جمہوریت کے طفیل ہی اس ایوان میں براجمان ہیں گوکل چند نے اسلامی تعلیمات پر نکتہ چینی کرتے ہوئے انہیں "حب الوطنی" کے منافی قرار دیا۔

چودھری ظفر اللہ خاں نے اپنی باری آنے پر اس نکتہ چینی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"میرے فاضل (ہندو) دوست کو معلوم ہونا چاہئے کہ بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مختصر مگر جامع حدیث ہے۔

حب الوطن من الایمان

باقی ص ۸۸

۔ حواشی ۔

۱۔ دی مشنز مصنفہ۔ آر۔ کلارک مطبوعہ لندن۔ ص ۲۳۴

۲۔ اخبار پرکاش۔ ۲۶ر اپریل ۱۹۲۵ء

۳۔ ص ۷۹

۴۔ امپریل گزیٹیئر آف انڈیا ص ۷۹۔ عزیز پبلشرز لاہور۔ پاکستان ۱۹۷۹

۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ احمدیت جلد نمبر ۱ صفحہ ۱۳۶ مولفہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ شائع کردہ ادارۃ المصنفین۔ ربوہ

۶۔ زندہ رود ص ۵۷۳

۷۔ زندہ رود ص ۵۷۴

۸۔ زندہ رود ص ۶۰

۹۔ ایضاً ص ۶۲

۱۰۔ دیکھئے حیاۃ طیبہ مولفہ مولانا شیخ عبدالقادر مربی مرحوم (سابق سوداگر مل) صفحہ ۳۲ مطبوعہ ۱۹۵۹ء

۱۱۔ مکتوب ۲۶ نومبر ۱۹۲۲ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد اول ص ۱۳۶ مولفہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ س ن

۱۲۔ ملفوظات جلد دوئم ص ۴۸

۱۳۔ منشور محمدی۔ بنگلور ۲۵ر رجب المرجب۔ ۱۳۰۰ھ ص ۲۱۶

۱۴۔ علامہ اقبال اس طبقہ سے وابستہ ہیں کیونکہ ان کے نزدیک "مسیح و مہدی" کی آمد کا خیال غیر اسلامی ہے اور یہ مجوسیت سے اسلام میں آیا ہے۔ نہ مسیح آسمانوں پر زندہ ہیں اور نہ وہ آئیں گے۔ مودودی صاحب کا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہی آخری زمانہ میں جسمانی طور پر نزول

فرمائیں گے۔

۱۵ ۔ باب اول سوانح فضل عمر جلد نمبرا تصنیف حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب شائع کردہ فضل عمر فاؤنڈیشن ۔ ربوہ (دسمبر ۱۹۷۵ء) (ترتیب میں ادنیٰ تغیر)

۱۵ ۔ باب اول سوانح فضل عمر جلد نمبرا تصنیف حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب شائع کردہ فضل عمر فاؤنڈیشن ۔ ربوہ (دسمبر ۱۹۷۵ء)

۱۶ ۔ از پیغام حضرت امام جماعت احمدیہ بر موقعہ احمدیہ صد سالہ جشن تشکر ۱۸۸۹ء ۔ ۱۹۸۹ء

مسٹر اصفہانی بنام قائداعظم

New York,
October 14, 1947.

My dear Quaid-e-Azam,

I thank you for your letters, Nos. 1547-GG/47 and 1681-GG/47 dated October 1 and 7 respectively, also the

I can briefly tell you that the Pakistan Delegation to the United Nations has acquitted itself more than well. Sir Zafrullah delivered one of the finest speeches heard in the United Nations on the Palestine question. We are working as a perfect team and without boasting, have created an excellent impression. Pakistan is right on the map.

With kind regards,

Very sincerely yours,
Hassan

مسٹر اصفہانی، امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے

احمدیت اور انگریز حکمران

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا موقف

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۔ ۱۹۰۸ء) نے انگریزی حکومت کے عدل و انصاف ' مذہبی آزادی اور ان کے حسن انتظام کو احسان کی نظر سے دیکھتے ہوئے بلاشبہ اس کی تعریف کی ہے ۔ اس کا شکریہ ادا کیا ہے ۔ کیونکہ تبلیغ دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہیں جو پنجاب میں خصوصاً سکھا شاہی کے دور میں بند ہو چکی تھیں اب کھل گئی تھیں ۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں

۔ یہی سلطنت ہے جس کی عادلانہ حمایت سے علماء کو مدتوں بعد گویا صدہا سال کے بعد یہ موقع ملا ہے کہ بے دھڑک بدعات کی آلودگیوں سے اور شرک کی خرابیوں سے اور مخلوق پرستی کے فسادوں سے نادان لوگوں کو مطلع کریں اور اپنے رسول مقبول ؐ کا صراط مستقیم کھول کر ان کو بتلادیں ۔ " ۱ ؎

پھر حکومت کی طرف سے مذہبی آزادی کے قیام کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

گورنمنٹ نے ہر ایک قوم کو اپنے مذہب کی اشاعت کی آزادی دے رکھی ہے اس لئے ہر طرح کے لوگوں کو ہر ایک مذہب کے اصول اور دلائل پرکھنے اور ان پر غور کرنے کا موقع مل گیا ہے ۔ اسلام پر جب مختلف مذاہب والوں نے حملے کئے اور اہل اسلام کو اپنے مذہب کی تائید اور صداقت کے لئے اپنی مذہبی کتابوں پر غور کرنے کا موقع ملا اور ان کی عقلی قوتوں میں ترقی ہوئی ...... الغرض یہ سب امور جو میں نے بیان کئے ہیں ۔ ایک نیک دل انسان کو مجبور کراتے ہیں کہ وہ ایسے محسن کا شکر گزار ہو ۔ ۲ ؎

نیز فرماتے ہیں :۔

" ۔ اب ہم انگریزی عہد میں یہاں تک دینی امور میں آزادی دیئے گئے ہیں کہ جس طرح پادری صاحبان اپنے مذہب کے لئے دعوت کرتے اور رسائل شائع کرتے ہیں ۔ یہی حق ہمیں حاصل ہے ۔ " ۳ ؎

ملکہ برطانیہ کو دعوت

اس مذہبی آزادی سے فائدہ اٹھا کر آپ نے ۱۸۹۳ء میں برطانیہ کی فرماں روا ملکہ وکٹوریا کو جس کے متعلق اقبال نے بعد میں "سایہ خدا" کے الفاظ استعمال کئے تھے، دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم قبول کرنے کی دعوت دی اور فرمایا:۔

اے ملکہ! توبہ کر اور اس خدا کی اطاعت میں آجا جس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ شریک اور اس کی تمجید کر...... اے زمین کی ملکہ۔ اسلام قبول کر تا تو بچ جائے۔۔ آ۔ مسلمان ہو جا! ۴ہ سے

اسی مذہبی آزادی کے باعث آپ نے پرزور اور قاطع دلائل سے عیسائیت کے قلعہ پر زبردست گولہ باری کی اور تقریر و تحریر اور آسمانی نشانوں سے پادریوں کی تلبیس کے بخیے ادھیڑ دیئے وہ پادری جو دیہات کی گلیوں اور شہروں کے بازاروں میں کھڑے ہو کر یسوع کو خدا ثابت کیا کرتے تھے اب احمدیوں کے ساتھ گفتگو کرنے سے گھبرانے لگے کیونکہ احمدی، مسیح ابن مریم کو خدا نہیں بلکہ، کشمیر میں دفن شدہ خدا کے ایک رسول (رسولا الی بنی اسرائیل) سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے تھے۔

پادری حضور کے دعویٰ مسیحیت کو ناقابل برداشت دکھ اور ہتک کا موجب سمجھتے تھے۔ انگریز حکمران بھی پادریوں کے دجل کا شکار تھے پادریوں نے حضور کے خلاف اقدام قتل کا ایک جھوٹا مقدمہ کھڑا کر دیا۔ اے۔ جو دو سال تک چلتا رہا۔ انہوں نے آپ کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے بے شمار پرپیچ حربے استعمال کئے۔

مئی ۱۹۰۰ء میں لاٹ پادری بشپ جی اے۔ لیفرائے کو باقاعدہ بحث کی دعوت دی گئی۔ تو اس نے ۱۲ر جون کو صاف انکار کر دیا اور اپنی نفرت اور حقارت کے جذبات کا یوں مظاہرہ کیا:

"میں انکار کرتا ہوں کہ مرزا غلام احمد کو کسی دوستانہ ماحول میں ملوں۔ اپنے آپ کو مسیح کہنے کی جرات کرتے ہوئے مرزا صاحب بغیر کسی قسم کی سند کے اپنے لئے وہ نام (یعنی مسیح) اختیار کرتے ہیں۔ جسے ہم جو عیسائی کہلاتے ہیں نہایت گہرے ادب اور احترام کے جذبات سے دیکھتے ہیں۔ اس طرح میرے نزدیک وہ اس ہستی کی حد درجہ افسوسناک ہتک اور بے عزتی کرتے ہیں۔ جس کی ہم اپنا آقا اور مالک سمجھ کر عبادت کرتے ہیں۔ پھر کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں اس شخص سے دوستانہ رنگ میں ملنے کے لئے رضامند ہو جاؤں" ۵ سے

مگر پادریوں کے نفرت و حقارت کے جذبات خدا کے اس جری پہلوان کی کسر صلیب کی

زبردست مہم کو کسی رنگ میں متاثر نہ کر سکے۔ حقائق کی زبان کا کہنا ہے کہ مخالفت کی آندھیوں اور دشمنی کے طوفانوں کے باوجود آپ اور آپ کی جماعت کا قدم عیسائیت پر قلمی حملہ میں آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔

بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی میں حکومت برطانیہ ابر محیط کی طرح پورے ہندوستان پر چھائی ہوئی تھی۔ اس شوکت و عظمت کے ماحول میں آپ کے ہاتھوں، لاٹ پادری لیفرائے کا کیا حشر ہوا؟ اس کا ذکر ہمیں حضرت شاہ رفیع الدین" اور مولانا اشرف علی تھانوی کے دو ترجموں والے "معجز نما" قرآن شریف کے دیباچہ میں بھی ملتا ہے۔۔۔ لکھا ہے:۔

پادری لیفرائے کا حشر

"۔ اسی زمانے میں پادری لیفرائے، پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولایت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بنا لوں گا۔ ولایت کے انگریزوں سے روپیہ کی بڑی مدد اور آئندہ کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا...... حضرت عیسیٰ کے آسمان پر بجسم خاکی زندہ موجود ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لیفرائے کو اس قدر تنگ کیا کہ اس کو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے ولایت تک کے **پادریوں کو شکست** دے دی۔ ۶ سے

عیسائیوں کے پیچدار افتراء کا ذکر

حضور نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے عیسائیت کے فتنہ کے بارے میں فرمایا:۔

"۔ اے مسلمانو! سنو اور غور سے سنو کہ اسلام کی تاثیر کو روکنے کے لئے جس قدر پیچ دار افترا اس عیسائی قوم میں استعمال کئے گئے اور پرمکر حیلے کام میں لائے گئے اور ان کے پھیلانے میں جان توڑ کر اور مال کو پانی کی طرح بہا کر کوششیں کی گئیں۔ یہاں تک کہ نہایت شرمناک ذریعہ بھی جس کی تصریح سے اس مضمون کو منزہ رکھنا بہتر ہے۔ اس راہ میں ختم کئے

گئے" ۷ ے

دجالی گروہ کا خروج

حضور نے پادریوں کے گروہ کو دجال ا۔ قرار دیا اور لکھا:-

"۔ اور جس قدر اسلام کو ان لوگوں کے ہاتھ سے ضرر پہنچا ہے اور جس قدر انہوں نے سچائی اور انصاف کا خون کیا ہے۔ ان تمام خرابیوں کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ ہجرت مقدسہ کی تیرھویں صدی سے پہلے ان تمام فتنوں کا نام و نشان نہ تھا اور جب چودھویں صدی کچھ نصف سے زیادہ گزر گئی تو یک دفعہ اس دجال گروہ کا خروج ہوا" ۸ ے

پھر حضور اپنی ایک عربی نظم (۱۸۹۴ء) میں عیسائیوں کے فتنہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں۔

عیسائیت کی مسماری کے لئے خدا کے حضور تضرع

ترجمہ: عیسائیوں کو دیکھ اور ان کے عیبوں کو اور ان کے میلوں کو دیکھ جو ان سے ظاہر ہوئیں۔ وہ اپنی زیادتیوں اور تعدیوں کی وجہ سے ہر ایک بلندی سے دوڑے ہیں اور اپنے بتوں سے زمین کو ناپاک کر رہے ہیں۔ ان کی بلائیں عام ہو گئیں اور ان کا فساد بڑھ گیا اور فتنوں کا سیلاب ان کی بے اعتدالیوں سے بہت سخت ہو گیا۔ اے خدا! تو ان کو پکڑ جیسا کہ تو مفسد کو پکڑتا ہے۔ اے قادر خدا! تو اپنے رحم سے مردوں اور عورتوں کی جلد خبر لے اور مخلوق کو اس طوفان سے نجات بخش۔ ان کے لشکر مسلمانوں کی زمین میں اتر آئے اور ان کی بلاؤں نے مسلمان عورتوں تک سرایت کی۔ اے احمد کے رب! اے محمد رسول اللہ کے الٰہ۔ اپنے بندوں کو ان کے دھوئیں کی زہروں سے بچالے۔ تیرے نبی کو انہوں نے عناد سے گالیاں دیں اور جھٹلایا۔ وہ نبی جو افضل المخلوقات ہے۔ سو تو ان کے ظلم کو دیکھ۔ اے میرے رب! ان کو ایسا پیس ڈال جیسا کہ تو ایک طاغی کو پیستا ہے اور ان کی عمارتوں کو مسمار کر دے۔ ان کے صحنوں میں اتر آ۔ اے میرے رب! صلیب کا ٹوٹنا مجھے دکھلا۔ اے میرے رب! ان کی دیواروں پر مجھ کو مسلط کر۔

کیا کوئی شرافت پسند انسان اس کڑی تنقید کو انگریز کی خوشامد یا اس کی چاپلوسی سے تعبیر کر سکتا ہے؟ کیا کوئی تصور کر سکتا ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو انگریزوں نے اپنے مقاصد کے

لئے کھڑا کیا تھا۔

حضور علماء اسلام کو بھی بار بار سمجھاتے تھے:-

"۔ اے حضرات مولوی صاحبان! جبکہ عام طور پر قرآن شریف سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے ..... تو آپ لوگ (عیسائیوں کی حمایت کی خاطر۔ ناقل) ناحق کی ضد کیوں کرتے ہو۔ کہیں عیسائیوں کے خدا کو مرنے بھی دو۔ کب تک اس کو حی لایموت کہتے جاؤ گے۔ کچھ انتہا بھی ہے۔" ۹ ے

غرض مذہبی لحاظ سے حضور نے عیسائیت کی ایسی زبردست تردید فرمائی اور اس پر اتنی کڑی تنقید کی۔ کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

انگریزی حکومت کے مفادات کے تحفظ کا الزام

اکثر کہا جاتا ہے کہ احمدی' ہندوستان میں انگریزی مفادات کے محافظ تھے۔

اس ضمن میں پہلے یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہندوستان میں انگریز کا سب سے بڑا مفاد تھا کیا؟

آیئے! ہم یہ بات انگریز حکمرانوں سے ہی پوچھتے ہیں۔ وہ ہمیں بتاتے ہیں کہ انگریزی حکومت کا سب سے بڑا مفاد انگریزی حکومت کا استحکام ہے۔ پھر وہ ہمیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ اس استحکام کا ذریعہ ہے عیسائیت کا نشوونما۔ چنانچہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لارنس کا کہنا ہے۔

"۔ کوئی بھی چیز ہماری سلطنت کے استحکام کا اس امر سے زیادہ موجب نہیں ہو سکتی کہ ہم عیسائیت کو ہندوستان میں پھیلا دیں۔ ۱۰ ے

ادھر پنجاب کے گورنر سر ڈونلڈ میکلوڈ کی سوچ بھی یہی ہے۔

"۔ میں اپنے اس یقین کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ہم سرزمین ہند میں اپنی سلطنت کا تحفظ چاہتے ہیں تو ہمیں انتہائی کوشش کرنی چاہئے۔ کہ یہ ملک عیسائی ہو جائے۔" ۱۱ ے

اب سوچئے! یہ بات کتنی خلاف عقل ہے کہ عیسائیت کے تحفظ کے لئے انگریز حکمران یہ تدبیر نکالیں۔ کہ ایک انتہائی گم نام گاؤں کے انتہائی گم نام شخص کو کھڑا کریں۔ اور اس سے یہ اعلان کروائیں کہ۔ عیسائیوں کا خدا مرگیا ہے۔--- اور اس سے عیسائیت پر ایسے کاری حملے

کروائیں کہ بقول مولانا ابو الکلام آزاد -- " مرزا صاحب نے (عیسائیت کے خلاف - ناقل) قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے - قائم رہے گا- " ۱۲ ھ

اور بقول مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے ترجمہ قرآن مجید کے "دیباچہ نگار" کے - مرزا صاحب نے ہندوستان سے لے کر ولایت تک کے پادریوں کو شکست دے دی (ص ۳۰)

پھر اس سے یہ اعلان کروائیں کہ عیسائی مذہب جھوٹ اور فریب ہے - وہ عیسائیت کو صاف اور کھلے کھلے الفاظ میں دجالیت قرار دے - وہ یہ بھی اعلان کرے - کہ میں اس مذہب کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں-

حضور اپنے عربی کلام میں فرماتے ہیں-

اے عیسائیو! خدا کی قسم میں تمہاری صلیب کو پارہ پارہ کر کے رہوں گا خواہ اس راہ میں میرے جسم کی دھجیاں اڑ جائیں اور میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاؤں-

اس شخص کے بارے میں ہمارے ہاں کے نام نہاد مجاہدین اسلام کا یہ انکشاف کہ یہ وجود انگریزوں نے کھڑا کیا ہے - اس کا عیسائیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ تھا- کتنا حیرت انگیز انکشاف ہے -

حضرت بانی سلسلہ کے دور میں 'عیسائی پادریوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کا ایک نمونہ

حقیقت یہ ہے کہ عیسائی پادریوں کے ساتھ گٹھ جوڑ ضرور ہوا تھا- مگر مرزا صاحب کا نہیں - بلکہ مرزا صاحب کے مخالف مولویوں کا- جب بھی مرزا صاحب کا عیسائی پادریوں سے مقابلہ ہوا- مولویوں نے عموماً پادریوں کا ساتھ دیا--- اور مرزا صاحب کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی-

مرزا کو جیل کی سیر کراؤ

ایک طرف یہ آسمانی پہلوان عیسائیت کے خلاف قلمی جہاد میں مصروف تھا تو دوسری طرف

بے غیرتی میں کادیانی کے پیرو بہت چلے ہیں - کیوں اسپر عدالت میں استغاثہ دائر نہیں کرتے - اور اسکو جیلخانہ کی سیر نہیں کراتے -

گورنمنٹ کے حضور میں یہ مودبانہ التماس ہے کہ کادیانی کے اس غدر خبری پر گورنمنٹ اسکو خیر خواہ سلطنت نہ سمجھ لے اور اسکے ان کارستانیوں پر جو سول ملٹری اور اشاعت السنۃ نے گورنمنٹ کے حضور میں پیش کی ہیں چشم پوشی نہ کرے - اور اسکے دعوے خیر خواہی پر گورنمنٹ اس سے یہ سوال کرے - کہ اگر تم خیر خواہ سلطنت ہو اور بغاوت گورنمنٹ سے بری ہو تو تمہاری پیشگوئی میعادی ہشت سالہ سے کیا غرض ہے - اور تمہارے اس فقرہ صـ ۱۰۶ کتاب وساوس

جب انسان نافرمان ہو جاتا ہے مالک حقیقی کو اختیار ہے کہ چاہے تو بلا توسط سلاطین نافرمانوں کے مالوں کو تلف کرے اور انکی جانوں کو معرض عدم میں پہنچا دے

اور یا کسی سلطان کے واسطے سے یہ تجلی قہری ان پر نازل کرے کیا معنی ہیں مگر اس سوال کے وقت اپنے ملک و سلطنت کے وفادار اڈیٹر سول ملٹری گزٹ و اڈیٹر اشاعت السنۃ کو بھی سامنے کھڑا کر لے - پھر دیکھیے کہ اس سوال کے جواب کا دیانی سے دعوے خیر خواہی و عدم بغاوت کادیانی کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے یا جھوٹا ہونا-

فہرست مطالب جلد ۱۰

ذ ... الہامی قاتل

غلام احمد اور ...

الہامی قاتل الخ

اشاعۃ السنۃ النبویۃ

علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ

۸۱

تکمیل جمعیت کیا کرو توقف ہو-

آپکی جماعت میں ہم کو کتنی آدمیوں کا علم ہو کہ وہ آپکو امام وقت اور خلیفہ مہدی سمجھ کر آپکے پیرو ہوئے ہیں- اور وہ اس امید پر بیٹھے ہیں کہ وہ دن جلد آتا ہے کہ آپ اس ملک کی بادشاہت کرینگے -

(جیسا کہ گذشتہ سطور میں لکھا گیا ہے) مولویوں کا نمائندہ ' مولوی محمد حسین بٹالوی ' پادریوں کو اس امر پر اکسا رہا تھا کہ کیا تمہاری غیرت مرگئی ہے۔ تم اس شخص کا قلع قمع کیوں نہیں کرتے ۔ حضور کی بعض تحریروں کا حوالہ دے کر لکھتا ہے:۔

"اے حضرات پوادر (پادری کی جمع۔ ناقل) آپ بھی بے غیرتی میں قادیانی کے پیرو ہو چلے ہو۔ کیوں اس پر عدالت میں استغاثہ دائر نہیں کرتے اور اس کو جیل خانہ کی سیر نہیں کراتے۔" ۱۳ے

دجالین قادیان

حضرت مرزا صاحب نے عیسائیت کی ریشہ دوانیوں کو دجالیت قرار دیا تو مولویوں کے نمائندہ نے مرزا صاحب کو "دجال قادیان" کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ۔۔۔ "دجالین قادیان کی اور نئی چالیں۔" کے زیر عنوان بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:۔

"۔ گورنمنٹ کے حضور یہ مودبانہ التماس ہے کہ کادیانی .... کو خیر خواہ سلطنت نہ سمجھ لے۔ اور اس کی کارستانیوں پر جو سول اینڈ ملٹری گزٹ اور اشاعۃ السنہ نے گورنمنٹ کے حضور میں پیش کی ہیں۔ چشم پوشی نہ کرے اور اس کے دعویٰ خیر خواہی پر گورنمنٹ اس سے یہ سوال کرے کہ اگر تم خیر خواہ سلطنت ہو اور بحالات گورنمنٹ سے بری ہو تو تمہاری پیشگوئی ہشت سالہ ۱۸۹۱ء سے کیا غرض ہے اور تمہارے اس فقرہ (ص ۶۰۱ کتاب وساوس اسلام۔ مراد آئینہ کمالات اسلام۔ ناقل)۔ "کہ جب انسان نافرمان ہو جاتا ہے۔ مالک حقیقی کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو بلا توسل ' رسل ' نافرمانوں کے مالوں کو تلف کرے اور ان کی جانوں کو معرض خطر میں پہنچا دے یا کسی رسول کے واسطے سے ' یہ تجلی قہری ' نازل کرے۔" کے کیا معنی ہیں؟

مگر اس سوال کے وقت اپنے ملک و سلطنت کے وفادار ایڈووکیٹ ایڈیٹر اشاعۃ السنہ کو بھی سامنے کھڑا کر لے۔ پھر دیکھے کہ اس سوال کے جواب میں قادیانی سے دعویٰ خیر خواہی و عدم بغاوت قادیانی کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے یا جھوٹا ہونا۔ ۱۵ے

حضور کی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" کے اس فقرہ کو ایک اور مقام پر نقل کر کے اہل حدیث مولوی گورنمنٹ کو یوں اکسا رہا ہے:۔

قوت پکڑتے ہی حکومت پر قبضہ

"۔ (یہ فقرہ) ان تمام رسائل کو ملیا میٹ کرتا ہے اور ان پر پانی پھیرتا ہے اور بتا رہا ہے کہ جس وقت آپ کی جماعت کامل قوت پکڑے گی اور کثرت کو پہنچ جائے گی اس وقت آپ گورنمنٹ کے مال و جان پر ہاتھ صاف کریں گے .... آپ کی جماعت میں ہم کو کئی آدمیوں کا علم ہے کہ وہ آپ کو امام وقت اور خلیفہ مہدی سمجھ کر آپ کے پیرو ہوئے ہیں اور وہ اس امید پر بیٹھے ہیں کہ وہ دن جلد آتا ہے کہ (انگریزوں کی بجائے۔ ناقل) آپ اس ملک کی بادشاہی کریں گے۔"

پھر لکھتا ہے:۔

"آپ کی طرف سے گورنمنٹ کیوں کر مطمئن ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں تب ہی سے گورنمنٹ کو جتا رہا ہوں کہ یہ شخص محل خوف ہے۔ اس سے گورنمنٹ کو مطمئن نہ رہنا چاہئے۔ (موعود مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کر کے۔ ناقل) اب یہ وہ مرزا غلام احمد نہیں رہا۔ جس کی طرف سے میں نے (اپنے) ریویو میں گورنمنٹ کو مطمئن کیا تھا۔" ۱۶ے

جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ کے دور میں مسلم ' عیسائی گٹھ جوڑ کا نمونہ

اب تو مخالفین احمدیت بانی سلسلہ احمدیہ کو حکومت برطانیہ کا آلہ کار بتاتے ہیں مگر بانی سلسلہ کے دور میں حکومت کے کان بھرتے تھے۔ حکومت کو حضور کے خلاف بھڑکاتے تھے۔ یہ سلسلہ حضور کی وفات کے بعد بھی موقع بہ موقع جاری رہا۔ حضور کی وفات کے بعد حضور کے دوسرے جانشین پر بھی یہی الزام لگایا گیا۔ کہ یہ شخص اور اس کی جماعت عیسائی عقائد کی دشمن ہے۔ مسیح اور مریم علیہ السلام پر ناپاک حملے کرنے والی ہے۔ اس کے خلاف فوری اور سخت ایکشن لیا جائے اور ہم دل و جان سے حکومت کے ساتھ ہیں ۔۔۔ چنانچہ مولانا ظفر علی خاں نے (احرار کی قادیان تبلیغی کانفرنس کے موقع پر۔ ۲۲ر نومبر ۱۹۳۴ء) اخبار زمیندار کے خاص نمبر کی اشاعت میں جارج پنجم شہنشاہ ہند تاجدار انگلستان کے نام جو تاریخی مکتوب مفتوح شائع کیا۔ اس میں کہا گیا:۔

حضور والا! مجھے ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کے عمیق احساسات پر عبور ہے جو

حضور کو اپنا فرماں روا تسلیم کرتے ہیں ...... معتقدات مذہبی کے سلسلہ میں بہت سے امور ایسے ہیں جو ہمارے اور مسیحی اقوام کے درمیان قدر مشترک کا حکم رکھتے ہیں ...... مگر اس (مرزا غلام احمد نے ۔ ناقل) نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح موعود ہوں ۔ اور اس زمانہ میں بحیثیت پیغمبر مبعوث ہوا ہوں ۔ اس نے سادہ لوح اور سریع الاعتقاد مریدوں کی ایک جماعت اپنے گرد اکٹھی کرلی جو اس کے ہر لفظ کو وحی آسمانی کا درجہ دیتی ہے ۔ اور ازبسکہ وہ بڑا ہی چالاک تھا ۔ اس لئے غیر جانبدار سرکاری جرائم کی خفگی سے بچنے کے لئے اس نے تاج برطانیہ کی جانثاری ' وفاداری کے دعویٰ کو اپنی سپر ـــــ بنالیا ..... مسیح ابن مریم کی تصویر پر اس نے سر سے لے کر پاؤں تک سیاہی کی کوچی پھیردی (نعوذ باللہ ۔ ناقل) اور یہی قادیان کے اس جھوٹے نبی کا سب سے بڑا شاہکار ہے ۔ ..... اس کا موجودہ جانشین مرزا محمود ' مذہب کی حدود سے نکل کر سیاسیات عالیہ کے دنگل میں آن کودا ہے اور پنجاب گورنمنٹ سے دست و گریباں ہو رہا ہے ۔

.... کلیسائے عیسوی نے آپ کو " حامی دین " کا لقب دیا ہے اور ایک مسیحی تاجدار ہونے کی حیثیت سے آپ کا فرض اولین ہے کہ مسیح اور مریم کی عزت کو اس قسم کے ناپاک حملوں سے بچائیں ۔

مسلمانان ہند کو یقین ہے کہ حضور اپنے نائب السلطنت (وائسرائے ہند ۔ ناقل) لارڈ ولنگڈن کو یہ شاہانہ ہدایت فرما کر اس بارہ میں بعجلت ' تمام تر موثر انسدادی تدابیر اختیار کریں گے ۔ اپنی مسلمان رعایا کو بطور خود مسیح و مریم علیہم السلام کی توہین کا سدباب کر کے قرآنی فریضہ سے سبکدوش ہوں گے .... اس سلسلہ میں جو تدابیر حضور عمل میں لائیں ۔ مسلمان بہ جان سپاس گزار ہوں گے ۔ ۱۷ ؎

حضور کا نیازمند

ظفر علی خاں

مالک و مدیر روزنامہ زمیندار ۔ لاہور

۲۵ ر نومبر ۱۹۳۴ء کو مولانا ظفر علی خاں کا یہی مکتوب مفتوح ' علی گڑھ جامع مسجد ' میں بھی پڑھ کر سنایا گیا ۔ ا ؎

سر فضل حسین کی ڈائری

مخالفین احمدیت کی انگریزوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کی مختلف شہادتوں میں سے ایک شہادت سر فضل حسین کی ڈائری اور خطوط میں بھی ملتی ہے ۔ احرار اور ظفر علی خاں نے جماعت کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا تھا ۔ اور برطانوی حکومت خفیہ طور پر ان کی پشت پناہی کر رہی تھی ۔ اس صورت حال کو دیکھ کر سر فضل حسین ایسے باخبر شخص نے اپنی ڈائری (یکم جولائی ۱۹۳۵ء) میں لکھا ۔

Thus they (Ahrar) are the recipients of help and support from different persons who hope to use them against each other. Even Government officials and in particular the C.I.D are said to be their supporters.

" یعنی ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے کی امید میں مختلف سیاستدان احرار کی امداد و تعاون کر رہے ہیں ۔ حتیٰ کہ گورنمنٹ حکام خصوصاً سی آئی ڈی کے متعلق کہا جاتا ہے ۔ کہ وہ بھی اس کاروبار میں ملوث ہے ۔ ۱۸ ؎

اگلے ماہ یعنی اگست میں سر فضل حسین پر " احرار حکومت گٹھ جوڑ " اور بھی واضح ہو چکا تھا ۔ چنانچہ آپ نے ۲۰ ر اگست ۱۹۳۵ء (ص ۲۵) کو لکھا کہ " احرار اور پنجاب گورنمنٹ کا یارانہ ان دنوں بہت گہرا ہے " ۔ ۱۹ ؎

یہاں یہ وضاحت کر دینا نامناسب نہ ہو گی کہ بانی تحریک احمدیہ نے کبھی بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا ارتکاب نہیں کیا اور وہ ان کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال بھی کیسے کر سکتے تھے ۔ ان کا دعویٰ تو خود " مثل مسیح " ہونے کا ہے ۔ اصل حقیقت کو حضور یوں واضح فرماتے ہیں :۔

یسوع دشمنی ؟ کی وضاحت

" ۔ ہمارا جھگڑا اس یسوع کے ساتھ ہے ۔ جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے ۔ نہ اس برگزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن کی وحی نے مع تمام لوازم کے کیا ہے (تبلیغ رسالت جلد ۶ ص ۳۲)

پھر فرماتے ہیں:-

" اگر پادری اب بھی اپنی پالیسی بدل لیں اور عہد کریں کہ آئندہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں نکالیں گے تو ہم بھی عہد کریں گے کہ آئندہ نرم الفاظ کے ساتھ ان سے گفتگو ہوگی۔ (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ ص ۸)

اور بانی تحریک کی اس پالیسی کو خلیفہ دوئم نے یوں پبلک لیکچر میں روشناس کرایا۔

" جنگل کے درندوں اور سانپوں سے ہم صلح کر سکتے ہیں۔ مگر ہم ان سے کبھی بھی صلح نہیں کر سکتے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں۔ (لیکچر مسلمانوں کی انفرادی اور قومی ذمہ داریاں ص ۴۰)

مرزا صاحب نے پنجاب گورنمنٹ کا ناطقہ بند کر دیا ہے

پھر ۱۸ نومبر ۱۹۳۴ء کے پرچہ میں زمیندار لکھتا ہے:-

" مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ پیشگوئی تو حکومت کے کانوں میں پہنچ چکی ہے کہ:-

دولت برطانیہ تا ہشت سال۔ بعد ازاں آثار ضعف و اختلال۔

اب وہ ان متنبی صاحب کی یہ دوسری پیشگوئی بھی سن لے جس میں آپ (کے خلیفہ دوئم) فرماتے ہیں کہ تین سو سال کے اندر اندر ساری دنیا میں قادیانیت کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور خود انگلستان کے تخت پر ایک احمدی بادشاہ بیٹھا ہوا نظر آئے گا جو مرزائیت کے تمام مخالفین میں سے کسی کو سنگسار کرے گا اور کسی کی کھال ہنٹروں سے ادھیڑ ____ دے گا۔ **باور نہ آئے تو خود خلیفہ قادیان سے جنہوں نے آجکل مسٹر گاربٹ چیف سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ بلکہ ساری پنجاب گورنمنٹ کا ناطقہ اپنی دھمکیوں سے بند کر رکھا** ہے۔ آنے والی حکومت کا ذکر سن لیجئے۔

گاربٹ صاحب! کچھ بسنت کی خبر بھی ہے...... مرزا بشیر الدین محمود عرف "ولیم فاتح" نے اب سیاست کے کوچہ میں قدم رکھا ہے۔ اپنے فدائیوں سے اپنے ہاتھ پر موت کی بیعت لی ہے۔ جمالی رنگ کی بجائے اب جلالی رنگ اختیار کر رکھا ہے آنکھیں کھولئے اور دیکھئے کیا ہو رہا ہے۔ (ص-۳)

پھر ایک خبر کی جلی سرخی ہے۔-

" حکومت پنجاب کے ساتھ خلیفہ قادیان کی کشمکش نے ایک نازک صورت اختیار کر لی ہے۔ اسی خبر میں درج ہے۔-

" انہوں نے (یعنی امام جماعت احمدیہ نے) کھلم کھلا علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ (ایضا ص ۷) ایک مضمون نگار لکھتا ہے:-

" شاید انگریزوں کو یہ معلوم نہیں کہ پیغمبر قادیان ان کے حق میں مرنے سے پہلے یہ پیشگوئی کر گیا ہے کہ سلطنت برطانیہ تا ہشت سال۔ بعد ازاں ایام ضعف و اختلال۔ اور اس پیغمبر کا بیٹا موجودہ خلیفہ قادیان آج سے صرف چار سال پہلے (یعنی ۱۹۳۰ء میں ناقل) اعلان کر چکا ہے:-

" ہندوستان غیر محدود زمانہ تک غیر ملکی حکومت گوارا نہیں کر سکتا۔ اب ہندوستان خاموش نہیں بیٹھ سکتا۔" ۲۰؎

اب اس امر کا کیا علاج کہ علامہ اقبال یا مصنف زندہ رود احمدیت کے خلاف اپنے مضامین میں یہ تاثر دیں کہ احمدیت کا مسلک "سیاسی محکومیت" ہے۔ احمدیہ جماعت اس کوشش میں ہے کہ غیر ملکی تسلط غیر محدود زمانہ تک برقرار رہے۔

واضح رہے کہ ۱۹۳۰ء میں ہی علامہ اقبال نے سیاسی محکومیت کے گوارا کرنے کے بارے میں فرمایا تھا۔

" مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہندو ہم پر حکومت کریں۔ بشرطیکہ ان میں حکومت کرنے کی اہلیت اور شعور ہو لیکن ہمارے لئے دو آقاؤں کی غلامی ناقابل برداشت ہے۔ ہندو اور انگریزوں میں سے صرف ایک ہی کا اقتدار گوارا کیا جا سکتا ہے۔ ۲۱؎

حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف سے،

انگریزی حکومت پر --- نکتہ چینی اور اسے زبردست انتباہ

حکومت کا ایک طبقہ عدل و انصاف کی راہ سے ہٹ گیا جماعت کے متعلق صریح بے انصافی اور ایذا رسانی سے کام لینے لگا تو حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس ظالمانہ روش کی سولہ واضح مثالیں دے کر فرمایا:-

ان (مثالوں) سے پتہ چلتا ہے کہ ایک عرصہ سے جماعت (احمدیہ) کو بدنام کرنے کی

کوشش (انگریزی ۔ ناقل) حکومت کے بعض افسران کی طرف سے کی جا رہی ہے ۔ (تاریخ احمدیت جلد نمبر ۷ صفحہ ۴۸۳)

ایک اور موقع پر حکومت کے خلافِ عقل و فہم رویہ کے پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے حضور نے نہایت دردانگیز الفاظ میں فرمایا :

" ۔ ہمارے نازک احساسات مجروح کیئے گئے ہیں ۔ ہمارے دل زخمی کر دیئے گئے ہیں ۔ میں نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا ۔ کسی سے کچھ نہیں مانگا ۔ مگر حکومت اور رعایا خواہ ہماری مخالف ہے .... گورنمنٹ کو یاد رکھنا چاہئے کہ بے شک ہم صابر ہیں ۔ متحمل ہیں مگر ہم بھی دل رکھتے ہیں اور ہمارے دل بھی درد کو محسوس کرتے ہیں اور اگر اس وجہ سے بلاوجہ انہیں مجروح کیا جاتا رہا تو ان دلوں سے ایک آہ نکلے گی جو زمین و آسمان کو ہلا کر رکھ دے گی جس سے خدائے قہار کا عرش ہل جائے گا اور جب خدا تعالیٰ کا عرش ہلتا ہے تو اس دنیا میں ناقابل برداشت عذاب آیا کرتے ہیں ۔ " (الفضل یکم دسمبر ۱۹۳۴ء)

پھر سالانہ جلسہ (۱۹۳۴ء) پر انگریزی حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا :۔

" ۔ ہمارا حکومت سے ٹکراؤ نہیں ۔ اس کا میدان عمل اور ہے اور ہمارا اور ۔ لیکن اگر وہ خود ہم سے ٹکرائے گی تو اس کا وہی حال ہو گا ۔ جو کونے کے پتھر سے ٹکرانے والے کا ہوتا ہے ۔ " (الفضل ۲۰ ر جنوری ۳۵ء)

مسلم پرچہ " سیاست " کے ایڈیٹر سید حبیب صاحب نے حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت میں تحریر کیا :۔

سر سکندر (حیات خاں ۔ وزیرِاعظم پنجاب) کی نظر (انگریز ۔ ناقل) گورنر کے ہر مخالف سے بگڑی ہوئی ہے ۔ اس سے نہ آپ مستثنیٰ ہیں نہ میں ۔ (خط محررہ ۱۵ ر نومبر ۱۹۳۶ء)

ظاہر ہے جماعت احمدیہ اس وقت تک ہی انگریزی حکومت کی مداح اور شکر گزار رہی جب تک یہ حکومت ۔ " قصرِ عدل کی معمار " تھی ۔ جب تک اس کی تلوار ۔ " نقاد خیر و شر " تھی ۔ اور جب تک یہاں " سامان صلح دیر و حرم " میسر تھا ۔ جب حکومت نے ان اقدار کو نظر انداز کر دیا تو جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ بھی بدل گیا ۔

مگر ان حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے علامہ اقبال نے احمدیت کے خلاف اپنے پہلے مضمون مورخہ ۱۴ ر مئی ۱۹۳۵ء میں جو ا سٹیٹسمین نے بھی شائع کیا ' حکومت پر نکتہ چینی بلکہ طنز

کے انداز میں ۔۔۔۔ کہا کہ حکومت (اپنے) دوست (یعنی جماعت احمدیہ) کو جو فائدہ پہنچانا چاہئے ۔ پہنچائے یا اس کی خدمات کا صلہ دے ۔ چونکہ مختلف گوشوں سے جماعت کو مسلسل یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ انگریز ان کی بے جا منفعت کے لئے کام کرتا رہا ۔ اس لئے ہم یہاں حقیقت حال کی قدرے وضاحت کرتے ہیں :

حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس نوع کی بے بنیاد نکتہ چینیوں کے پیش نظر حکومت کو چیلنج دیتے ہوئے فرمایا :۔

" گورنمنٹ کا موجودہ رویہ بتا رہا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دوستوں میں سے نہیں بلکہ مخالفوں میں سے سمجھتی ہے ۔ ایسے موقع پر میں حکومت کو متواتر چیلنج دے چکا ہوں اور اب پھر چیلنج دیتا ہوں کہ وہ ثابت کرے ۔ ہم نے کبھی اس سے کوئی ایسا فائدہ اٹھایا ہو جو رعایا کے عام حقوق سے بالا ہو ۔ اگر ہم نے اس کی خدمات کر کے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کیا ہو تو اب اس کا فرض ہے کہ وہ اسے دنیا کے سامنے پیش کر کے ہمیں لوگوں میں شرمندہ کرے ۔ " (خطبہ جمعہ شائع شدہ الفضل ۶ ر اگست ۱۹۳۵ء)

مگر حکومت برطانیہ کا وہ عنصر جو جماعت کے مخالفوں کا ہمنوا ہو کر جماعت پر ظلم و ستم ڈھا رہا تھا ۔ آج تک اس چیلنج کا کوئی جواب نہ دے سکا ۔ ایک محقق ہونے کی حیثیت سے مصنف زندہ رود کا فرض تھا کہ وہ انگریز حاکموں کی اس مخالفانہ روش کی کوئی جھلک تو پیش کرتے ۔

ہم نے گزشتہ سطور میں مولویوں کا عیسائیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کا ایک نمونہ پیش کیا ہے اب ملاحظہ ہوں اسی نوعیت کی درخواستیں ' عیسائیوں کی طرف سے ۔ کہ ہمارے اور مسلمانوں کے عقائد یکساں ہیں ۔ ہمارا ان سے مکمل اتحاد ہے ۔ لیکن قادیانی ہم دونوں کے یکساں عقائد کی تضحیک کے ذمہ دار ہیں ۔ ان پر پابندی لگا دی جائے ۔

مسیحیوں کی طرف سے قادیانیوں کے خلاف رٹ

جماعت احمدیہ کے چوتھے خلیفہ کے دور میں عیسائی ، مسلم گٹھ جوڑ کا نمونہ

(امروز کے سٹاف رپورٹر سے) لاہور ۔ ۹ ر جولائی ۱۹۸۴ ۔ قادیانیوں کے خلاف مسیحی رہنما پطرس گل کی رٹ درخواست کی سماعت کے دوران آج ہائی کورٹ نے وفاقی حکومت سے بھی رپورٹ طلب کر لی ہے ۔ اور اس سلسلہ میں ڈپٹی اٹارنی جنرل کو نوٹس جاری کر دیا ہے ۔

رٹ درخواست میں مرزا طاہر احمد سربراہ قادیانی گروپ اور ڈاکٹر سعید سربراہ لاہور گروپ کو بھی فریق بنایا گیا ہے۔ اور موقف اختیار کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی معجزانہ پیدائش اور حضرت مریم کے تقدس کے بارے میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے عقائد یکساں ہیں اور حضرت عیسیٰ کے مریضوں کو شفا دینے۔ مردوں کو زندہ کرنے۔ اور آسمان پر اٹھائے جانے اور دوبارہ دنیا میں آمد کے بارے میں ا ے جیسا یقین رکھتے ہیں اور درخواست گذار ملک کے مسلمانوں اور عیسائیوں میں مکمل اتحاد پر یقین رکھتا ہے لیکن قادیانی بشمول لاہوری گروپ ان عقائد سے نہ صرف انحراف کرتے ہیں بلکہ ان کی تضحیک کے سزاوار ہیں۔ جس سے مسیحیوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ رٹ میں کہا گیا ہے کہ قادیانی گروپ یہ سب یہودیوں کے احکامات کے تحت کر رہے ہیں۔۔ رٹ میں استدعا کی گئی ہے کہ مسیحیوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے نیز قادیانیوں بشمول لاہور گروپ کو ایک ناپسندیدہ سیاسی جماعت قرار دے کر حکومت کو ہدایت کی جائے کہ ان پر وہ پابندی عائد کردے۔"

رٹ درخواست کی پیروی رشید مرتضیٰ قریشی ایڈووکیٹ کر رہے ہیں۔ ۲۲ ؎
عیسائیوں کو کریڈٹ دینا پڑے گا کہ انہوں نے اپنی وکالت کیلئے مسلمانوں میں سے ایک "قریشی" کا انتخاب کیا۔

مسیحیوں کی طرف سے جنرل ضیاء الحق کو خراج تحسین

لاہور ۶ر مئی ۱۹۸۴ء (پ ر) پاکستان نیشنل کرسچین لیگ کے صدر جمز صوبے خاں نے قادیانیوں کے اسلامی طرز عمل کو غیر قانونی قرار دینے پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور ان کی حکومت کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اپنی مسیحی برادری کے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے مطالبہ کیا ہے کہ قادیانیوں کو تخریب کار گروہ قرار دے کر ان کی جائدادوں کو ضبط کرلیا جائے ۔ ان کی جھوٹی اور من گھڑت تبلیغ پر پابندی لگا دی جائے اور مسیحی مذہب کے خلاف ۸۴ چوراسی کتابوں کے علاوہ ان کا تمام لٹریچر ضبط کرلیا جائے۔۔۔ انہوں نے مذہب کے خلاف "ابن مریم" "مسیح موعود" اور "مسیح ناصرت" وغیرہ نامی قادیانیوں کے شائع کردہ پمفلٹ ضبط کرنے پر موجودہ حکومت کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ یہ پمفلٹ شائع کرنے پر مرزا طاہر احمد اور اس کے حواریوں کے خلاف اسلامی قذف قانون کے تحت مقدمات

درج کئے جائیں۔۔۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ عالمی سطح پر "مسیحی مسلم اتحاد" کو مستحکم بنانے کے لئے دنیا بھر کے تمام مسیحی ممالک اور خصوصاً شاہ سپین کے پاس پاکستان سے مسلم علماء اور مسیحی مبلغوں کے وفد بھیجے جائیں۔ ۲۳ ؎

پاکستان کی خانہ جنگی میں مشنریوں کا ہاتھ

تحریک احمدیہ کی مخالفت کے بارے میں انڈیا کے ایک رسالے نے جو انکشاف کیا ہے۔ اس کا ذکر بھی یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔۔۔

ہفت روزہ جدید اردو رپورٹر نے اپنی ۲۰ر دسمبر ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں ۱۹۷۴ء کی مخالفِ احمدیت تحریک کے بارے میں لکھا ہے۔

"آج سے دس سال پیشتر (یعنی ۱۹۷۴ء میں) دہلی کے ہفت روزہ اخبار "نئی دنیا" نے مندرجہ ذیل انکشاف کیا۔

"۔۔۔ چونکہ قادیانی (یا بقول خود احمدی) مبلغ، یورپ اور افریقہ میں عیسائیت کا زور توڑنے میں لگے ہوئے ہیں اور مشنری ان کے مقابلہ میں عاجز آچکے ہیں۔ اس لئے ہمارا خیال ہے کہ پاکستان کی خانہ جنگی میں ان (مشنری حضرات) کا بڑا ہاتھ ہے۔ عیسائی مشنری چاہتے ہیں کہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں قادیانی فرقے کو اس قدر کمزور کردیا جائے کہ ان میں عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کی سکت ہی نہ رہے۔ عیسائی مشنری اپنے سرمائے کے ذریعے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور مسلمانوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان کے نیچے سازش کا بارود بچھانے والا کون ہے (نئی دنیا ۲۶ر جون ۱۹۷۴ء) یہ عجیب بات ہے کہ جماعت احمدیہ، یورپ اور افریقہ میں جب کوئی تبلیغ کا اہم کام سرانجام دے رہی ہوتی ہے تو پاکستان میں عیسائی دنیا خود مسلمانوں کے ہاتھوں جماعت احمدیہ کے خلاف کوئی ہنگامہ کرا دیتی ہے (روزنامہ جدید اردو رپورٹر بمبئی ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء شمارہ ۲۲ جلد ۵)

انگریزی حکومت کی جانب سے وفاداری کا صلہ؟

یاد رہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی وفاداری کے سلسلہ میں نہ تو سر سید احمد خاں اور علامہ اقبال کی طرح سر کا خطاب حاصل کیا نہ انگریزوں نے آپ کو شبلی نعمانی اور علامہ اقبال کے استاد مولانا میر حسن کی طرح "شمس العلماء" کا خطاب دیا۔ بلکہ "پنجاب چیفس"

کے ریکارڈ کے مطابق ۔۔۔۔ پنجاب کے الحاق کے وقت اس خاندان کی تمام جاگیریں ضبط کرلی گئیں "۔۔۔ ضبط شدہ جاگیروں کی واگزاری کے متعلق ایک عرصہ تک انگریز حکومت سے خط وکتابت کے باوجود وہ جاگیریں واپس نہ ہوئیں۔ حتیٰ کہ انگریز اس ملک سے چلا گیا۔

احمدیت 'انگریزوں کی نظر میں

اس بحث کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انگریز محققین نے اپنے اہم عالمی لٹریچر خصوصاً انسائیکلوپیڈیاز میں بانی تحریک احمدیہ کو عیسائیوں کے آلہ کار کے روپ میں پیش کیا ہے یا عیسائیت کے شدید معاند کی شکل میں۔ ملاحظہ ہوں چند تحقیقیں۔

وائی ایم سی اے۔ سوسائٹی

ریونڈر ' ایچ۔ اے۔ والٹر جو تمام ہندوستان کی لٹریری سوسائٹی Y M C A کی عیسائی انجمن کا سیکرٹری تھا۔ اپنی کتاب The Ahmadiya Movement مطبوعہ لندن ۱۹۱۸ء میں لکھتا ہے:۔

"۔ (مرزا غلام) احمد اور اس کے اڈیٹروں نے جہاں تک ان کا بس چلا ہے۔ تمام زمانوں اور تمام قوموں کا لٹریچر چھان مارا ہے تاکہ وہ تمام کوششوں کو متحد کر کے ایک زبردست اور خطرناک حملہ مسیح ناصری کے کیریکٹر پر کر کے اسے کمزور اور داغدار ثابت کردیں۔"

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھک

اس انسائیکلوپیڈیا میں ہے:۔

(Mirza Ghulam Ahmad) declared that he was greater than Jesus since he was the Messiah of Muhammad as Jesus was of Moses.....(P.530)

یعنی مرزا غلام احمد نے اعلان کیا کہ ان کا روحانی مقام ' عیسیٰ علیہ السلام سے برتر ہے کیونکہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مسیح ہے اور عیسیٰ ' موسیٰ کا مسیح تھا۔ (صفحہ ۵۳۰)

دی نیو انسائیکلوپیڈیا برٹینکا

اس انسائیکلو پیڈیا میں عیسائی مصنفین لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا عقیدہ یہ تھا کہ

....in actuality (Jesus) escaped to India' where he died at the age of 120. (vol I-Page 153)

کہ حضرت عیسیٰ بچ بچا کر انڈیا چلے گئے جہاں وہ ۱۲۰ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ جلد اول صفحہ ۱۵۳

انسائیکلوپیڈیا ریلجنز

انسائیکلوپیڈیا ریلیجنز میں لکھا ہے۔

"یہ فرقہ عیسائیت کا شدید مخالف ہے۔"

شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

پادری ' حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی محققانہ تحریروں اور خاص طور پر اس انکشاف سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ازروئے قرآن وحدیث وفات پا چکے ہیں۔ سخت تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے ۱۸۹۷ میں حضور پر ایک خونی مقدمہ بنا دیا۔ جو دو سال تک چلتا رہا۔ مقدمہ چونکہ بے بنیاد تھا۔ اس لئے جرم ثابت نہ ہونے کی وجہ سے حضور بری کر دیئے گئے۔ شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں زیر لفظ "احمدیہ" عیسائی مصنفین کا یہ اعتراف موجود ہے۔

= Mirza Ghulam Ahmad was accused of the crime by three Christian Missionaries' but acquitted in court. (P.24)

۔ حواشی ۔

۱۔ براہین احمدیہ حصہ سوئم ص ۴-۵

۲۔ نور القرآن نمبر ۲ ص ۴۰

۳۔ ایام الصلح ص۔ ۱۳۴

۴۔ آئینہ کمالات اسلام

۵۔ ریویو آف ریلیجنز عیسائی مصنفین کی طرف سے "شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" میں یہ اعتراف موجود ہے:

AHMADIYA --... Mirza Ghulam Ahmad was accused of the Crime by three Christian Missionaries' but acquitted in court. (P. 24)

احمدیہ ..... مرزا غلام احمد پر تین عیسائی پادریوں نے مقدمات دائر کر دیئے (مگر عدالت نے بے بنیاد ہونے کے باعث۔ ناقل) آپ کو بری کر دیا۔ (صفحہ نمبر ۲۴)

۶۔ دیباچہ معجز نما قرآن شریف مترجم ص ۳ مطبوعہ ۱۹۳۴ء

۷۔ فتح اسلام ص ۶

۸۔ ازالہ اوہام طبع اول ص۔ ۲۹۱

۹۔ ازالہ اوہام ص ۴۶۹

۱۰۔ Lord Lawrance Life Vol II P.313

۱۱۔ The Mission by Clark P.47 London 1904

۱۲۔ اخبار وکیل جون ۱۹۰۸ء

۔ عیسائیوں کی مرتب کردہ انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ لندن میں زیر لفظ "احمدیہ" لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد

(۱۹۰۸) ایک پنجابی نے

Reacting against the efforts of Critian missionaries' ..declared himself a renewer (of the faith) in 1882. He identified the Christian west and Particularly the economic political and relegious colonialism which was the dominant Characteristic in the 19th Century as the manifestation of the dajjal the "imposter" ie Apocalyptic Antichrist. (The Concise Encyclopaedia of Islam' Stacey' London. 1989 P.28

۱۳۔ اشاعۃ السنہ نمبر ۱ جلد نمبر ۱۶ صفحہ ۸ ۱۸۹۳ء

۱۴۔ حضور کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔ "سلطنت برطانیہ تا ہشت سال۔ بعد ازاں ایام ضعف و اختلال"

۱۵۔ اشاعۃ السنہ نمبر ۱۲ جلد نمبر ۱۹ صفحہ ۳۷۶

۱۶۔ الہامی قاتل۔ اشاعۃ السنہ جلد نمبر ۱۸ نمبر یکم لغایت سوم صفحہ ۸۰ - ۸۱

۱۷۔ ظفر علی خاں اور ان کا عہد صفحہ ۴۷۵ از عنایت اللہ نسیم سوہدری مطبوعہ نومبر ۱۹۸۲ء۔ اسلامک پبلشنگ ہاؤس۔ لاہور

۱۸۔ ڈائری (انگریزی) کم جولائی ۱۹۳۵ شائع کردہ ریسرچ سوسائٹی پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور ص ۱۳۱

۱۹۔ ایضاً ص۔ ۱۴۵

۲۰۔ زمیندار ۳۰ ستمبر ص ۳، ۱۹۳۴ء بحوالہ الفضل ۲۶ جون ۱۹۳۰ء

۲۱۔ علامہ کا خط بنام سر فرانسس ینگ ہسبنڈ مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۰۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ۔ بحوالہ حرف اقبال صفحہ ۱۲۶

۲۲۔ امروز ۱۰ جولائی ۱۹۸۴ء

۲۳۔ مشرق لاہور ۷ مئی ۱۹۸۴ء

قائداعظم بنام مسٹر اصفہانی

Karachi,
October 22, 1947.

My dear Hassan.

As regards Zafrullah, we do not mean that he should leave his work so long as it is necessary for him to stay there, and I think he has already been informed to that effect, but naturally we are very short here of capable men, and especially of his calibre, and every now and then our eyes naturally turn to him for various problems that we have to solve.

Thanking you,

Yours sincerely,
M. A. Jinnah

* * * * * * * * *

مسٹر اصفہانی بنام قائداعظم

Nacional Hotel,
Havana,
November 27, 1947.

My dear Quaid-e-Azam,

Zafrullah Khan is scheduled to leave New York for home on the 29th of November and Ayub goes back on the 30th. I cannot help remarking that ' Zafrullah Khan has, throughout the Session of the U.N. hit all round the wicket in prefect style. He has, with little effort, risen to the top-most men, and they are few, assembled in New York from all over the world. His speeches were always appreciated. His ability, clarity of thought and simplicity of expression have gained for him and for Pakistan a host of friends. He is one of our able men and an asset. I have no doubt that you will utilize his ability fully. His stock stands high in the international market not through any boosting on anyone's part but purely on intrinsic worth and merit.

Very sincerely yours,
Hassan

(نیز دیکھیے صفحہ ۲۷۰)

* * * * * * * * *

باب نمبر ۴

علامہ اقبال اور انگریز حکمران

اطاعت و وفاداری کی کہانی

برصغیر پاک و ہند کے بیشتر مسلم قائدین کا انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری کے بارے میں کیا طرز فکر و عمل تھا؟ مصنف زندہ رود کی تحقیق یہ ہے کہ :۔

"۔ ۱۹۱۱ء تک برصغیر کے بیشتر مسلم قائدین ' سرسید احمد خاں کے بتائے ہوئے رستہ پر چلتے ہوئے انگریزی حکومت سے وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ ۱۔

اگر یہ سوال ہو کہ سرسید کا بتایا ہوا رستہ کیا تھا؟ تو گذارش ہے کہ سرسید سیاسی اور شرعی ہر دو لحاظ سے انگریزی حکومت کی وفاداری کو جزو ایمان سمجھتے تھے۔

مصنف زندہ رود کی تحقیق کے مطابق :۔

"۔ سرسید مسلمانوں کی انگریز حاکموں کے خلاف محاذ آرائی کے مخالف تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان حکومت کے ساتھ وفاداری کا دم بھریں۔ ۲"۔

سرسید کا رستہ۔ سرسید کی زبانی

سرسید نے انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری کے ضمن میں مسلمانوں کے لئے جو رستہ متعین کیا۔ اس کی جھلک ہمیں سرسید کے متعدد بیانات اور تصانیف میں ملتی ہے۔ دو بیانات ملاحظہ ہو۔

جماعت احمدیہ کا قیام ۱۸۸۹ء میں عمل میں آیا تھا۔ سرسید احمد خاں جماعت کے قیام سے ۵ سال پیشتر ۱۸۸۴ء میں مسٹر بلنٹ (ممبر پارلیمنٹ انگلستان) کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے اپنے ایڈریس میں فرماتے ہیں۔

"۔ ہم کو نہایت خوشی ہے کہ آپ (مسٹر بلنٹ ۔ ناقل) نے ہمارے ملک کو دیکھا ۔ ہماری قوم کے مختلف گروہوں سے ملے ۔ ہم کو امید ہے کہ آپ نے ہر جگہ ہماری قوم کو تاج برطانیہ کا لائل (وفادار ۔ ناقل) اور کوئین وکٹوریہ ایمپریس انڈیا کا دلی خیر خواہ پایا ہو گا ..... وہ زمانہ جس میں انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم ہوئی ایسا زمانہ تھا کہ بے چاری انڈیا بیوہ ہو چکی تھی اور اسے ایک شوہر کی ضرورت تھی اس لئے خود (اس نے) انگلش نیشن کو اپنا شوہر بنانا پسند کیا تاکہ گاسپل کے عہد نامہ کے مطابق وہ دونوں مل کر ایک تن ہوں ۔ ..... انگلش نیشن ہمارے مفتوحہ ملک میں آئی مگر مثل ایک دوست کے نہ بطور ایک دشمن کے ... ہماری خواہش ہے کہ ہندوستان میں انگلش حکومت صرف ایک زمانہ دراز تک ہی نہیں بلکہ اٹرنل (دائمی ۔ ناقل) رہے ہماری یہ خواہش انگلش قوم کے لئے نہیں بلکہ خود اپنے ملک کے لئے ہے ۔ "۳۔

اسی سال سرسید نے پنجاب تشریف لا کر متعدد اجتماعات سے خطاب فرمایا اور ان خطابات میں انگریزی حکومت سے وفاداری کے بارہ میں بھی شرعی پہلو واضح کیا ۔ نمونتہ " ملاحظہ ہو ۔ اہالیان جالندھر کے ایڈریس کے جواب میں فرماتے ہیں :۔

سرسید کا شرعی نظریہ

"۔ میں نے گورنمنٹ کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ جو کچھ میں نے کیا ہے وہ میں نے اپنے پاک مذہب اور سچے ہادیؐ کے حکم کی تعمیل کی ہے ۔ ہمارے سچے ہادیؐ نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ تم جس گورنمنٹ کے امن میں ہو ۔ اس کی اطاعت کرو ۔ اس کے خیر خواہ اور وفادار رہو ۔ پس جو کچھ کہ گورنمنٹ کی خدمت مجھ سے ہوئی ہے ۔ وہ حقیقت میں میرے مذہب کی خدمت تھی ۔ آپ نے سنا ہو گا کہ ہمارے پیشواؐ نے کیا کہا تھا ۔ اس نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ حاکم وقت ' بادشاہ وقت کی اطاعت کرو ۔ ولوکان حبشیا

پس آپ خیال کیجئے کہ جب ہم کو ایک کالے منہ کے غلام بادشاہ کی اطاعت کی ہدایت کی گئی ہے تو ہم ان گورے منہ والے حاکموں کی اطاعت سے کیوں منہ پھیریں ۔ "۴۔

سرسید اور " بیشتر مسلم قائدین " کے نظریہ کے بعد آیئے عامتہ المسلمین کی روش پر نظر ڈالیں

اہل اسلام میں
بھی دس کروڑ سے زیادہ شہنشاہ جارج کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں
یہ تعداد مسلمانوں کی ترکی ، ایران و افغانستان کی تین سب سے بڑی
مسلمان حکومتوں کے باشندوں سے بڑھی ہوئی ہے اور اسی بناء
پر برٹش ایمپائر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کہلاتی ہے ۔

عامتہ المسلمین کا نظریہ

پیسہ اخبار عامتہ المسلمین کی وفاداری کے متعلق لکھتا ہے :۔

"۔ اہل اسلام دس کروڑ سے زیادہ شہنشاہ جارج کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں ۔ یہ تعداد مسلمانوں کی ' ترکی ' ایران ' افغانستان کی تین سب سے بڑی مسلمان حکومتوں کے باشندوں سے بڑھی ہوئی ہے اور اسی بناء پر برٹش ایمپائر ' دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کہلاتی ہے ۔ " ۵۔

گویا " بیشتر مسلم قائدین " اور دس کروڑ اہل اسلام نہ صرف حضرت بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۱۹۰۸ء) کی زندگی میں بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرتے تھے یا دوسرے لفظوں ان کے خلاف جہاد کے شدید مخالف تھے ۔

گذشتہ نصف صدی سے ہمارے مصنفین ' مورخین اور صحافی حضرات یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد ہمارے سربر آوردہ حضرات اور قابل ذکر جماعتیں اور انجمنیں ' انگریزی حکومت سے برسرپیکار رہیں اور وہ برٹش گورنمنٹ کے خلاف جہاد کے جذبے سے سرشار تھیں ۔

مصنف زندہ رود نے غیر جانبدارانہ طرز فکر اختیار کرتے ہوئے اس نظریہ کی تائید کرنے کی بجائے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ کم از کم ۱۹۱۱ء تک ایسا نہیں تھا بلکہ مسلم قائدین انگریزوں کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرتے تھے ۔ مصنف کی تحقیق کے مطابق ۱۹۱۱ء کے بعد حالات نے پلٹا کھایا ۔ فرماتے ہیں :۔

"۔ ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیانی عرصہ میں بعض ایسے حالات پیدا ہوئے کہ (اطاعت و

وفاداری کے۔ ناقل) اس انداز فکر میں تبدیلی آگئی۔"[6]

لیکن ماضی کی یہ کہانی تشنہ رہے گی اگر اس امر کا جائزہ نہ لیا جائے کہ کیا ۱۹۱۱ء تک اطاعت و وفاداری کا دم بھرنے والے قائدین میں علامہ اقبال بھی شامل تھے یا آپ اپنا علیحدہ کیمپ لگا کر انگریز حاکموں، بیشتر مسلم قائدین اور دس کروڑ عامتہ المسلمین کے خلاف سیفی جہاد کا فریضہ سرانجام دے رہے تھے۔ یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ اگر آپ ۱۹۱۱ء تک برطانوی حکمرانوں کے خیر خواہ اور ثناخواں تھے تو کیا ۱۹۱۱ء کے بعد آپ کے انداز فکر میں کوئی تبدیلی آئی یا آپ بدستور وفاداروں اور عقیدت مندوں کی صف میں ہی شامل رہے۔

اس ضمن میں ہمیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں۔ علامہ اقبال کا منظوم و منشور کلام خود ہماری رہنمائی کر رہا ہے۔ مصنف زندہ رود فرماتے ہیں۔

"اقبال، سرسید کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔"[7]

اقبال کا تعلق سرسید کے سیاسی مکتبہ فکر سے تھا۔ وہ کلمہ حق کہنے سے باز نہ رہ سکتے تھے۔[8]

۱۹۰۱ء تا ۱۹۳۵ء کا ۳۵ سالہ ریکارڈ

آیئے! دیکھتے ہیں، سرسید کے رستہ پر چلتے ہوئے، علامہ اقبال کا ۱۹۱۱ء تک اور ۱۹۱۱ء کے بعد کیا طرز فکر و عمل تھا؟ ہم ذیل میں ۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۵ء تک کے ۳۵ سالہ ریکارڈ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ عرصہ آزادی کی تحریکوں کے شروع ہونے سے پہلے اور بعد کے ہر دو ادوار کا احاطہ کرتا ہے۔ اس ۳۵ سالہ دور میں علامہ کے کلمہ حق کہنے کی جو مثالیں راقم کو مل سکی ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

۱۹۰۱ء

۲۲ر جنوری ۱۹۰۱ء عید الفطر کے روز، برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ کی وفات ہوئی۔ علامہ نے اس موقع پر ۱۱۰ اشعار کا پردرد مرثیہ رقم فرمایا۔ علامہ کا کہنا تھا کہ ملکہ کی وفات کا غم "ہلال عید" سمیت سب پر لازم ہے۔ اگر ہلال عید، عید کی تقریب کی وجہ سے خوشی کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تو وہ یاد رکھے کہ یہ موقعہ مسلمانوں کے لئے اتنا غمناک ہے کہ غم کی صبح اس پر قرآن پاک کی سورہ والحشر پڑھ کر دم کرے گی تا اسے اس بیماری سے نجات دلا دے۔[9]

علامہ، ہلال عید سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:۔

بیمارئ نشاط اگر ہے تو صبح غم ۔۔۔ پڑھ کر کرے گی سورہ والحشر دم تجھے

عید کی مناسبت سے علامہ نے عید کے بالمقابل "محرّم" کا لفظ استعمال کیا اور کہا کہ ہم مسلمانوں پر یہ واقعہ "محرّم" کے اندوہناک سانحہ سے مختلف نہیں۔

آئی اِدھر نشاط، اُدھر غم بھی آگیا ۔۔۔ کل عید تھی تو آج محرّم بھی آگیا۔

۱۱۰ اشعار کے اس مرثیہ کے چوتھے بند میں علامہ نے ایک نیک حاکم کے اوصاف و خصائص بیان کئے ہیں اور کہا ہے کہ اس کی ہر بات ایسی پاکیزہ ہونی چاہئے گویا وہ جبریل امین کی صدا ہو۔۔ وہ معاملات کا فیصلہ ایسے رنگ میں کرے گویا تقدیر کی مراد وہی ہو۔۔۔ مرثیہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال کے نزدیک یہ سب اوصاف و خصائص ملکہ میں بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔ علامہ نے ملکہ کے لئے شہید کا لفظ تو استعمال نہیں کیا لیکن فرماتے ہیں۔

وکٹوریہ نہ مرد کہ نام نکو گذاشت ۔۔۔ ہے زندگی یہی جسے پروردگار دے

علامہ کے نزدیک انگریز ملکہ کو مرا ہوا نہیں سمجھنا چاہئے۔ وہ ہزارہا صدیاں گزرنے کے باوجود زندہ رہے گی۔ اس کا تخت دلوں کی اقلیم پر آراستہ ہے۔

انہی اوصاف حمیدہ کی وجہ سے علامہ اس انگریز حکمران کو "سایۂ خدا" قرار دیتے ہیں۔ اس کی وفات پر فرماتے ہیں:۔

اے ہند تیرے سر سے اٹھا "سایہ خدا"

یہ پرسوز اور دردناک مرثیہ لکھ کر علامہ نے انگریز حاکموں کی نگاہ میں اپنے لئے ایک مقام رفیع پیدا کر لیا تھا۔ انہیں یہ مرثیہ اتنا پسند آیا کہ اسے۔۔ "سرکاری خرچ پر طبع کرایا گیا۔"[10] علامہ نے اس کے انگریزی ترجمہ کی سعادت بھی خود حاصل کی اور مرثیہ کا عنوان رکھا Blood Tears of۔[11] اقبال اکادمی پاکستان کے رسالہ "اقبالیات" کے مطابق۔ "گورنمنٹ نے اس کی کئی ہزار کاپیاں اپنی طرف سے مختلف زبانوں میں چھپوائیں۔"[12] اس طرح علامہ کا یہ عقیدہ کہ انگریز ملکہ "سایۂ خدا" ہے، ملک کے سب اطراف میں پھیل گیا۔

۱۹۰۲ء۔

۱۹۰۱ء کے بعد ہم ۱۹۰۲ء کے دور میں داخل ہوتے ہیں۔ انگریز گورنر پنجاب کے انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں آمد کے موقع پر علامہ، انگریز کی اطاعت کے بارے میں فرماتے ہیں

وہ کون زیب دہ تخت صوبہ پنجاب   کہ جس کے ہاتھ نے کی قصر عدل کی تعمیر
جو بزم اپنی ہے طاعت کے رنگ میں رنگین   تو درسگاہ رموز وفا کی ہے تفسیر
اسی اصول کو ہم کیمیا سمجھتے ہیں   نہیں ہے غیر اطاعت جہان میں اکسیر ۱۳۔

۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۸ء

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک کا عرصہ علامہ نے انگلستان میں گزارا۔

۱۹۰۹ء

۱۹۰۹ء میں علامہ کشمیری مسلمانوں کی انجمن کے سیکرٹری تھے۔ آپ نے انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ آنریبل خواجہ محمد سلیم اللہ خاں نواب ڈھاکہ کو (۵ فروری ۱۹۰۹ء کو) لارڈ کچز کمانڈر انچیف افواج ہند نے بتایا کہ

۔ کشمیری مسلمانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے علامہ نے کشمیریوں کو یہ امر بھی بتایا کہ۔ "ہم فوج میں کشمیری مسلمانوں کی علیحدہ کمپنی کے لئے کوشاں ہیں" ۱۴سہ

۱۹۰۹ء میں ہی (قیاساً "جون میں) آپ نے ایک سرکلر کے ذریعہ کشمیری مسلمانوں سے درخواست کی کہ ارسال کردہ فارموں پر صراحت و وضاحت کے ساتھ اپنے کشمیری بھائیوں کی۔ مردانگی، جانثاری اور فوجی خدمات کا ذکر کر کے دفتر میں بھوائیں تا نواب صاحب ڈھاکہ کی وساطت سے "کشمیری بہادروں" کی فہرست کمانڈر انچیف کو بھجوائی جا سکے۔۱۵۔

۱۹۱۰ء

ا۔ ۱۹۱۰ء میں انگریز حاکموں کی تعریف و توصیف اور انگریزی حکومت کی برکات پر مشتمل "رحمت علی" صاحب کا ایک شعری مجموعہ بنام "وفائے رحمت" منظر عام پر آیا۔ اس مجموعہ میں قریباً بارہ ہزار اشعار ہیں جن میں خصوصاً مسلمانوں کو طبعی، اخلاقی اور شرعی لحاظ سے انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جن ہستیوں نے اس شعری مجموعہ میں اصلاح و معاونت کی۔ ان میں علامہ اقبال بھی شامل ہیں۔

علامہ چونکہ اس سے قبل انگریز ملکہ کو "سایہ خدا" قرار دے چکے تھے۔ مصنف "وفائے

رحمت" اور علامہ کے نظریات میں ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ اس لئے مصنف نے کتاب کے ٹائٹل پیج پر علامہ کو۔۔ "خیر خواہ سرکار والا تبار"۔ میں شامل کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"۔ (اس شعری مجموعے کی تیاری میں۔ ناقل) جن بزرگان، اصحاب، خیر خواہان سرکار والا تبار" کا علمی و ادبی معاونت کے لئے تہ دل سے شکریہ ہے۔ ان میں دوسری عظیم ہستی فخر قوم جناب ڈاکٹر پروفیسر شیخ محمد اقبال ہیں۔

اقبال کی طرف سے پیش کردہ الہامی سند

۲۔ جناب علی گوہر صاحب سیکرٹری انجمن اسلامیہ ہزارہ نے پیسہ اخبار کے ذریعہ بعض نامی مسلم زعماء سے استفسار کیا کہ مصر میں ایک عالمگیر اسلامی کانفرنس کا انعقاد اور اس میں مسلمانان ہند کی شرکت مناسب ہے یا نہیں؟ علامہ اقبال نے ۲۲ر اگست ۱۹۱۰ء کے پیسہ اخبار میں اس

روزانہ پیسہ اخبار لاہور

ہندوستان کے
مسلمان شاید اور اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکتے کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب جو امن اور آزادی ان لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے

مسلمانان عالم کی ...
میں کوئی ایسی تحریک علانیہ طور پر نہیں ہے۔ جس کا منشا یورپ سے پولیٹیکل مقابلہ کرنا ہو۔ نہ ایسا خیال ایک ایسی قوم میں پیدا ہو سکتا ہے مسلمانوں کو کلام الٰہی میں امن اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ پوشیدہ طور پر مشورہ کرنے کی بھی ممانعت ہے

اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ؏

(ڈاکٹر شیخ محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لاء لاہور)

موضوع پر اظہار خیال فرمایا اور کانفرنس میں شرکت سے احتراز کی صلاح دی۔ لکھتے ہیں:۔

"...... جب تک ہم کو یقین نہ ہو جائے کہ کسی بد نتیجہ کے پیدا ہونے کا احتمال نہیں ہے۔ تب تک کوئی عملی کام کرنا (یعنی کانفرنس کا انعقاد اور اس میں حصہ لینا۔ ناقل) شاید مناسب

نہ ہو گا ۔ ہندوستان کے مسلمان شاید اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکتے ۔ کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب جو امن اور آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے ..... مسلمانان عالم کے کسی ملک میں کوئی ایسی تحریک عام طور پر نہیں ہے جس کا منشا یورپ سے پولیٹکل مقابلہ کرنا ہو نہ ایسا خیال ایک ایسی قوم میں پیدا ہو سکتا ہے ۔۔۔ مسلمانوں کو کلام الٰہی میں امن اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ پوشیدہ طور پر مشورہ کرنے کی بھی ممانعت ہے ۔ **اذ تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان** ۱۶ ۔

آپ کا نیاز مند

محمد اقبال ۔ بیرسٹر ایٹ لاء ۔ لاہور

مندرجہ بالا آیت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو :۔

یاایھا الذین امنوا اذ تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول وتناجوا بالبر والتقوی (المجادلہ ۵۸:۹)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ۔ جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں نہیں بلکہ نیکی اور تقوی کی باتیں کرو ۱۷ ۔

۱۹۱۱ء

۱ ۔ **انگریز بادشاہ کی تاجپوشی** ۔ ۱۹۱۱ء میں ہمیں علامہ کی انگریز حکمرانوں کی بارگاہ میں جانثاری کا منظر یوں نظر آتا ہے ۔۔۔ انگریز بادشاہ کی تاجپوشی کے موقعہ پر فرماتے ہیں ۔

ہمائے اوج سعادت ہو آشکار اپنا — کہ تاجپوش ہوا آج تاجدار اپنا

اسی سے عہد وفا ' ہندیوں نے باندھا ہے — اسی کے خاک قدم پر ہے دل نثار اپنا ۱۸ ۔

۲ ۔ ہم پیسہ اخبار لاہور کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ ۔ اہل اسلام دس کروڑ سے زیادہ شہنشاہ جارج کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں ۱۹ ۔ اس ضمن میں عامتہ المسلمین کے خلوص و عقیدت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے برطانوی شاہ کا جشن تاجپوشی منانے کے لئے سب سے موزوں جگہ " خانہ خدا " کو قرار دیا ۔ انگریز بادشاہ کے " کارونیشن ڈے " کی اہمیت کے پیش نظر " شاہی مسجد " لاہور کے انتخاب کا فیصلہ ہوا ۔ تاجپوشی کی رسوم ادا کرنے کے لئے جو اعلان شائع ہوا ۔ اس کا عنوان تھا ۔ لاہور میں کارونیشن ڈے کی اسلامی رسوم

لاہور میں کارونیشن ڈے کی اسلامی مراسم

گنتے گنتے آخرش آ ہی گیا ۔ دن گنا کرتے تھے جس دن کے لئے ۔۔۔ کے مصداق آخر ۲۲ جون ۱۹۱۱ء کا دن آن پہنچا جس کا علامہ اقبال سمیت تمام مسلمانوں کو انتظار تھا ۔ علامہ کارونیشن ڈے کی اسلامی مراسم کے سلسلہ میں بادشاہی مسجد پہنچے جہاں علماء کرام نے مسلمانوں کو بتایا کہ ازروئے قرآن و حدیث ان کے عیسائیوں کے ساتھ کیسے مخلصانہ تعلقات ہونے چاہئیں ۔

پیسہ اخبار لاہور کے مطابق

" ..... خان محمد بشیر علی خاں جنرل سیکرٹری انجمن اسلامیہ نے اپنی تقریر میں بتایا کہ کس طرح سکھوں کے عہد میں ۔

" یہی شاہی مسجد کہ جس میں اس وقت یہ جلسہ ہو رہا ہے بطور اصطبل میگزین استعمال ہوتی تھی مگر اب انگریزی حکومت میں وہ مسلمانوں کو عبادت کے لئے واپس مل گئی ہے ..... منشی محبوب عالم صاحب جائنٹ سیکرٹری مسلم لیگ و سیکرٹری جلسہ ہذا نے ... کہا ... بے شک ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن میں جمیع علوم موجود ہیں ۔ فرماں برداری ۔ دنیا میں فساد نہ کرنا وغیرہ احکام اگر پالیٹکس نہیں تو اور کیا ہیں ؟ حدیث میں تاکید ہے کہ تمہارا بادشاہ اگر حبشی غلام بھی ہو تو بھی اس کی تابعداری کرو ۔ اس کے بعد (مقرر نے ۔ ناقل) حضور ملک معظم کی عظمت و جبروت اور انگلستان کی سب سے بڑی " اسلامی سلطنت " ہونے کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ مسلمانانِ ہند بمقابلہ دیگر اسلامی ممالک کے مسلمانوں کے ' (یہاں) کس قدر امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں ۔

علامہ کی تائیدی تقریر

زاں بعد علامہ اقبال نے انگریز بادشاہت کے حق میں جو تائیدی تقریر کی اس کا خلاصہ درج کرتے ہوئے پیسہ اخبار لکھتا ہے :۔

" ۔ پھر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹر نے افریقہ کا ایک قصہ بیان کر کے اس (یعنی مقررین کی طرف سے قرآنی تعلیم اور حدیث کی تاکید بابت تابعداری بادشاہ وقت ۔ ناقل) کی تائید کی (اور کہا کہ ۔ ناقل) ایک انگریز افسر نے وہاں کے وحشی باشندوں کو مہذب

بنانے کے لئے ان میں اسلامی واعظ بھیجنے کی ہدایت کی کہ مسلمان نہ صرف مراعات

شاعر مشرق علامہ اقبال ۱۹۱۱ء میں شاہی مسجد لاہور کے ایک بڑے اجتماع میں طرابلس کے شہیدوں پر اپنی نظم سنا رہے ہیں۔---
--- اسی سال اسی مسجد میں آپ نے انگریزی
حکومت کی وفاداری کی تلقین کی اور فرمایا کہ " مسلمان مذہباً " بھی بادشاہ وقت کے وفادار ہوتے ہیں "

اقبال کی شاہی مسجد میں تقریر
کا خلاصہ 'پیسہ اخبار - لاہور

کارونیشن ڈے

ہدا انہی کرے۔ اسکے بعد حضور ملک معظم کی عظمت و
انگلستان کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ہونے کا
بوجہ بتلایا کہ مسلمانان ہندوستان بمقابلہ دیگر
ممالک کے مسلمانوں کے کس قدر امن و امان کی زندگی
میں۔ پھر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹر نے افریقہ کا
بیان کرکے اسکی تائید کی ایک انگریز افسر نے وہاں
کے باشندوں کو مہذب بنانے کے لئے ان میں اسلامی

پیسہ اخبار
۲

واعظ بھیجنے کی ہدایت کی۔ کہ مسلمان نہ صرف مراعات حا
کرنے کے لئے سرکار کے وفادار ہیں۔ بلکہ مذہباً وہ بادشاہ
کے وفادار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کا آئیڈیل سلطنت نہیں بلکہ
اپنے دین کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے اور حکومت انگریزی
میں اسکی اجازت ہے۔ اسکے بعد پھر شیخ امیر علی صاحب

حاصل کرنے کے لئے سرکار کے وفادار ہیں بلکہ مذہباً وہ بادشاہِ وقت کے وفادار ہوتے ہیں ۔ مسلمانوں کا آئیڈیل ' سلطنت نہیں بلکہ اپنے دین کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے اور حکومت انگریزی میں اس کی اجازت ہے ۔" ...۲۰

مصنف زندہ رود کے مطابق ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۴ء کے درمیانی عرصہ میں بعض ایسے حالات پیدا ہوئے کہ انگریزی حکومت کی وفاداری کے متعلق کچھ قائدین کے انداز فکر میں تبدیلی آگئی ۔۲۱

۲۱

راقم عرض کرتا ہے علامہ اقبال ' اس تبدیلی سے متاثر دکھائی نہیں دیتے وہ برابر سرسید کے بتائے ہوئے رستہ پر بڑی استقامت کے ساتھ گامزن نظر آتے ہیں ۔

۱۹۱۵ء

قرآنی آیت کریمہ افتنلجیتم... (المجادلہ ۵۸-۹) کے حوالے سے علامہ کا ۱۹۱۰ء میں بیان کردہ عقیدہ ۱۹۱۵ء کے پیسہ اخبار میں دوبارہ شائع ہوا کہ ۔" مسلمانوں کو کلام الٰہی میں امن اور صلح کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ (امن و آزادی دینے والی حکومت کے خلاف ۔ ناقل) --- پوشیدہ طور پر مشورہ کرنے کی بھی ممانعت ہے ۔" اور یہ کہ ۔" حکومت برطانیہ کے سبب جو امن اور آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے ۔" ۲۲

۱۹۱۸ء

اب ہم ۱۹۱۸ء کے دور میں داخل ہوتے ہیں جبکہ تحریک احمدیہ کے بانی کی وفات پر دس سال کا عرصہ بیت چکا ہے ۔

اس دور میں بھی علامہ اقبال ہمیں ان علماء زعماء کے زبردست مئوید نظر آتے ہیں جن کے نزدیک سرکار برطانیہ کی اطاعت و وفاشعاری ' شرعی بنیادوں پر ضروری تھی ۔

آیئے ! لاہور کے ٹاؤن ہال میں چلتے ہیں ۔ یہاں برطانیہ کے مصارف جنگ کے لئے روپیہ جمع کرنے اور فوجی بھرتی کے سلسلہ میں عظیم الشان جلسہ ہو رہا ہے ۔ جلسہ میں علامہ اقبال سمیت ' مسلم و غیر مسلم سرکاری ' غیر سرکاری عمائدین تمام اضلاع سے حاضر ہیں ۔ صدارت کے فرائض گورنر پنجاب سر مائیکل اوڈوائر ادا کر رہے ہیں ۔

مولوی رحیم بخش (پریذیڈنٹ کونسل بہاولپور) نے جلسہ میں مسلمانوں کے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا:-

"- ہمارے عقیدہ میں شہنشاہ "ظل اللہ" ہے - اس کے حکم کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھنا چاہئے.... اسلام کی نیشنلٹی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے - اسلام کی برادری سب مسلمانوں کو بھائی سمجھتی ہے - ۲۳ ؎

یہ نظریہ کہ انگریز بادشاہ "ظل اللہ" ہے - دراصل وہی نظریہ تھا جس کا اعلان ' علامہ اقبال کچھ عرصہ قبل انگریز ملکہ کو "سایۂ خدا" کہہ کر ' کر چکے تھے - اور جس کی حکومت برطانیہ کے واسطے سے برصغیر کی مختلف زبانوں میں تشہیر ہو چکی تھی - اس دربار میں مولوی رحیم بخش صاحب (بہاولپور) نے مسلمانوں کے عقیدہ کی تائید میں مولانا رشید احمد گنگوہی کا شرعی فتویٰ پڑھ کر سنایا - جس میں کہا گیا تھا -

☆ "جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ملک حبشہ میں جو مقبوضہ نصاریٰ تھا - بھیج دیا اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ وہ کسی کے مذہب میں دست اندازی نہیں کرتے تھے -"

☆ اور جب مسلمان رعایا بن کر ہندوستان میں رہے اور حکام سے عہد و پیان کر چکے کہ کسی حاکم یا رعایا و حکام کے جان و مال میں دست اندازی نہیں کریں گے اور کوئی امر خلاف اطاعت نہ کریں گے تو مسلمانوں کو خلاف عہد و پیان کرنا یا کسی قسم کی خیانت و مخالف حکام کرنا - ہرگز درست نہیں - عہد کے پورا کرنے کی مسلمانوں کے مذہب میں اس قدر تاکید ہے کہ شاید ہی دوسرے مذہب میں ہو **قل اللہ تعلی واولو بلعهد ان العهد كان مسئولا** - میں بروز قیامت بازپرس ہو گی - عہد شکنی کی سخت ممانعت ہے اور کسی سے عہد کر کے اس کے خلاف کرنے پر بہت دھمکی دی گئی ہے -" ۲۴ ؎

دو لاکھ رنگروٹوں کی بھرتی

جنگ عظیم زوروں پر تھی - انگریز ' خاص طور پر پنجاب کے شیر دل جوان ' فوج میں بھرتی کرنا چاہتا تھا -- اس دربار یا جلسہ کی سب سے اہم غرض وہ ریزولیوشن پاس کرنا تھی - جو پنجاب سے دو لاکھ رنگروٹ بھرتی کرنے کے بارے میں پیش ہونے والا تھا - اس کاروائی سے

تراشہ پیسہ اخبار - لاہور

شیخ محمد اقبال نے سلطنت برطانیہ کے اوصاف کی تعریف کر کے کہا - کہ یہ اصول انصاف اس وقت خطرہ میں ہے - اور اس اصول کا تحفظ اگر ہندوستانی ہو یا اجنبی محض انسانی نکتہ نگاہ سے اس کا تحفظ ہمارے لئے بہت ضروری ہو جاتا ہے - کوئی قوم عظمت کی بلندیوں پر نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کرے - لاٹ صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے پنجاب کی آواز ملک معظم کی خدمت میں منظوم کی ہے - اس پر اپنی نظم سنائی جس کا پہلا بند یہ ہے -

اے تاجدار خطۂ جنت نشان ہند
روشن تجلیوں سے ترے خاوران ہند
محکم ترے قلم سے نظام جہان ہند
تیغ جگر شگاف تری پاسبان ہند
ہنگامۂ وغا میں مرا سر قبول ہو

اور جیسا کہ دستور ہے نظم پر خوب تالیاں بجیں - اس کے بعد ہز آنر نے ریزولیوشن کو حاضرین کے سامنے پیش کیا - جو بالاتفاق منظور ہوا

دوسرا ریزولیوشن میجر ملک سر عمر حیات خان صاحب نے حسب ذیل ریزولیوشن پیش کیا:-

(۲) اس جلسہ کی رائے ہے کہ

(الف) اس سال میں جو یکم اپریل ۱۹۱۸ء سے شروع ہوتا ہے - پنجاب دو لاکھ رنگروٹ بہم پہنچائے - جن میں

قبل ایک تو شرعی فتویٰ پڑھ کر سنایا گیا۔ بقول اقبال ' " مسلمان عوام ' کو جن میں مذہبی جذبہ بہت شدید ہوتا ہے ۔ صرف ایک ہی چیز قطعی طور پر متاثر کر سکتی ہے اور وہ ۔ " ربانی سند " ہے ا ۔ چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتویٰ کے ذریعہ ربانی سند مہیا کر دی گئی ۔۔۔ اسی ضمن میں کسی ایسے شاعر کی بھی ضرورت تھی جو مبنی براخلاص ' پردرد اور پراثر نظم پیش کر کے پنجاب کے عوام میں بھرتی کے لئے جوش و خروش پیدا کر دے ۔ یہ ضرورت علامہ اقبال نے اپنی نظم ۔ " پنجاب کا جواب " پیش کر کے پوری کر دی ۔ [۲۵]

علامہ کی تقریر

علامہ نے نظم سنانے سے قبل جو تقریر کی ۔ اس کا خلاصہ پیسہ اخبار میں یوں درج ہے :۔

" شیخ محمد اقبال نے سلطنت برطانیہ کے اوصاف کی تعریف کر کے کہا کہ اس اصول کا تحفظ اگر ہندوستانی ہو یا اجنبی محض انسانی نکتہ نگاہ سے اس کا تحفظ ہمارے لئے بہت ضروری ہو جاتا ہے ۔ کوئی قوم عظمت کی بلندیوں پر نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کرے ۔ "[۲]

شاہ انگلستان کا پیغام دو امور کا متقاضی تھا ۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان لائلٹی (وفاداری) کا پرخلوص اور بے غرض اظہار کرے ۔ دوسرے یہ کہ جنگ کے لئے یہ ملک خاص طور پر پنجاب ' کثرت سے فوجی بھرتی دے ۔ علامہ نے دربار میں جو منظوم کلام پیش کیا ۔ اس میں یہی دو امور نمایاں تھے ۔ ایک یہ کہ ہم بالکل بے لوث اور بے غرض ہو کر اپنی لائلٹی (وفاداری) کا اظہار کرتے ہیں ۔ ا ۔ اور دوسرے یہ کہ اس ہنگامہ میں ہمارے سروں کے نذرانے حاضر ہیں ۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

علامہ کی طرف سے لائلٹی کا پرخلوص اظہار

اخلاص ' بے غرض ہے ۔ صداقت بھی بے غرض
خدمت بھی بے غرض ہے اطاعت بھی بے غرض
عہدِ وفا و مہر و محبت بھی بے غرض
تختِ شہنشہی سے عقیدت بھی بے غرض
ہنگامۂ وغا میں مرا سر قبول ہو

اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو

آخری بند میں علامہ نے اس دلی تمنا کا اظہار کیا تھا کہ یا باری تعالیٰ! عدل و انصاف قائم کرنے والی اور امن و سکون عطا کرنے والی اس انگریز گورنمنٹ کا سایہ دائمی طور پر ہمارے سروں پر قائم رکھنا ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔

جب تک چمن کی جلوہء گل پر اساس ہے
جب تک فروغ لالہء احمر لباس ہے
جب تک نسیم صبح ' عنادل کو راس ہے
جب تک کلی کو قطرہء شبنم کی پیاس ہے
قائم رہے حکومت آئیں اسی طرح
دبتا رہے چکور سے شاہیں اسی طرح
(سرود رفتہ)

انگریز گورنر سر مائیکل اوڈوائر کا اعتراف

اقبال سمیت دیگر عمائدین اور انجمنوں کی کاوشیں رنگ لائیں ۔ مسلمانان پنجاب نے لائلٹی کا پرخلوص اظہار کیا ۔ اور اس کثرت سے فوجی بھرتی دی کہ (انگریز گورنر) سر مائیکل اوڈوائر نے بعد میں حیرت و انبساط کے ملے جلے جذبات سے اعتراف کیا :۔

"The Punjab Mohammedans went to fight in Mesopotamia' Palstine and Egypt in a spirit of Loyal duty."

کہ " پنجاب کے مسلمان عراق ۔ عرب ۔ فلسطین اور مصر میں لائل ڈیوٹی (وفادارانہ فرض) کے جذبہ سے لڑنے کے لئے پہنچے ۔ " [۲۶]

مسلمانوں کی طرف سے کثرت سے فوجی بھرتی دینے کے متعلق گورنر نے بعض حقائق کا انکشاف کرتے ہوئے اپنی کتاب میں لکھا :۔

" ۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پنجاب کی نصف سے زیادہ آبادی ' مسلمان ہے اور جن لوگوں کو دیہاتی مسلمانوں کا صرف سطحی علم تھا ۔ وہ خیال کرتے تھے کہ ایسی جنگ کے لئے جو

پیغامات تعزیت

پر وفات حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خاں

جلالتہ الملک شاہ حسین ۔ شاہ اردن

" مجھے اپنے پیارے دوست سر ظفراللہ خاں کی وفات کی خبر سن کر گہرا صدمہ پہنچا ہے ۔ آپ کو " عالم انسانیت " کی خدمت ۔ دنیا بھر کے عوام کے جائز اور اصولی موقف کی تائید ' خصوصاً فلسطینیوں کے بارے میں عظیم خدمات کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا ۔ یقیناً وہ عرب مفادات کی تائید کے چیمپئن تھے ۔ .....

شام کے صدر حافظ الاسد

" ۔ میں اس وفات یافتہ عظیم شخصیت کے تمام خاندان کے افراد کی خدمت میں غم سے چھلکتے ہوئے جذبات تعزیت پیش کرتا ہوں ۔ جس کی وفات تمام امت مسلمہ کے لئے ایک عظیم ترین نقصان کی حیثیت رکھتی ہے اور خاص طور پر شام کے ملک کے لئے یہ صدمہ انتہائی شدید ہے ..... قضیہ فلسطین کے دفاع کے لئے مرحوم عظیم شخصیت نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ وقف کئے رکھا ۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو ... اپنی فراخ جنتوں میں مقام عطا فرمائے ۔ "

مصر کے صدر حسنی مبارک

" ۔ میں نے محمد ظفراللہ خاں صاحب کی وفات کی المناک خبر گہرے دکھ اور غم سے سنی ۔ انہوں نے اپنی زندگی اپنے ملک اور عوام کی خدمت کے لئے وقف رکھی ۔ مرحوم کے خاندان سے تعزیت اور گہری ہمدردی کے جذبات عرض کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو ابدی سکون سے نوازے اور آپ سب کا حامی و ناصر ہو ۔ "

لیبیا کے صدر جناب معمر القذافی

" ۔ ہم برادر کرنل معمر قذافی کی طرف سے سر ظفراللہ خاں کی المناک وفات پر دلی تعزیت کا پیغام پہنچاتے ہیں ۔ بلاشک وشبہ وہ عربوں کی زبردست تائید و حمایت اور متعدد دیگر بین الاقوامی معاملات پر مضبوط اور مستحکم موقف اختیار کرنے کی وجہ سے زبردست تعریف کے مستحق ہیں ۔

گہرے مخلصانہ جذبات کے ساتھ ۔ فراج آئی ناس ۔ محکمہ ثقافت

ترکوں کے خلاف تھی اور جو مصر ' فلسطین اور عراق جیسے اسلامی ممالک میں جہاں کہ اسلامی مقدس مقامات ہیں ۔ لڑی جا رہی ہے ۔ مسلمان بھرتی نہیں ہوں گے ..... لیکن یہ سب مایوسانہ خیالات باطل ثابت ہوئے ۔ جنگ کی ابتدا میں صرف ایک لاکھ پنجابی سپاہی تھا لیکن جنگ کے خاتمہ تک پانچ لاکھ فوجی خدمت کر چکا تھا ۔ دوران جنگ اندازاً تین لاکھ ساٹھ ہزار سپاہی بھرتی ہوا تھا جو کہ کل ہندوستان کی بھرتی کے نصف سے بھی زائد تھا اور ان میں سے نصف ' پنجاب کے مسلمان تھے جو اس علم کے ساتھ بھرتی ہو رہے تھے کہ وہ ترکوں کے خلاف جنگ کرنے جا رہے ہیں ۔ " ۲۷ ـ

راقم عرض کرتا ہے کہ گورنر نے فائٹنگ (جنگی) اور غیر فائٹنگ (غیر جنگی) فوجیوں کی تفصیلات درج کرتے ہوئے فائٹنگ (جنگی) فوجیوں کے اعداد و شماریوں درج کئے ہیں :۔

Total of Main Fighting Races = 505000

Punjab Mohammedans = 170000

۲۸ ـ

اقبال کو چارج شیٹ

ہم حقائق بیان کر رہے ہیں ۔ اقبال کے طرز فکر و عمل یا نظریات پر نکتہ چینی مقصود نہیں اور ویسے بھی جب اقبال اور اکثر و بیشتر مسلم عمائدین اپنے موقف کی تائید میں قرآن و حدیث پیش کریں تو کوئی احمدی ان پر کیونکر انگشت نمائی کر سکتا ہے ۔ البتہ بعض غیر احمدی حلقوں کی جانب سے انگریزی حکومت کے بارے میں وفادارانہ طرز عمل اور مدحیہ نظموں کے پیش نظر علامہ پر " انگریز دوست " ہونے کا الزام عائد کیا گیا ۔ ۲۹ ـ

طبعاً و اخلاقاً

اس چارج شیٹ پر اقبال کا دفاع کرتے ہوئے مصنف جواباً فرماتے ہیں کہ اقبال نے تو یہ نظمیں " طبعاً و اخلاقاً " لکھی تھیں ۔ ۳۰ ۔ گویا علامہ کے نزدیک انگریز حکام کو طبعاً و اخلاقاً " سایۂ خدا " کہنا مستحسن امر ہے ۔

راقم عرض کرتا ہے کہ اگر انگریز حکام کو طبعاً و اخلاقاً " سایۂ خدا " کہنا جائز ہے تو بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۱۹۰۸ء) نے کب لکھا ہے کہ میں نے انگریزی حکومت کے عدل و انصاف

اور امن و آزادی کی تعریف غیر طبعاً و غیر اخلاقاً بنیاد پر کی ہے۔ آپ نے تو خاص طور پر اس امر کا ذکر فرمایا ہے کہ میں نے خصوصاً پنجاب میں انگریزوں کی آمد کی وجہ سے مسلمانوں کو سکھا شاہی کی چیرہ دستیوں سے نجات ملنے اور مذہبی آزادی حاصل ہونے پر حکام کا شکریہ ادا کیا ہے اور شکر گزاری ایک اخلاقی فرض ہے۔ اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر اقبال نے اگر طبعاً و اخلاقاً انگریز حاکم کو "سایہ خدا" قرار دیا ہے تو طبعی جذبات کب غیر دینی ہوتے ہیں۔ اور جہاں تک "اخلاق" کا تعلق ہے وہ بھی تو سراسر دین ہی کا حصہ ہے۔

مصلحتاً و مجبوراً

علامہ کا دفاع کرتے ہوئے مصنف زندہ رود نے دوسرا موقف یہ اختیار کیا ہے کہ علامہ نے یہ نظمیں "مصلحتاً و مجبوراً" لکھی تھیں۔۳۱

راقم کی رائے میں مصنف کے جواب کا یہ حصہ درست نہیں کیونکہ علامہ نے انگریز حاکموں کی مدح میں جو کچھ فرمایا یا علامہ کے استاد مولانا میر حسن، سر سید احمد خاں، مولانا الطاف حسین حالی، انجمن حمایت اسلام اور الندوہ وغیرہ نے جو ثناخوانی کی یا اطاعت کا دم بھرا۔ تو سب نے اپنے موقف کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے مزین کیا۔ اس لئے "مصلحتاً یا مجبوراً" والا جواب محل نظر ہے۔

اقبال دیکھ رہے تھے کہ انگریز کے آنے سے

- اب پہلے کی طرح سکھ، مسلمان لڑکیوں کی زبردستی آبروریزی کرنے میں آزاد نہیں رہے۔
- اب طوائف الملوکی سے جان چھوٹ چکی ہے۔ انگریز نے "سامان صلح و دیر" کا اہتمام کر دیا ہے۔
- اب مسلمانوں پر اذان دینے۔ نماز پڑھنے۔ مسجدوں میں جانے اور قرآن مجید کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں رہی۔
- اب اتنی مذہبی آزادی ہے کہ سکھوں اور ہندوؤں بلکہ عیسائیوں کو بھی تبلیغ اسلام کے ذریعہ کلمہ طیبہ کے ٹھنڈے سائے تلے لایا جا سکتا ہے۔

اس لئے علامہ نے اگر ایک انگریز حاکم کے وقت یہ اعلان کیا کہ وہ "سایہ خدا" ہے تو

دوسرے حاکم کے عرصہ حکومت میں وہ پکار اٹھے کہ ان کے خلاف از روئے قرآن پوشیدہ مشورہ کی بھی اجازت نہیں اور ایک حاکم کے دور میں بڑے زوردار طریق سے اس موقف کا اظہار کیا کہ جنگ یا جہاد انگریز حکام کے خلاف نہیں بلکہ ان کی تائید میں فرض بنتا ہے۔ فرمایا:۔

- تخت شہنشہی سے عقیدت بھی بے غرض یا یہ کہ۔ ہنگامہ وغا میں میرا سر قبول ہو

بتایئے! سالہا سال (۱۹۰۱ء تا ۱۹۱۸ء) پر پھیلی ہوئی اس درجہ ٹھوس عقیدت کی موجودگی میں مصنف زندہ رود کا اس امر پر اصرار کہ علامہ بامر مجبوری انگریز حاکموں سے وفاداری کا اظہار کرتے رہے کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

مصنف کو چاہئے تھا کہ وہ علامہ کے کلام پر "مصلحتاً و مجبوراً" کے پردے ڈالنے کی بجائے معترضین کو جواب دیتے کہ علامہ نے شرعی بنیاد پر انگریزی حکومت کی تحسین کی ہے۔ مدح و ثناء کا یہ حصہ ہرگز مجبوراً نہیں لکھا گیا۔ علامہ کا دل آپ کی زبان کا رفیق تھا۔ علامہ میں منافقت کا رنگ نہیں پایا جاتا تھا۔

مولانا حالی کا سہارا

اقبال کا دفاع کرتے ہوئے مصنف زندہ رود نے خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کا بھی سہارا لیا ہے۔ مولانا غلام رسول صاحب مہر کی تحریر کے حوالے سے فرماتے ہیں:۔

"اس سلسلہ میں خواجہ حالی مرحوم کا مرثیہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جو انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر لکھا اور رسالہ "معارف" پانی پت بابت جنوری ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا تھا۔" ۳۲

راقم عرض کرتا ہے ہم نے معارف رسالہ سے حالی مرحوم کا مرثیہ پڑھا ہے۔ ہمیں کہیں نظر نہیں آیا کہ حالی مرحوم نے یہ مرثیہ "مجبوراً" لکھا ہو۔ ہر شعر پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ شاعر، اقبال کی طرح ۔۔ "تخت شہنشہی سے عقیدت ہے بے غرض" ۔۔ کی تصویر بنا بیٹھا ہے۔ بلکہ حالی نے تو مسلمانوں کو انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری و شکرگزاری کی ترغیب دیتے ہوئے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ کو بنیاد بنایا ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

جماعت احمدیہ کے قیام سے دو سال قبل ۱۸۸۷ء میں مولانا حالی انگریزی حکومت کے بارے میں اپنے عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس عہد میں اسلام کو جو دینی اور روحانی ترقی نصیب ہوئی وہ انگریز بادشاہ کا اسلام پر احسان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

گو منت قیصر سے ہے ہر قوم گراں بار
احساں مگر اسلام پہ ہیں اس کے گراں تر
گر برکتیں اس عہد کی سب کیجئے تحریر
کافی ہے نہ وقت اس کے لئے اور نہ دفتر
قیصر کے گھرانوں پہ رہے سایۂ یزداں
اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایۂ قیصر ۳۳؎

اور ۱۹۰۱ء میں رسالہ "معارف" پانی پت میں ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر مذکورہ بالا حدیث نبوی کو یوں شعر کا جامہ پہنایا ہے۔

شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا وہ نہیں لاتے بجا، شکر خدائے ذوالجلال ۳۴؎

اور اس طرح مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ انگریز بادشاہ کی شرعی طور پر اطاعت کا دم بھریں اور اس کے شکرگزار رہیں ورنہ وہ رب ذوالجلال کے شکرگزار بندوں کی صف میں شامل ہونے کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

یہاں ہم افسوس کے ساتھ اس امر کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مصنف زندہ رود نے جانبدارانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے تحریک احمدیہ کے بانی پر نکتہ چینی کی ہے اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اقبال اور دیگر قائدین اور عامتہ المسلمین تو انگریزی حکومت کے غیر وفادار اور باغی تھے۔ صرف بانی تحریک احمدیہ اور آپ کی جماعت ان کی اطاعت گزار تھی۔ لکھتے ہیں:

۱۔ اپنے ابتدائی ایام ہی میں اس (یعنی بانی تحریک۔ ناقل) نے (انگریزوں کے خلاف۔ ناقل) جہاد کی حرمت کا اعلان کر رکھا تھا۔

۲۔ برصغیر میں سیاسی بیداری کے دور میں بھی تحریک احمدیہ انگریزی حکومت کی اطاعت اور وفاداری کا دم بھرتی تھی۔

۳۔ (جہاد کی حرمت کے اعلان سے) مراد یہ لی گئی کہ احمدیوں کے نزدیک انگریز کے ساتھ

وفاداری کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ اس کے خلاف سیاسی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا بھی حرام قرار دیا گیا تھا۔ ۳۵؎

نوٹ: (حرمت جہاد اور جماعت احمدیہ کی تحریک آزادی میں جدوجہد کا ذکر علیحدہ باب میں تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔)

دو پیمانے

انصاف کا ترازو تو اپنے دونوں پلڑوں کو برابر رکھتا ہے۔ مگر یہ کیا کہ جب بانی تحریک احمدیہ (وفات ۱۹۰۸ء) کا ذکر ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ چونکہ انہوں نے انگریز کے خلاف اپنی زندگی میں جہاد نہیں کیا اور اس کی تعریف کی ہے لہٰذا وہ انگریز کی غلامی کو پسند کرتے تھے۔ مگر اقبال سمیت اکثر و بیشتر قائدین جو سرسید کے رستہ پر چل رہے تھے، کی اطاعت و وفاداری اور تعریف و تحسین سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاتا۔

راقم پھر یہی عرض کرے گا کہ اگر ______ انگریز حاکم کو "سایۂ خدا" کہنا اور اسے "قصرِ عدل کا معمار" قرار دینا جائز ہے تو پھر اگر ایسی ہی بات تحریک احمدیہ کے بانی کے منہ سے نکلے تو وہ کیوں قابل اعتراض ہے؟ علامہ اور بانی تحریک احمدیہ کے لئے دو الگ الگ پیمانے کیوں رکھے گئے ہیں؟

بہرحال اب تک بیان کئے گئے حقائق سے واضح ہے کہ اقبال ۱۹۱۸ء تک انگریز حاکموں کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرتے تھے۔۔۔ "دانائے راز" کے مصنف اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اقبال کی وفاداری کی یوں پردہ پوشی فرماتے ہیں:۔

"۔ یہ ہندی سیاست کا دور وفاداری تھا جو ۱۹۱۹ء میں ختم ہوا۔ اور جس میں ہندوستانی معاشرہ کا ہر طبقہ۔ عوام۔ خاص۔ راجے۔ مہاراجے۔ نواب، حتیٰ کہ آزادی ہند کے مجاہد اعظم مہاتما گاندھی بھی سرکار کی اعانت کے لئے میدان عمل میں اتر آئے تھے۔ لہٰذا اقبال کے سیرت و کردار پر کوئی حرف نہیں آتا۔" ۳۶؎

سوال یہ ہے اگر جہاد فرض تھا تو علامہ نے اور مسلم معاشرہ کے ہر طبقہ نے کیوں نہ کیا؟ کیا اقبال شریعت سے بالاتر تھے؟۔ قرآن و حدیث کے حکم کی واضح خلاف ورزی کرنے سے ان کی سیرت و کردار پر کیوں حرف نہیں آتا؟ اور بانی تحریک احمدیہ پر انگشت نمائی کا کیا جواز

ہے؟

دو خوف

شاید مصنف، علامہ کے مدحیہ کلام کو "مصلحت و مجبوری" کے پردے اس خوف سے پہنا رہے ہیں کہ بعض حلقوں کے ناروا پروپیگنڈہ کی وجہ سے عوام کے ایک طبقہ میں، ایک اعلیٰ پایہ کے لیڈر کا یہ معیار قائم ہو چکا ہے کہ وہ، ہر انگریز حاکم کی (خواہ وہ کسی دور سے تعلق رکھتا ہو، کتنا ہی منصف مزاج ہو) مخالفت کرے ۔۔۔ مصنف کو اندیشہ ہے کہ اگر علامہ انگریز حاکموں کے بہی خواہ اور قدردان اور اطاعت گزار ثابت ہو گئے تو وہ اس مخصوص طبقہ میں مقبول نہ رہیں گے ۔۔۔ مصنف کے نزدیک ——— خدا اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی، شاید عوامی ہردلعزیزی سے فوقیت کی حامل نہیں۔

دوسرا خوف شاید یہ ہے کہ اقبال کے اطاعت گزار ثابت ہونے سے مصنف کو تحریک احمدیہ کے بانی اور تحریک احمدیہ پر نکتہ چینی کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔ اور وہ اس سونے کی مرغی کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتے ۔ بہرحال راقم کی رائے میں اقبال پر معترضین کی چارج شیٹ درست ہے نہ مصنف کا جواب صحیح خطوط پر ہے ۔ دونوں کو اپنے اپنے موقف پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔

تحریک احمدیہ کے بانی کی صحیح روش

اقبال نے انگریزوں کی مدح میں جو نظمیں لکھیں جن میں ان کی تلوار کو "نقاد خیر و شر" کہا ۔ "صلح دیر و حرم کا سامان مہیا کرنے والا" قرار دیا ۔۔۔ اور ان کی حکومت اس وقت تک قائم و دائم رہنے کی دلی تڑپ کا اظہار کیا جب تک "چمن کو قطرہ شبنم کی پیاس ہے ۔" مصنف کے نزدیک یہ سب کچھ "مجبوراً" تھا۔ ۳۷

مگر حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی زبان آپ کے دل کی رفیق تھی ۔ آپ کسی کی خوشامد یا چاپلوسی سے سخت متنفر تھے ۔ مسلمانوں کے قائد اول، سرسید احمد خاں نے انگریزی حکومت کے بارہ میں حضرت کے اس رویہ یا طریق کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ ہر مسلمان سے یہ توقع کی ہے کہ اسے یہی موقف اختیار کرنا چاہئے ۔ چنانچہ اپنی عمر کے آخری حصے میں سرسید نے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں آپ کی درج ذیل عبارت، مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے شائع کی۔

لکھتے ہیں :-

مرزا غلام احمد قادیانی

سرسید کے ریمارکس

" ۔ مرزا (غلام احمد) صاحب نے جو اشتہار ۱۸۹۷ء کو جاری کیا ہے ۔ اس اشتہار میں مرزا صاحب نے ایک لطیف .... عمدہ فقرہ گورنمنٹ کی خیر خواہی اور وفاداری کی نسبت لکھا ہے ۔ ہمارے نزدیک ہر مسلمان کو جو گورنمنٹ انگریزی کی رعیت ہے ۔ ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے اس لئے ہم اس کو اپنے اخبار میں چھاپتے ہیں ۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں :-

اے نادانو! گورنمنٹ انگریزی کی تعریف، تمہاری طرح، میری قلم سے منافقانہ نہیں نکلی ۔ وہ لوگ سخت نمک حرام ہیں جو حکام انگریزی کے روبرو، ان کی خوشامد کرتے ہیں اور ان کے آگے گرتے ہیں اور پھر گھر آکر کہتے ہیں کہ جو شخص اس گورنمنٹ کا شکر کرتا ہے وہ کافر ہے ..... یاد رکھو اور خوب یاد رکھو کہ ہماری یہ کارروائی جو اس گورنمنٹ کی نسبت کی جاتی ہے ۔ منافقانہ نہیں ولعنۃ اللہ علی المنافقین ۔ جبکہ ہمارا عقیدہ یہی ہے جو ہمارے دل میں ہے ۔" ۳۸

امام جماعت احمدیہ کا رویہ

حضور کی اسی تعلیم کی روشنی میں جماعت احمدیہ گورنمنٹ کی چاپلوسی یا مجبوراً تعریف سے متنفر ہے ۔ چنانچہ امام جماعت احمدیہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (وفات ۱۹۶۵ء) نے فرمایا ۔

" ۔ بے شک کانگرسیوں کے اصول سے مجھے اختلاف ہے ۔ لیکن اگر میرے سامنے ذاتی دوستی کا سوال ہو تو میں ایک کانگرسی کو گورنمنٹ کے خوشامدی، پر ترجیح دوں گا ۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ یہ گورنمنٹ کے خیر خواہ کہلانے والے حد درجہ کے خود غرض، لالچی اور نفس پرست واقع ہوئے ہیں ۔" ۳۹

انگریزی حکومت سے سر کا خطاب قبول کرنا

آیئے! دیکھتے ہیں ۔ ۱۹۲۳ء کے سیاسی بیداری کے دور میں انگریزی حکومت سے متعلق علامہ کا طرز فکر و عمل کیا تھا؟ اس دور کی تحریک ترک موالات (عدم تعاون) کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:۔

تحریک ترک موالات

--- "اس میں لوگوں کو مشورہ دیا گیا۔ کہ وہ حکومت کے عطا کردہ خطابات اور اعزازی عہدے واپس[۴۰] کر دیں۔ اور تمام سرکاری و نیم سرکاری تقریبات میں شرکت سے بھی انکار کر دیں۔ مسلم علماء نے جمعیتہ العلماء کے اجلاس منعقدہ ۱۹-۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء بہ مقام دہلی ایک فتویٰ (ترک موالات کے حق میں ناقل) دیا.... اس پر ۵۰۰ علماء کے دستخط ثبت تھے[۴۱]۔

مصنف زندہ رود کے مطابق۔ "اقبال نے اختلافات کے سبب تحریک موالات میں شامل مسلم سیاسی رہنماؤں سے کنارہ کشی اختیار کی۔ [۴۲]

تحریک خلافت

مولانا رئیس احمد جعفری، علامہ کی شان "محکومیت" کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:۔

"اس دور میں، اس طوفان خیز اور ہنگامہ آفریں دور میں، اقبال کا کیا حال تھا؟۔ وہ کس طرف تھے؟ آزادی کے شیدائیوں اور ملت کے مجاہدوں کے ساتھ یا قوم کے دشمنوں یا ملک کے غداروں کے ساتھ ـــ واقعات و حقائق بڑے بے مروت اور غیر جانبدار ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے ساتھ رعایت نہیں کرتے۔ سچی اور کھری بات کہتے ہیں۔ حقائق کی زبان سے واقعات کا بیان یہ ہے۔ کہ اقبال (سیاسی بیداری کے اس دور میں۔ ناقل) نہ صرف تحریک خلافت کے ساتھ نہیں تھے بلکہ اس سے اصولی اختلاف رکھتے تھے۔ اور اس لئے اس سے اسی طرح الگ اور غیر متعلق تھے جس طرح ایک مخالف ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں عین اس زمانہ میں جب لوگ ملازمتوں پر لات مار رہے تھے۔ سرکاری سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کا بائیکاٹ کر رہے تھے۔ اقبال کو سر کا خطاب دیا گیا۔ اور انہوں نے اس کو قبول بھی کر لیا۔ جس پر کسی دل جلے نے یوں فقرہ چست کیا۔۔

سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال [۴۳]

راقم عرض کرتا ہے۔ یہ فقرہ نہیں۔ مولانا عبدالمجید سالک کی "زمیندار" اخبار میں شائع شدہ نظم کا ایک مصرع ہے۔ مولانا سالک کے دو شعر ملاحظہ ہوں

پہلے تو سر ملت بیضا کے تھے وہ تاج
اب اور سنو، تاج کے سر ہو گئے اقبال
کہتا تھا یہ کل ٹھنڈی سڑک پہ کوئی گستاخ
سرکار کی دہلیز پہ سر ہو گئے اقبال

تحریک خلافت کے بعض ممبران کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اپنے بڑے بھائی کو لکھتے ہیں۔

"خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبران بظاہر جوشیلے مسلمان لیکن در باطن اخوان الشیاطین ہیں۔" [۴۴]

خطاب کی سرکاری نوٹیفکیشن

Delhi: The 1st January 1923
No. 2. Gen, His Imperial Majesty the King Emperor of India has been graciously pleased to confer the honour of KNIGHT HOOD, on --- Doctor Sheikh Muhammad Iqbal, Barrister, Lahore, Punjab
J.B - Thompson
Political Secretary to the Govt. of India
Punjab Gazette, 19 January, 1923 Part II, Page 10.

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں:۔

"--- ۱۷ر جنوری ۱۹۲۳ء کو سر کا خطاب ملنے پر اقبال کے لئے ایک مبارکباد پارٹی کا اہتمام، ہندو، سکھ اور مسلم معززین لاہور کی طرف سے مقبرہ جہانگیر میں کیا گیا۔ جس میں گورنر سمیت تمام سرکاری، غیر سرکاری عمائد و حکام شریک ہوئے...... سر محمد اقبال نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ

مجھ کو خطاب دے کر گورنمنٹ نے اردو و فارسی کے ادیبوں کی عزت افزائی کی ہے۔ [۴۵]

(اخبار بندے ماترم)

مصنف "زندہ رود" نے اخبار بندے ماترم کے تبصرہ کا ایک اہم حصہ نقل نہیں کیا۔ جو درج ذیل ہے۔

"۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کو سر کا خطاب ملنے کی تقریب پر ۱۷ جنوری کے دن شاہدرہ میں جو شاندار دعوت دی گئی ..... تو معمہ کا حل واضح طور پر ہو گیا ہو گا کہ اقبال کو خطاب گذشتہ اور آئندہ سیاسی خدمات کے صلے میں ملا ہے یا ادبی خدمات کے صلے میں۔ شہنشاہ جہانگیر کے مقبرہ میں جس وسیع اور پر فضا صحن میں جلسہ دعوت منعقد ہوا۔ اس کے دروازوں پر یورپین اور ہندوستانی پولیس کی نمائش۔ یورپین مسلمانوں کی کثرت۔ گورنر بہادر کی صدارت۔ سرکاری حضرات کی شرکت۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر بھی جو یہ کہے گا کہ ڈاکٹر اقبال کو اس وجہ سے خطاب ملا ہے کہ اردو۔ فارسی کے شاعر ہیں۔ دوپہر کے وقت ستارے دکھانے کے مترادف ہے۔[26]

مولانا ظفر علی خاں نے علامہ کی خطاب یافتگی پر 'اپنے تئیں سرفروشوں کا نمائندہ قرار دیتے ہوئے' اقبال کے رخ کردار کے متعلق یوں اظہار کیا:۔

سرفروشوں کے ہیں ہم سر، آپ ہیں سرکار کے
آپ کا منصب ہے سرکاری، ہمارا خانگی
عافیت کوشی ہے پہلے دن سے مسلک آپ کا
اور اس میں منتشر ہے آپ کی فرزانگی
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آراء تو بھی ہو
چھوڑ دے اس بزدلی کو اور دکھا مردانگی
[27]

سیاسی بیداری کے دور میں حصول آزادی کے لئے جماعت احمدیہ کی بنیادی پالیسی کیا تھی؟ -- اس نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے؟۔ اس کا تفصیلی تذکرہ تو آئندہ صفحات میں آئے گا۔ فی الحال ہم گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ اگر اقبال سیاسی بیداری کے اس دور میں انگریزی حکومت کے بدخواہ۔ غیر وفادار۔ غیر اطاعت گزار یا مخالف ہو چکے تھے تو آپ نے انگریزوں سے سر کا خطاب کیوں قبول کیا؟

--- پھر مرتے دم تک اسے سینے سے کیوں لگائے رکھا؟

مصنف زندہ رود فرماتے ہیں۔

۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اقبال کا تعلق اقلیتی قوم سے تھا اور برصغیر کے سیاسی پس

منظر میں اقلیتی قوم کی نفسیات، اکثریتی قوم سے مختلف تھیں۔ یعنی انگریزی حکومت یا ہندو اکثریت کے مقابلہ میں مسلم اقلیت کا رویہ بنیادی طور پر مدافعانہ تھا اور اقبال کے خطاب قبول کرنے کی مصلحت اسی مدافعانہ نفسیات کی غماز تھی[28]

راقم عرض کرتا ہے کہ انگریزی حکومت کی اطاعت اور اس سے تعاون اور اس کی خیر خواہی کے بارہ میں سرسید، حالی، اقبال، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی۔ شیعہ۔ سنی۔ انجمن حمایت اسلام۔ الندوہ وغیرہ کی طرف سے پیش کردہ الہامی اسناد (قرآن و حدیث) کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن بغرض بحث اگر نظر انداز کر بھی دیا جائے اور صرف مدافعانہ نفسیات ہی کا عنصر پیش نظر رکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انگریزی حکومت یا ہندو اکثریت کے مقابلہ میں قلت تعداد کے باعث مسلمانوں کے لئے مدافعانہ رویہ اختیار کرنا ضروری تھا تو احمدیوں کی تعداد تو مسلمانوں میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھی۔ ان کے لئے انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے یا غیر مدافعانہ رویہ اختیار کرنا کس مصلحت کے تحت فرض ہو گیا تھا؟

واضح رہے کہ اس دور میں ہندوؤں کی تعداد ۲۴ کروڑ اور مسلمانوں کی ۷ کروڑ بتائی جاتی تھی[29]۔ اور بقول اقبال پنجاب میں احمدیوں کی تعداد صرف ۵۶ ہزار تھی اگر علامہ کے حوالے سے پورے برصغیر میں یہ تعداد ایک لاکھ بھی ہو تو مسلمانوں کی تعداد کے پیش نظر احمدیوں کی تعداد کی نسبت "۷۰۰" اور "ایک" کی بنتی ہے۔ گویا ایک فرد کا تو فرض تھا کہ وہ تلوار اٹھاتا۔ بغاوت کا مظاہرہ کرتا اور بدخواہی اور مخالفت اور جہاد کے نعرے لگاتا ہوا میدان میں کود پڑتا اور ادھر علامہ کی ڈیوٹی صرف یہ تھی کہ وہ ۷۰۰ر افراد کو اپنے زیر سایہ لے کر بیٹھے رہتے اور انہیں قلت تعداد کی دلیل دے کر مدافعانہ رویہ کی تلقین و تحریک کرتے رہتے۔

۱۹۴۸ء سے دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ تک صرف دو "جرنیلوں" نے جان کا نذرانہ پیش کیا یا زخمی ہوئے۔ دونوں ہی اللہ کے فضل سے احمدی تھے۔ زخمی ہونے والے جرنیل کا نام "جنرل چوہدری ناصر احمد" ہے اور شہید ہونے والے جنرل 'جنرل افتخار جنجوعہ تھے۔

۱۹۲۴ء

گورنر کے حضور حاضری کی اہمیت

والدہ جاوید (سردار بیگم صاحبہ) امید سے ہوئیں تو علامہ نے انہیں سیالکوٹ بھجوا دیا۔ ۵ ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو جاوید پیدا ہوئے۔ ۵ نومبر ۱۹۲۴ء کے خط میں علامہ نے اپنے بڑے بھائی صاحب کو سیالکوٹ لکھا:۔

"۔ میں نومبر کے مہینے میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ کام کے علاوہ بہت سی اور مصروفیتیں ہیں ۔ نئے گورنر صاحب کے بہت سے ڈنر ہیں۔ وہاں جانا ہے۔" [۵۰]

۱۹۲۵ء

علامہ کے استاد مولانا میر حسن کے صاحبزادے ڈاکٹر علی نقی صاحب اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے تو پنجاب کے گورنر سر میلکم ہیلی نے انہیں چائے کی الوداعی دعوت دی۔ اس موقعہ پر علامہ اقبال نے ڈاکٹر نقی صاحب کو اظہار عقیدت کے طور پر یہ شعر لکھ کر دیا جسے آپ نے نہایت خوشخط لکھوا کر اس تقریب سعید میں گورنر کو پیش کیا۔

پنجاب کی کشتی کو دیا اس نے سہارا۔ تابندہ ہمیشہ رہے ہیلی کا ستارا۔ [۵۱]

عملی سیاست کا دور

نوٹ۔ اب وہ دور آتا ہے جب (۱۹۲۶ء میں) علامہ نے عملی سیاست میں حصہ لینے کا قصد کیا۔ بقول مصنف زندہ رود علامہ 'مسلمانوں کو منظم کر کے انگریزی حکومت اور ہندو اکثریت دونوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنا چاہتے تھے (صفحہ ۲۹۲) مگر اس کے ساتھ ساتھ علامہ کا درج ذیل طرز فکر و عمل بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

۱۹۲۷ء

پنجاب لیجسلیٹو کونسل میں تقریر کرتے ہوئے علامہ نے فرمایا۔

"تازہ فسادات لاہور میں ہندو اور مسلمان دونوں وفود بنا کر کئی دفعہ ڈپٹی کمشنر کے پاس گئے

اور ہر دو وفود نے مخالف ملت کے تحقیقاتی افسروں کے خلاف شکایت کی۔ اس قسم کے ایک وفد کا میں بھی ممبر تھا (آوازیں۔ شرم۔ شرم) یہ کوئی شرم کی بات نہیں۔ ہمیں واقعات کو حقیقت کے آئینے میں دیکھنا ہے۔ واقعی افسوس کا مقام ہے کہ صورت حالات اس قدر نازک ہو چکی ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے ہمیں جو جواب دیا وہ آپ کو معلوم ہے۔ اور میرے خیال میں اس نے جو کچھ کہا اس میں وہ بالکل حق بجانب تھا۔ (ڈپٹی کمشنر نے بتایا)

"اصلاحات کی سکیم کے نفاذ سے پہلے پولیس میں ۱۲۰ برٹش افسر تھے۔ اور اب صرف ۶۸ ہیں۔ ہمارے برٹش افسروں کی تعداد کافی نہیں ہے۔ اور دونوں فرقے (ہندو اور مسلم۔ ناقل) یورپین افسر چاہتے ہیں۔"

بدقسمتی سے میرے دوست پنڈت نانک چند اس وقت یہاں نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ حکومت نے رنگ و نسل کا امتیاز اڑا دیا ہے۔ اور اس طرح وہ اسامیاں جو پہلے برٹش افسروں کو ملتی تھیں اب ہندو اور مسلمانوں کے حصہ میں آئی ہیں۔ لیکن میں اپنے دوست کو یقین دلاتا ہوں کہ (برطانوی) حکومت نے اس معاملہ میں بڑی سخت غلطی کی ہے۔ اور اگر برٹش آفسروں کی تعداد میں اضافہ کر دیا جائے تو میں اس کا خیر مقدم کروں گا (آوازیں۔ نہیں ۔ نہیں) جب میں یہ کہتا ہوں تو اپنی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کر کے کہتا ہوں۔ [۵۲]

(علامہ کی تقریر ۱۹ر جولائی ۲۷ء) اے

مولانا محمد علی جوہر کی زبردست تنقید

پنجاب کونسل میں علامہ کی تقریر پر جنگ آزادی کے ہیرو مولانا محمد علی جوہر نے "ہمدرد" کی تین چار قسطوں میں طویل تبصرہ و تنقید کی۔

ایک قسط کا عنوان تھا۔

"طبیب حاذق سر محمد اقبال کا نیا نسخہ" (ہمدرد ۱۶ر اگست ۱۹۲۷ء)

ایک قسط کا عنوان تھا۔

"شاعر اسلام ۔۔۔ اقبال" (ہمدرد ۱۹ر اگست ۱۹۲۷ء)

ایک اور قسط

"شمع و شاعر کے مصنف سے ایک سوال"

کے عنوان سے شائع کی گئی (ہمدرد ۲۱ر اگست ۱۹۲۷ء)

ان اقساط کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

مولانا جوہر رقمطراز ہیں:۔

۱۔ "۔ دیکھئے۔ شمع و شاعر کا مصنف کس طرح "لندن ٹائمز" اور اس کے موکلوں کا آلہ کار بن رہا ہے۔ کہنا پڑتا ہے کہ بہتر ہو کہ سارے ہندوستان کو تو سوارج دے دیا جائے مگر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب وام اقبالکم کے پنجاب کو سر مائیکل ایڈوائر۔ کرنل فرینک جانسن۔ کرنل اوبرائن اور مسٹر اسمتھ کو پھر اس پر حکومت کرنے کے لئے بلا لیا جائے۔" (صفحہ ۴۳۰)

۲۔ "۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تقریر پڑھ کر۔۔ "میری نیند غائب ہو گئی اور میرے قلب کو اس قدر دھچکا لگا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔" (صفحہ ۴۲۴)

۳۔ "اقبال کو نہ جانے کیا سوجھی کہ کونسل کو چل دیئے اور وہ پنجاب کی جمہور سے رائیں حاصل کرنے کے لئے دربدر پھرے اور اپنے مدمقابل کو بالاخر ہرا کے ملک معظم اور اس کے ورثاء کی وفاداری کا حلف اٹھا کر پنجاب کونسل میں شریک ہوئے۔ ہمیں اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ خدا نے جس شخص کو "شمع و شاعر" اور "اسرار و رموز" کے لکھنے کی عجیب و غریب قدرت عطا فرمائی تھی .... وہ پنجاب کونسل ..... میں جا کر محمد امین صاحب بیرسٹر (سابق ساگر چند) کی طرح یہ مطالبہ کرے گا کہ جو چند بڑے بڑے عہدے اس وقت تک ہندوستانیوں کو دیئے گئے ہیں وہ بھی ان سے چھین لئے جائیں اور انگریزوں کو دے دیئے جائیں (صفحہ ۴۴۰

۴۔ "تعجب ہے آج اقبال، لالہ جی کے خوف سے اوگلوی صاحب کی گود میں گھسا جاتا ہے۔"

(راقم "دراصل، اقبال اب تک انگریزی عہد کی برکات کے قائل تھے اور سمجھتے تھے کہ انگریز افسروں کی تعداد میں اضافہ ہونے سے مسلمانوں کو زیادہ عدل و انصاف مہیا ہو سکے گا۔ کیونکہ انگریز کی تلوار اب تک "نقاد خیر و شر" ہے۔)

۱۹۲۹ء

مشاہیر عالم کو ان کے اصلی روپ میں پیش کرنا ہی ان کی عزت و احترام کا موجب ہے مگر نہ معلوم علامہ کے بارہ میں یہ وطیرہ کیوں اختیار کر لیا جاتا ہے کہ جہاں حقائق ذرا تلخ محسوس ہوتے ہوں وہاں آپ کی شخصیت کو دبیز پردوں کی تہ میں چھپا لیا جاتا ہے۔ اس صورت حال میں حقائق کا افشاء ہو جانے پر علامہ کا کردار بعض لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بن سکتا ہے۔

ایک مثال ملاحظہ ہو۔

اپریل ۱۹۷۵ء۔ یوم اقبال کے موقعہ پر روزنامہ "امروز" لاہور کے اقبال ایڈیشن کی دس ہزار کاپیاں چھپ چکی تھیں کہ ادارہ کے بعض سینئر ارکان کی نگاہ درج ذیل "یادگار تحریر" پر پڑی۔ پریس میں چھپائی کا کام روک دیا گیا اور ایڈیٹر کی اجازت سے طبع شدہ دس ہزار کاپیاں تلف کر دی گئیں۔ ادارہ نے اس کاروائی کی وجہ بتاتے ہوئے لکھا کہ:۔

علامہ اقبال کی جو عزت اور جو احترام ہمارے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے سامنے یہ نقصان کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔"

وہ "یادگار تحریر" ۱۹۲۹ء کی ہے جو علامہ نے پنجاب کے ایک مشہور انگریز نواز مسٹر ایم بی گوہری سپیشل آرمی ریکروٹر جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء کے بارے میں بطور سرٹیفکیٹ لکھی۔ علامہ فرماتے ہیں:۔

"۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ ایم بی گوہری صاحب نے مختلف حیثیتوں سے گورنمنٹ کی اچھی خدمات سرانجام دی ہیں۔ جن کے لئے ان کے پاس سندات و دستاویزات موجود ہیں۔ میں نے ان میں سے بعض کو پڑھا ہے اور میں یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ وہ اپنی وفادارانہ خدمات کے لئے کسی نوعیت کا اعتراف حاصل کرنے کے مستحق ہیں ۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے یہ سب کچھ اپنے احساس فرائض منصبی کے تحت سرانجام دیا ہے ۔ نہ کسی معاوضہ کے حصول کی غرض سے جیسا کہ کئی دیگر آدمیوں نے کیا۔"

محمد اقبال

کے ایم ایل ای

بیرسٹر ایٹ لا۔ پی ایچ ڈی۔ ایم اے۔ لاہور

ظاہر ہے علامہ کے نزدیک انگریزی گورنمنٹ کی وفادارانہ خدمات، احساس فرض کے طور پر بھی سرانجام دی جا سکتی ہیں۔

بقول مصنف زندہ رود اقبال، مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں دونوں کے مقابلہ میں کھڑا کرنا چاہتے تھے (ص ۲۹۲) مگر اس کے ساتھ ساتھ

۱۹۳۰ء

علامہ اقبال، اپنے مکتوب بنام سر فرانس ینگ ہسبنڈ میں فرماتے ہیں:۔

"۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں اگر ہندو ہم پر حکومت کریں ۔ بشرطیکہ ان میں حکومت کرنے کی اہلیت اور شعور ہو ۔ لیکن ہمارے لئے دو آقاؤں کی غلامی ناقابل برداشت ہے ۔ ہندو اور انگریزوں میں سے صرف ایک ہی کا اقتدار گوارا کیا جا سکتا ہے ۔" ۵۷

اس کے مقابل بلکہ اس سے دو سال قبل حضرت امام جماعت احمدیہ واضح طور پر مسلمانوں کی رہنمائی فرما چکے تھے کہ اگر ہندو ہمارے حاکم بنے اور ہماری "اپنی حکومت" نہ بنی تو :-

"۔ مسلمانوں کو چند ہی سال میں پورے طور پر اپنے آپ کو "ہندو کلچر کے آگے ڈال کر اپنی قومی ہستی کو کھو دینا پڑے گا ۔" ۵۸

۱۹۳۲ء

علامہ سالہا سال تک ، مسلم تنظیموں کے ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے تھے اور بخوبی آگاہ تھے کہ

O -- مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد میں برطانوی حکومت کے ساتھ "اطاعت و وفاداری" کی شق کو نمایاں اہمیت حاصل رہی ہے ۔

O -- علامہ ، انجمن حمایت اسلام کے بھی معزز عہدیدار رہے ۔ آپ کو علم تھا کہ اس کے مقاصد میں بھی ایک اہم مقصد ۔ " اہل اسلام کو گورنمنٹ کی وفاداری اور نمک حلالی کے فوائد سے آگاہ کرنا -- " شامل تھا ۔

O -- علامہ ، یہ بھی جانتے تھے کہ علی گڑھ کی بنیاد لارڈ لٹن وائسرائے ہند نے رکھی تھی ۔

O -- علامہ ، ندوۃ العلماء کی تاسیس کے بارے میں بھی بے خبر نہ تھے جو لیفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ کے ہاتھوں رکھی گئی اور جسے گورنمنٹ کی طرف سے " مبلغ چھ ہزار روپے سالانہ امداد بھی ملتی تھی " ۵۹

مسلمانوں کی کم و بیش سبھی قابل ذکر مذہبی و سیاسی انجمنوں کے ساتھ علامہ کے کچھ نہ کچھ روابط تھے اس لئے آپ عمومی رنگ میں مسلمانوں کی انگریزی حکومت کے ساتھ قلبی وابستگی ۔ اطاعت و وفاشعاری کے جذبات سے بخوبی آگاہ تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۳۲ء میں جب آپ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلستان گئے تو وہاں بھی مسلمانوں کے اس جذبہ ء وفا کی آپ نے بے دھڑک ترجمانی کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کی اور وفاداری کے اسی حوالے سے آپ

نے مسلم مطالبات کی تائید کی ۔

مصنف زندہ رود رقمطراز ہیں :-

انگلستان میں وفادارانہ جذبات کا اظہار

" ۔ گول میز کانفرنس کے ایام میں نیشنل لیگ آف انگلینڈ کی جانب سے علامہ کو ایک استقبالیہ دیا گیا ۔ اس تقریب میں گول میز کانفرنس کے ہندو اور مسلم مندوبین اور برطانیہ کی بعض مقتدر شخصیات موجود تھیں ۔ اقبال نے اپنی مختصر تقریر میں واضح کیا کہ مسلمانوں میں جرات ہے اور انہوں نے برطانیہ کے ساتھ ہمیشہ پر خلوص اور وفاشعاری کے تعلقات استوار رکھے ہیں ۔ (صفحہ ۴۹۲)

راقم عرض کرتا ہے کہ نیشنل لیگ کی بنیاد فارقوہرسن (Farquharson) نے رکھی تھی ۔ اس کا ایک مقصد " ۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو برطانیہ سے قریب کرنا تھا " -- اور -- " علامہ اقبال شروع ہی سے اس لیگ کی کوششوں کے معترف تھے ۔ ۶۰

۱۹۳۳ء

ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر علامہ نے برطانیہ کے ساتھ عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا ۔

برطانیہ تو آج گلے مل کے ہم سے رو ۔ سامان اشک ریزیٔ طوفاں لئے ہوئے

اس وابستگی کی جھلک ۱۹۳۳ء میں بھی ملتی ہے ۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جنوری ۱۹۲۹ء میں بچہ سقہ نے کابل پر قبضہ کر لیا ۔ امان اللہ شاہ افغانستان کو ملک بدر کر دیا گیا ۔ برطانیہ نے جنرل نادر خاں (سفیر افغانستان مقیم پیرس) سے رابطہ پیدا کر کے اسے افغانستان میں داخل کرا دیا ۔ وہ انگریزی حکومت کے فراہم کردہ ہتھیاروں کی مدد سے کابل فتح کر کے ۱۶ ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو شاہ افغانستان بن گئے ۔ ۱۵ نومبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ قتل کر دیئے گئے ۔ ان کی جگہ ان کے فرزند " ظاہر شاہ " کو بادشاہ تسلیم کر لیا گیا ۔

اقبال نے نادر شاہ کی موت کو شہادت قرار دیا (زندہ رود صفحہ ۵۲۹) اور اپنے خطوط میں ان کے دو اوصاف حمیدہ کا خصوصی اظہار کیا :-

ایک یہ کہ ۔ نادر شاہ بڑا دیندار اور خدا پرست بادشاہ تھا اور کابل میں اس کے متعلق ایسی

حکایات مشہور ہیں کہ ان کو سن کر صدیقؓ اور فاروقؓ یاد آتے ہیں ۶۱ـــ

دوسرے یہ کہ --- نادر شاہ کے حکومت برطانیہ کے ساتھ نہایت دوستانہ ۶۲ـــ تعلقات تھے

(I found him quite friendly toward England)

اس خط میں آپ نے اس امر پر بھی اطمینان کا اظہار فرمایا ہے کہ ان کا صاحبزادہ (نیا بادشاہ ـ ظاہر شاہ) بھی اپنے والد کی راہ پر گامزن ہے ـ اور انہی کے طرز زندگی اور مسلک کے لئے وقف ہے

(Much devoted to his father ways of thought and life)

انگریزی تاج سے والہانہ عقیدت و وفاداری کا اظہار

۱۹۳۵ء

۱۹۳۴ء میں اقبال پر بیماری کا حملہ ہوا ـ مئی ۳۵ء میں آپ کی اہلیہ محترمہ وفات پا گئیں ـــ وکالت کا کام قریباً ختم ہو چکا تھا ـ ذرائع آمدنی بہت محدود ہو گئے ـ علامہ کو حد درجہ مالی پریشانی کا سامنا تھا ـ حتیٰ کہ ۱۲ مئی ۳۵ء کو آپ نے بھوپال میں اپنے دوست سر راس مسعود کو لکھا:ـ

میری خواہش ہے کہ اعلیٰ حضرت (نواب بھوپال) مجھے اپنی ریاست سے پنشن منظور کر دیں (زندہ رود صفحہ ۵۵۰)

ادھر تنگ دستی کے اسی دور میں گورنر سر ہربرٹ ایمرسن نے "سلور جوبلی فنڈ" کے سلسلہ میں "باشندگان پنجاب" کے نام حسب ذیل اپیل شائع کی:ـ

"ـ ۶ رمئی ۱۹۳۵ء کو ان تمام ممالک کے لوگوں کی طرف سے جو ہز میجسٹی (شاہ انگلستان) کو اپنا حکمران تسلیم کرتے ہیں ـ اعلیٰ حضرت ملک معظم کی تخت نشینی کی ۲۵ ویں سالگرہ، شکر گزاری اور مسرت کے ساتھ منائی جائے گی ـــ پنجاب نے بار بار "تاج" کے ساتھ اپنی روایتی وفاداری کا ثبوت مہیا کیا ہے اور جنگ عظیم کے دوران میں اس نے آدمیوں اور روپیہ سے جو امداد دی تھی اس کی یاد ابھی تک دلوں میں تازہ ہے ۶۳ـــ

چندہ دہندگان سلور جوبلی

۶۶۴

نمبر شمار	اسمائے چندہ دہندگان	رقم
	(از لاہور ڈویژن) ضلع لاہور	
۱	مسٹر شام لال کپور آف میسرز دنی چند اینڈ سنز مال لاہور	۲۵۰
۲	بیگم بی ـ اے شاہ نواز اقبال منزل لاہور	۱۰۰
۳	رائے بہادر لالہ امرناتھ رجسٹرار سوئز منڈی ـ لاہور	
۴	خان محمد سعادت علی خاں صاحب [illegible] روڈ ـ لاہور	۲۵۰
۵	لالہ ملک راج صاحب [illegible] دیال سنگھ مینشن دی مال ـ لاہور	
۶	ڈاکٹر علامہ سر محمد اقبال صاحب نائٹ بارایٹ لا ـ لاہور	۱۰۰
۷	مسٹر ایم ـ اے لطیف سی ـ آئی ـ ای [illegible] فنانشل کمشنر لاہور	۱۵۰
[illegible]	آنریبل ملک سر فیروز خاں صاحب نون ایم ـ اے ـ وزیر تعلیم پنجاب	۲۵۰

فیروز پرنٹنگ ورکس ۱۱۹ سرکلر روڈ لاہور

وہ اقبال --- جو ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم کی جنگی مہمات کے سلسلے میں "جذبات پنجاب" کی نمائندگی کرتے ہوئے انگریز گورنر سر مائیکل ایڈوائر کی معرفت برٹش گورنمنٹ سے کہہ چکے تھے

ہنگامہ دعا میں مرا سر قبول ہو

اپنی تنگ دستی سے بے نیاز، تاج برطانیہ کے ساتھ وفاداری کی اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھے اور مبلغ **یک صد** روپیہ بطور چندہ پیش کر کے ضلع لاہور کے "چندہ دہندگان سلور جوبلی شاہ انگلستان" ۔ کی فہرست میں "چھٹے نمبر" پر اپنا نام لکھوا کر سرخرو ہو گئے ۱۔

اگر علامہ سرکاری ملازمت میں ہوتے یا صاحب ثروت ہوتے تو ہم علامہ کو برطانیہ کا ایک خیر خواہ اور وفادار سمجھنے پر اکتفا کر کے آگے گزر جاتے ۔ مگر شدید مالی مصائب و آلام میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود علامہ کی طرف سے اتنی بڑی مالی قربانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی بیداری کے دور میں بھی آپ کے دل میں تاج برطانیہ کے لئے غیر معمولی عقیدت مندی کے جذبات موجزن تھے ۔ ۲۔

قابل ستائش یا قابل مذمت؟

اس پینتیس سالہ ریکارڈ (۱۹۰۱ء تا ۱۹۳۵ء) کو پیش کرنے سے ہمارا مدعا یہ ہرگز نہیں کہ علامہ کے طرز فکر و عمل کو مطعون کیا جائے --- ہم علامہ کے فکر و عمل کو اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں گردانتے --- اصل بات یہ ہے کہ علامہ کے نزدیک انگریز یا کسی کے بھی اچھے فعل کی تعریف و توصیف، شریعت کے خلاف نہ تھی ۔ اسلامی شریعت کے خلاف تو یہ امر ہے کہ انسان جھوٹ بولے ۔ مبالغہ آرائی سے کام لے ۔

چندہ دہندگان سلور جوبلی (ضلع لاہور)

۱۔ ضلع لاہور کے ہندو، مسلم اور سکھ چندہ دہندگان جوبلی کی تعداد ۱۳۲ ہے ۔ چھٹے نمبر پر ڈاکٹر

علامہ سر محمد اقبال نائٹ بار ایٹ لا ۔ لاہور کا نام درج ہے

۲۔ ۱۹۳۲ء میں علامہ نے انگلستان میں فرمایا تھا کہ برطانیہ کے ساتھ مسلمانوں نے ہمیشہ پر خلوص اور وفاشعاری کے تعلقات استوار رکھے ہیں --- یہی بات "بیگم ہز ایکسی لینسی وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن" نے جوبلی فنڈ کی تحریک کرتے ہوئے کہی: آپ نے اپنی اپیل میں کہا:-

"دیکھنے کی بات ہے کہ اس اپیل پر وہ ہندوستان جہاں ۱۴۶ زبانیں بولی جاتی ہیں ۔ مختلف مذاہب ایک دوسرے سے تصادم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ طریق بود و باش ۔ لباس کی تراش خراش الگ الگ ہے ۔ اور رسم و رواج علیحدہ علیحدہ ہے ..... ہر ریلوے سٹیشن پر ہندو ریفرشمنٹ روم اور مسلم ریفرشمنٹ روم ۔ ہندو چائے اور مسلم چائے کے نظارے موجود ہیں .... باوجود ان تمام اختلافات کے اور باوصف ان تمام مختلف خیالات کے صرف ایک اصول پر (..... ہندوستان) بالکل متفق نظر آتا ہے ۔ وہ کیا؟ **شاہ پرستی** ۔ آئین وفاداری اور گورنمنٹ سے تعاون کرنے میں ... **مسلمان** سب سے زیادہ دعوے دار ہیں ۔ اور بخلاف ان کے حکام پر نکتہ چینیاں کرنے والے آزاد ہندو..... بہت بڑھے ہوئے ہیں (ایضا صفحہ ۴۸۰) ص ۶۵

وہابی یا اہل حدیث

شائستہ حکومتوں کا قاعدہ ہے کہ جو فرقہ اپنے لئے جس نام کا خواہاں ہو۔ اسے اسی نام سے مخاطب کیا جائے۔ اہل حدیث فرقہ کے ایڈووکیٹ مولوی محمد حسین بٹالوی نے کل ممبران پنجاب و ہندوستان کی طرف سے ۱۳ر اپریل و ۲۶ مئی ۱۸۸۶ء گورنمنٹ کو درخواست دی کہ "وہابی کا لفظ عموماً گورنمنٹ انگریزی کے باغی و نمک حرام کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ادھر یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔ کہ ہم "سرکار کے نمک حلال اور خیر خواہ ہیں۔"

"۔ اس لئے اس فرقہ کے لوگ اپنے حق میں "وہابی" کے لفظ کے استعمال پر سخت اعتراض کرتے ہیں۔ اور کمال ادب و انکسار کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ سرکاری خط و کتابت میں ہمارے لئے "وہابی" کے لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم صادر کرے۔"

بٹالوی صاحب، اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں مذکورہ درخواست کی نقل درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ۱۸۸۸ء میں گورنمنٹ نے "خاکسار کی درخواست کو قبولیت سے اعزاز بخشا اور اپنے اپنے صوبجات میں (گورنروں نے) و پنجاب کے مطابق ممانعت لفظ "وہابی" کا فرمان نافذ فرمایا۔"

مثلاً دیکھئے۔ گورنمنٹ بمبئی کا حکم نامہ پولیٹکل ڈیپارٹمنٹ نمبر ۲۲-۵۷ ۲۴ اگست ۱۸۸۸ء۔ دستخط ڈبلیو لی واز

گورنمنٹ مدارس کا حکم نامہ چٹھی نمبر ۱۲۳۷ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۸۸۸ء --- دستخط بی ایف پرائس

سرسید احمد خاں کا تبصرہ

اس درخواست کا حوالہ دے کر سرسید احمد خاں نے "علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بابت ۲ر فروری ۱۸۸۹ء میں لکھا:۔

"--- انگلش گورنمنٹ، ہندوستان میں اس فرقہ کے لئے جو "وہابی" کہلاتا ہے۔ ایک رحمت ہے۔ .... جو سلطنتیں "اسلامی" کہلاتی ہیں۔ ان میں بھی وہابیوں کو ایسی آزادیٔ مذہب ملنا دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ سلطان کی عمل داری میں "وہابی" کا رہنا مشکل ہے۔ اور مکہ معظمہ میں تو اگر جھوٹ موٹ سے وہابی کہہ دے تو اسی وقت جیل جائے۔ تمام مسلمانوں کو

مولوی محمد حسین صاحب کا (اس کاوش کے لئے۔ ناقل) ممنون ہونا چاہئے۔(مقالات سرسید جلد ۹ ص ۲۱۱) (مقالات سرسید جلد سیزدہم ص ۲۷۴)

(نوٹ) فرقہ اہل حدیث کی یہ درخواست کہ ہم گورنمنٹ کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرنے والے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے قیام (۱۸۸۹ء) سے قبل کی ہے۔

راقم برادرم شیخ محمد اسلم صاحب صدر جماعت احمدیہ قصور کا ممنون ہے جنہوں نے کتاب میں اہل حدیث فرقہ کی وفاداری کا بھی ذکر کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

ترجمہ درخواست

اشاعۃ السنہ افس لاہور

(۲۹۴) ۳۰۲،۳ وغیرہ

۱۳ اپریل ۲۶ مئی وغیرہ وغیرہ

ازجانب ابوسعید محمد حسین لاہوری ایڈیٹر اشاعۃ السنہ و وکیل اہلحدیث

بخدمت صاحب سکرٹری گورنمنٹ (فلان و فلان صوبہ

صاحبمن

مین آپکی خدمتمین سطور ذیل کو پیش کرنیکی اجازت و معافی کا خواستگار ہون

(۲) سنہ ۱۸۸۶ء مین مینے ایک مضمون اپنی ماہواری رسالہ اشاعۃ السنہ مین شائع کیا جسمین اسبات کا اظہار تھا کہ لفظ وہابی جسکے عموماً باغی و نمکحرام کے معنے مین استعمال کیا ہے لہذا اس لفظ کا استعمال مسلمانان ہندوستان کے اس گروہ کے حق مین جو اہلحدیث کہلاتے ہین۔ اور وہ ہمیشہ سے سرکار کے نمکحلال و خیر خواہ رہے ہین۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی۔ اور سرکاری خط و کتابت مین تسلیم کیجا چکی ہے۔ مناسب نہین ہے اس فرقہ کے لوگ اپنے حق مین اس لفظ کے استعمال پر سخت اعتراض کرتے اور کمال ادب و انکسار کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہین کہ وہ سرکا

شرعی حوالوں کی مزید تفصیل

مصنف " زندہ رود " کی تحقیق کے مطابق برصغیر کے بیشتر مسلم قائدین ۱۹۱۱ء تک سرسید کے رستہ پر چلتے ہوئے انگریزی حکومت سے وفاداری کا دم بھرتے رہے۔ مصنف " دانائے راز " کے نزدیک یہ عرصہ ۱۹۱۹ء تک ممتد تھا۔ ۶۶ سے

ہم نے گذشتہ صفحات میں اس تحقیق میں یہ اضافہ پیش کیا ہے کہ سرسید نے وفاداری کے نظریہ کو شرعی حوالوں سے مزین کیا اور اس تمنا کا اظہار بھی کیا کہ امت مسلمہ پر انگریزوں کی اٹرنل یعنی دائمی حکومت قائم رہے۔ سرسید کی اس تمنا میں مولانا حالی اور اقبال' برابر کے شریک نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کون کون سی انجمنیں اے اور عمائدین تھے۔ جنھوں نے اس تڑپ کا اظہار کیا۔۔۔ اقبال کی طرح انگریز حاکموں کو ظل الٰہی یا سایہء خدا سمجھا۔۔ اور ان کی شکر گزاری کو **شرعی حوالہ** سے لازم قرار دیا۔ آئندہ سطور میں ہم ان جملہ امور کو تین شقوں میں تقسیم کر کے چند بیانات خلاصتہ " پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مسلم قائدین یا انجمنیں جو شرعاً انگریزی حکومت کی شکر گزار تھیں۔
۲۔ انگریزی حکومت کے (اٹرنل) یعنی دائمیت کے لئے مسلم شعراء کا دعائیہ کلام
۳۔ جنگ عظیم میں انگریزوں کی حمایت میں انگریزوں کی نگاہ میں عالم اسلام کا شاندار ریکارڈ

انگریزی حکومت کی شکر گزاری

> **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ**
>
> جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ حدیث نبویؐ

O۔۔ سرسید احمد خاں

" محسن کی احسان مندی ..... ٹھیٹھ رکن اسلام ہے۔ جس طرح

ہم کو اپنے خدائے پاک کا شکر ادا کرنا ہے۔ اسی طرح ہم کو اس انسان کا بھی شکر ادا کرنا ہے جس کا احسان ہم پر ہے ..... (پس) ہم دل سے **(انگریز) بادشاہ عادل کے** شکر گذار ہیں۔ " ۶۷

" آپ نے سنا ہو گا کہ ہمارے پیشوا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا کہا تھا۔ اس نے ہم کو ہدایت کی ہے کہ حاکم وقت' بادشاہ وقت کی اطاعت کرو۔ ولو کان عبداً جبشیا۔ ۶۸ ے

O۔۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی

مولوی صاحب (ایڈووکیٹ اہل حدیث) مشکوہ شریف کی حدیث درج کر کے تمام اہل اسلام کو نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ا۔ فرمایا۔ آنخضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے'
" جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا۔ وہ خدا کا بھی شکر نہیں کرتا" ۶۹ سے

یہ حدیث درج کر کے آپ انگریزی حکومت کی مدح اور ثنا خوانی لازمی قرار دیتے ہیں ۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنے رسالہ میں رقمطراز ہیں :۔

ب۔ " ملکہ معظمہ اور اس کی سلطنت کے لئے دعا' سلامت و حفاظت و برکت کرنا۔ وعلیٰ ہذاہ القیاس۔ ان امور سے کوئی بھی امر ایسا نہیں ہے۔ جس کے جواز پر **" شریعت کی شہادت "** نہ پائی جاتی ہو۔ ۷۰ سے

O۔۔ خواجہ الطاف حسین حالی

جناب حالی نے بھی مسلمانوں کو انگریزی حکومت کی اطاعت و شکر گزاری کی ترغیب دیتے ہوئے اسی حدیث نبویؐ کو بنیاد بنایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ۷۱ سے

شکر بندوں کا خدا کے جو نہیں کرتے ادا ۔ وہ نہیں لاتے بجا' شکر خدائے ذوالجلال ۷۲ سے

O۔۔ علامہ اقبال کے استاد

شمس العلماء مولوی سید میر حسن صاحب

علامہ اقبال کی نگاہ میں مولانا میر حسن صاحب کا مقام کیا تھا؟ فرماتے ہیں،

اسوہ رسول ﷺ پر صحیح معنوں میں اگر کسی شخص کا عمل ہے تو وہ مولانا سید میر حسن ہیں

آپ ہی کے متعلق علامہ نے فرمایا

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی   رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو ۷۲؎

مولوی میر حسن صاحب نے انگریزی حکومت کی اطاعت کے بارہ جو شرعی فتویٰ دیا اس کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر نعمت کا شکر کرنے کی تعلیم فرمائی ہے ۔ اور اپنے حکام وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کی ہدایت فرمائی ہے۔ پس جب (ہم) حکام وقت کی اطاعت کریں اور اس نعمت عظمیٰ کا شکر کریں تو ہم اپنے پاک رسول صلعم کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں ..... ہمارے شفیع و رہنما حضرت رسول مقبول صلعم، عادل بادشاہ کو " ظل اللہ " کے لفظ سے تعبیر فرماتے ہیں اور عادل بادشاہ کے زمانہ میں جو مذہبا مجوسی تھا اپنے پیدا ہونے پر فخر کرتے ہیں اور **لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس** فرما کر انسان کے شکر گزار کو خدا کا شکر گزار ثابت کرتے ہیں۔ تو ہم کو اپنی مہربان (انگریز) عادل علیا حضرت قیصرہ ہند کے وجود باجود کو نعمت الٰہی سمجھنا اور اس کے اوصاف جمیلہ کا تذکرہ کرنا اور اس کے عہد میں پیدا ہونے پر فخر کرنا اور اس کے زیر سایہ امن کے ساتھ رہنے کا شکر ادا کرنا موجب سعادت دارین ہے۔ ۷۳؎

راقم عرض کرتا ہے کہ اس ضمن میں علامہ کے استاد نے آیت

و اما بنعمۃ ربک فحدث

کو بھی بطور الہامی سند کے پیش فرمایا ہے ۷۴؎ اور ملکہ وکٹوریہ کو " شاہ عادل سایہ ء لطف حق ست " کہا ہے۔ بعد میں اقبال نے " سایہ ء خدا " قرار دیا۔

O ـــ سجادہ نشین خانقاہ

حضرت غوث بہاء الحق قدس سرہ، فرماتے ہیں۔

" ـــ گورنمنٹ برطانیہ نے اپنے دوران سلطنت میں ہماری دینی اور روحانی ترقی میں

جو نمایاں حصہ لیا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ پس ہم کو۔ **من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ** کے الزام سے بچنے کے لئے لازم ہے کہ اپنی **محسن گورنمنٹ** کے حق میں خاص مواقع پر صدق دل سے دعا کریں۔ ۷۵؎

O ـــ انجمن حمایت اسلام

اس انجمن کا قیام ۱۸۸۴ میں عمل میں آیا تھا۔ انجمن حمایت اسلام کے اجلاسوں میں انگریز ملکہ کو اسلامی تعلیم کے حوالے سے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے متعدد بار " سایہ حق۔ ظل اللہ اور ظل سبحانی " قرار دیا گیا۔ مثال کے طور پر ملکہ کی وفات پر ایک مرثیہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ جو انجمن کے سالانہ اجلاس میں پڑھا گیا۔

کر گئیں رحلت جہاں سے آسماں پر ہائے ہائے

دے گئیں صدمہ دل اہل جہاں پر ہائے ہائے

بادب یوں ہیں کھڑے سب لاش شہنشاہ پاس۔ جس طرح مدھم ستارے صبحدم ہوں ماہ پاس

سایہ حق ہے نگہبانی کو ظل اللہ پاس۔ حاضر خدمت قدیمانہ ہے عزو جاہ پاس

سایہ حق ان پہ تھا خود ظل سبحانی تھیں یہ

سارے عالم میں بڑی یکتا مہارانی تھیں یہ

صدر اجلاس شمس العلماء مولانا مفتی عبداللہ ٹونکی تھے آپ فقہ اسلامی کے بہت بڑے ماہر مانے جاتے تھے۔ اس دور میں عام طور پر انجمن کے اجلاسوں میں شرکت کرنے والی شخصیات میں حالی۔ شبلی۔ اکبر الہ آبادی۔ مولانا ابو الکلام آزاد، گرامی۔ خواجہ حسن نظامی۔ مولانا سلیمان پھلواری، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ثناء اللہ اور مولانا نذیر احمد دہلوی شامل تھے۔

O ـــ الندوہ

ندوہ میں گورنر آگرہ و اودھ کی آمد پر مولانا شبلی نے اسلامی تعلیم کے حوالے سے فرمایا :۔

"گورنمنٹ کی وفاداری اور خیر خواہی کو ہم اپنا دینی فرض سمجھتے ہیں۔" ۷۶؎

گورنر کی جوابی تقریر

گورنر نے بھی جوابی ایڈریس میں مسلمانوں کی شرعی تعلیم کا حوالہ دیتے ہوئے کہا :۔

"۔ آپ لوگوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ اولوالامر یا حاکم وقت خدا ہی کے تعینات کردہ ہوتے ہیں اور کہ برٹش گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری و جانثاری آپ کا مذہبی فرض ہے ۔ ۷۷

O۔ دارالعلوم دیوبند

"۔ رسالہ " دیوبند کی سیر اور اس کی مختصر تاریخ " مطبوعہ یکم ستمبر ۱۹۱۷ء (پرنٹنگ ورکس دہلی) میں ہے :۔

"۔ ہر مومن مسلمان سے استدعا ہے کہ وہ گورنمنٹ عالیہ کے لئے کہ جس کے عہد حکومت میں ہر فرد بشر نہایت عیش و آرام سے اپنی زندگی بسر کر رہا ہے اور اس کی عطا کردہ آزادی کی بدولت اسلامی چمنستان سر سبز و بار آور ہے ۔ ضرور بالضرور ' دن اور رات ' اٹھتے بیٹھتے ' سوتے جاگتے ' غرض ہر لحظہ اور ہر ساعت میں دعا کریں ..... اے خدا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے (انہیں) مسند حکومت پر حکمران و قائم رکھ ۔ " ۷۸ ۔

شیعہ بھائیوں کی عقیدت

ایڈریس بنام گورنر آگرہ و اودھ

(پیسہ اخبار ۱۱ اپریل ۱۹۱۸ء ص ۵)

ہلنہ ہمیشہ رہ ہوتا ہے۔ اور یقیناً اس ہر متقہ بیت کم ہیں
رتا یہ ہماری جماعت کا حق ادا کر سکیں۔ اگر ہم ... تو
اکو اس امر کا یقین نہ دلائیں۔ کہ تمام ہندوستان کے
اہل تشیع عزم بالجزم و ارادہ صمیم و کامل مستعدی
سے تیار ہیں جان و مال اپنے عزیز و اقارب بیٹے
اپنی اولاد کی جانوں کو بغیر کسی قسم کی قیود کے
شہنشاہ اور اپنی گورنمنٹ کی خدمت میں پیش

(۲) انگریزی حکومت کی دائمیت کے لئے مسلم شعراء کا دعائیہ کلام

جماعت احمدیہ کی بنیاد ۱۸۸۹ء میں رکھی گئی ۔ پرانے اخبارات و رسائل کی ورق گردانی کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم شعراء نے قیام جماعت سے قبل اور بعد بھی اپنے ماحول کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے کثرت سے اپنی اس دلی تمنا کا اظہار کیا ہے ۔ کہ انگریزی حکومت کا سایہ دائمی طور پر ہمارے سروں پر قائم رہے ۔ اس ضمن میں راقم نے سینکڑوں صفحات کی ورق گردانی کی ہے ۔ نمونتہ " چند اشعار ملاحظہ ہوں :۔

۱۸۸۷ء ۔ قصیدہ دعائیہ جناب صغیر بلگرامی در مدح جشن جوبلی ۔ شاہ انگلستان

جہاں تک ' گل پہ بلبل ہو فدا ' گل میں رہے خوشبو
جہاں تک ' پیچ سنبل میں ہے ' سنبل صورتِ گیسو
جہاں تک ' دن کی شب ہو ' باغ میں شب کو کھلے شبو
جہاں تک ' راستی ہو سرو میں اور سرو ہو دلجو
مبارک جشن جوبلی قیصرِ ہندوستاں کو ہو
خوشی اس کی صغیر طالب اردو زباں کو ہو ۷۹ ۔

۱۸۸۷ء ۔ قصیدہ اردو من نتائج طبع جناب خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

گو منتِ قیصر سے ہے ہر قوم گراں بار
احسان ' مسلمانوں پہ ہیں اس کے گراں تر
اب یہ ہے دعا حق سے کہ آفاق میں جب تک
آزادی ء افکار حکومت کے ہیں جوہر
قیصر کے گھرانے پہ رہے ' سایہ ء یزداں
اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایہ ء قیصر

۱۹۰۲ء ۔ ندوہ العلماء ۔ اجلاس نہم ۔ اکتوبر ۱۹۰۲ء بمقام امرتسر ۔

ہے رحیم و مہرباں ہم پر ہماری گورنمنٹ
ظلِ سبحانی ہے سر تا سر ہماری گورنمنٹ

اس کے سایہ میں ملی ہے ہم کو آزادی کمال
اے خدا ہر دم بلند اس کا رہے جاہ و جلال

۱۹۰۳ء۔ یادگار دربار تاجپوشی شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم دام اقبالھم

مولفہ مولوی فیروز الدین مالک اخبار مشیر ہند

ظل اللہ دیکھتے ہیں ، ہے جبین شاہ میں
شان و شوکت میں تری پاتے ہیں شان ایزدی
بعد طاعت کے اطاعت فرض ہے اسلام میں
دین و ایماں ہے ہمارا شہ کی فرماں بری
سایہ ء دولت میں تیرے ہیں کروڑوں کلمہ گو
تیری اسلامی حکومت ہے شہا سب سے بڑی
شکر احساں ہے دلوں میں اور لبوں پر یہ دعا
تا ابد قائم رہے یہ تخت و تاج قیصری

۸۰؎

۱۹۰۹ء۔ روزنامہ پیسہ اخبار۔ لاہور

جب تک چمن دہر الٰہی رہے قائم
اور پھولتا جب تک رہے نسرین و گل و لالہ
دائم رہے سر پر مرے ایڈورڈ کا سایہ
ہو جاہ و حشم دولت و اقبال دوبالا

۸۱؎

۱۹۱۵ء۔ روزنامہ پیسہ اخبار لاہور

ہر دم یہی دعا ہے کہ جب تک جہاں رہے
بس فتح مند قیصر ہندوستاں رہے۔
سکہ جہاں میں شہ کا ہر سورواں رہے

فتنہ فساد دور ہو امن و اماں رہے

۸۲؎

۱۹۱۸ء۔ شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کا کلام۔

انگریزی حکومت کی دائمیت کے لئے دعا

جب تک چمن کی جلوہ گل پہ اساس ہے
جب تک فروغ لالہ ء احمر لباس ہے
جب تک نسیم صبح ، عنادل کو راس ہے
جب تک کلی کو قطرۂ شبنم کی پیاس ہے
قائم رہے حکومت آئیں اسی طرح
دبتا رہے چکور سے شاہیں اسی طرح ۸۳؎

ظاہر ہے علامہ اقبال ، اپنے علو فکر سے انگریزی حکومت کی دائمیت کے لئے دلی تمنا کے اظہار میں سب پر سبقت لے گئے ہیں :-

جنگ عظیم میں عالم اسلام کا شاندار ریکارڈ (۱۹۱۹ء)

جماعت احمدیہ کے قیام کے ۳۰ سال بعد کی کیفیت

پیسہ اخبار مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے :-

" - لندن کے اخبار ڈیلی گریفک میں مندرجہ بالا عنوان کے ماتحت ایک دلچسپ مضمون میں مسٹر (ایف اے ڈی وی آر) F.A.D.V.R نے دنیا کے مسلمانوں کی ان شاندار خدمات کے لئے خراج تحسین ادا کیا گیا ہے - جو انہوں نے اس جنگ عظیم میں دول متحدہ کی ' کی ہیں -

شاید جنگ کا دوسرا سال اب جا رہا تھا - جبکہ پیسہ اخبار نے ایک لیڈنگ آرٹیکل میں اسی عنوان پر بحث کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ دنیا کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا حصہ سوائے ترکوں کے قریباً تمام مسلمان دول متحدہ کی حمایت میں لڑ رہے ہیں ... انگلستان - فرانس - روس - اٹلی وغیرہ کے ماتحت دنیا کے **مسلمانوں کا جزو اعظم** آباد تھا کہ جو اپنی اپنی سلطنتوں کی تعمیل حکم وفاداری کر رہا تھا - ان کے علاوہ راقم الحروف (مولوی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار - ناقل) نے لندن میں جرنلسٹس انسٹی ٹیوٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے بھی بتلا دیا تھا کہ دنیا کے مسلمانوں کا جزو اعظم ' اتحادیوں کی طرف سے لڑتا رہا ہے - ۲ -

چنانچہ آج اس ڈیلی گریفک کے مضمون میں پیسہ اخبار کے اسی خیال کی تائید کی گئی ہے -

" اخبار گریفک " موجودہ جنگ (۱۹۱۸ء) کے حوالے سے لکھتا ہے -

" ایک لحہ کے غور کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانان عالم کا بڑا حصہ اتحادیوں کا طرف دار تھا چھ کروڑ مسلمانان ہندوستان ' شاہ جارج قیصر ہند کے ولی وفادار ہیں جو اس وقت قیصر کے نام والا اکیلا تاجدار جنگ کے بعد باقی رہ گیا ہے - "

تراشہ پیسہ اخبار - لاہور

یکلخور کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ مسلمانان عالم کا بڑا حصہ اتحادیوں کا طرفدار تھا
چھ کروڑ مسلمانان ہندوستان شاہ جارج قیصر ہند کے دلی وفادار ہیں

" - پنجاب کے مسلمان اور صوبہ سرحد شمال مغربی کے پٹھان سب سے بہادر سپاہی تھے ... ۱۵-۱۹۱۴ء میں پہلا ہندوستانی ' وکٹوریہ کراس کا تمغہ پانے والا ایک مسلمان حوالدار خداداد خاں نامی تھا اور دوسری جنگ عظیم میں بھی اعلیٰ انعام بہادری (یعنی تمغہ وکٹوریہ کراس) ایک پٹھان جمعدار میر دوست محمد نے حاصل کیا - پٹھانوں اور پنجابی مسلمانوں کی اخبارات میں وہ دھوم نہیں مچائی گئی جیسی کہ سکھوں اور گورکھوں کی مچائی گئی --- بطور سپاہیوں کے وہ حریفوں سے ذرا کم بہادر نہ تھے --- اسی طرح پنجاب - ہندوستان اور دکن کے مسلمان انتہائے بہادری سے ' فلسطین اور عراق عرب میں داد مردانگی دیتے رہے - ایسے ہی ہمیں شمالی افریقہ کے فرانسیسی مقبوضات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے -

الجیری - تینگال اور مراکش کے مسلمان تمام دوران جنگ میں فرانس اور ڈنلز میں بہادری سے لڑتے رہے ہیں برٹش افریقین رجمنٹوں میں بھی زیادہ تر مسلمان حبشی ہی شریک تھے - اور وہ ' مشرقی افریقہ - ٹوگولینڈ ' کولیروی میں نہایت بہادری سے لڑتے رہے ہیں -

جب تک کہ روس دوست رہا - اس کی وسیع مسلمان آبادی ' مضبوطی سے جنگ میں مددگار رہی - چین بھی دول متحدہ کا دوست ہے - اور اس کے ایک بہت بڑے صوبہ کانسو میں صرف مسلمان آباد ہیں ... فی الجملہ تمام عالم اسلام میں سے ٹرکی نے ہی دشمن کی تائید کی - اس لئے " اسلام " کو اپنے ریکارڈ پر نازاں ہونا چاہئے -

ہندوستانی - مصری ' عرب ' الجیرین ' مورا اور ہاسا مسلمانوں نے یکساں قیصر جرمنی کو ذلیل کرنے میں ہاتھ بٹایا ہے - کہ جس نے ایک وقت اپنے آپ کو " محافظ عالم اسلام " مشتہر کیا تھا -

ڈیلی گریفک کا اداریہ درج کر کے اس پر پیسہ اخبار لکھتا ہے :-

یہاں تک ڈیلی گریفک کے مضمون کا ترجمہ ہے - جو پیسہ اخبار کی رائے کی پوری تائید کرتا ہے (اداریہ ۲۵ ر فروری یوم سہ شنبہ ۱۹۱۹ء)

واضح رہے کہ اس دور میں پیسہ اخبار لاہور ' اسلامیان ہند خصوصاً شمالی ہند کے مسلمانوں کے جذبات کا ترجمان سمجھا جاتا تھا -

باب نمبر۴

۔حواشی۔

۱۔ زندہ رود ص ۲۹۰

۲۔ ایضاً ص ۵۸

۳۔ سر سید احمد خاں کی کہانی سر سید احمد خاں کی زبانی از الطاف حسین حالی مولفہ ضیاء الدین لاہوری ص ۱۷ مطبوعہ ۱۹۸۲ء

ملکہ کا الہامی اشتہار:

یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو الہ آباد کے دربار میں ملکہ وکٹوریہ کا جب اعلان عام شائع ہوا کہ

"۔ مذہبی عقیدہ اور رسوم کی بنا پر نہ تو کسی کو رعایت کا مستحق سمجھا جائے نہ کسی کو تنگ کیا جائے ..... قانون کی نظر میں عام لوگ غیر جانبدار رنگ میں پوری حفاظت کے حقدار ہوں گے۔"

تو سر سید نے لکھا:۔

"۔ بے شک ہماری ملکہ معظمہ کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے۔ بے شک یہ پرچم اشتہار الہام سے جاری ہوا ہے۔" (مقالات سر سید حصہ نہم ص ۱۰۶ مطبوعہ ۱۹۶۲ء انجمن ترقی ادب لاہور)

۴۔ سر سید احمد خاں کا سفرنامہ پنجاب ص ۶۵۔ مجلس ترقی ادب لاہور

۵۔ پرچہ ۲۲ر جون ۱۹۱۱ء

۶۔ ص۔ ۲۹۰

۷۔ ص ۵۸۴

۸۔ ص ۳۹۹

۹۔ سرود رفتہ ص ۱۸۴

۱۰۔ کتاب یادگار دربار دہلی تاجپوشی ۱۹۱۱ء مولفہ منشی دین محمد ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور ص ۵۰۷

۱۱۔ دانائے راز ص ۳۶۱ از سید نذیر نیازی ۱۹۷۹ء۔ اقبال اکادمی پاکستان

۱۲۔ رسالہ جولائی ستمبر ۱۹۸۸ء ص ۱۳۔

۱۳۔ سرود رفتہ ص ۱۷۶ از مولانا غلام رسول مہر

۱۴۔ مکتوبات اقبال بنام محمد دین فوق۔ کلیات مکاتیب اقبال جلد اول ص ۱۶۸ مرتبہ سید مظفر حسین برنی شائع کردہ اردو اکادمی۔ دہلی

۱۵۔ ایضاً ص ۱۸۴ سرکلر بنام اراکین انجمن کشمیری مسلماناں

۱۶۔ پرچہ ۲۱ر جولائی ۱۹۱۵ (۱۹۱۰ء کی یہ رائے ۱۹۱۵ء کے پرچہ میں دوبارہ شائع ہوئی)

۱۷۔ تفہیم القرآن جلد پنجم از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی المجادلہ ۵۸ : ۹۔ علامہ نے لکھا کہ اگر ایسی کانفرنس ہو تو اسے اسلامی ملکوں کی پالیٹکس سے بالکل علیحدہ رکھا جائے۔ اور اس کی تجاویز صرف سوشل اور مذہبی اصلاح تک محدود ہوں۔ آپ نے ساتھ ہی اس اندیشہ کا اظہار فرمایا کہ دنیا کی گورنمنٹیں اسے بدظنی کی راہ سے دیکھیں گی۔ اس لئے مجموعی طور پر آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اس میں شرکت سے احتراز کی صلاح کی۔

۱۸۔ سرود رفتہ

۱۹۔ پرچہ ۲۲ر جون ۱۹۱۱ء

۲۰۔ پرچہ ۲۴ر جون ۱۹۱۱ء ص ۷

۲۱۔ زندہ رود ص ۲۹۰

۲۲۔ پرچہ ۲۱ جولائی ۱۹۱۵ء

۲۳۔ پیسہ اخبار ۵ر مئی ۱۹۱۸ء

۲۴۔ پیسہ اخبار ۱۱ر مئی ۱۹۱۸ء

۲۵۔ پیسہ اخبار ۵ر مئی ۱۹۱۸ء

۲۶۔ India As I Knew it
By -- Sir Michael O'Dwyer
London Constable and Co.
Ltd. (1925) Page 415

۲۷۔ ایضاً ص۔ ۲۱۵

۲۸۔ ایضاً ص ۲۱۸

۲۹ ۔ زندہ رود ص ۳۹۸

۳۰ ۔ ایضاً ص ۳۹۹

۳۱ ۔ ایضاً ص ۴۰۰

۳۲ ۔ زندہ رود ص ۳۹۹

۳۳ ۔ کلیات نظم حالی جلد نمبر ا ص ۲۷۰ ۔ حالی کا یہ قصیدہ ۱۸۸۷ء میں انجمن اسلامیہ لاہور کی طرف سے ایک سپاسنامے کے ساتھ ملکہ وکٹوریہ کے حضور پیش کیا گیا تھا۔

۳۴ ۔ رسالہ معارف پانی پت جنوری ۱۹۰۱ء مرثیہ ملکہ وکٹوریہ

۳۵ ۔ زندہ رود ص ۵۹۰

۳۶ ۔ از سید نذیر نیازی ص ۳۶۱ (مطبوعہ ۱۹۷۹ء)

۳۷ ۔ زندہ رود ص ۴۰۰

۳۸ ۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ تہذیب الاخلاق ۲۴ جولائی ۱۸۹۷ بحوالہ کشف الغطا حاشیہ ص ۹۔۱۰ تصنیف بانی تحریک احمدیہ

۳۹ ۔ الفضل ۷ ر جولائی ۱۹۳۲ء ۔

۴۰ ۔ ڈاکٹر ٹیگور کو بھی خطاب ملا تھا مگر انہوں نے واپس کر دیا ۔ (زندہ رود جلد نمبر ۲ ص ۲۷۰)

۴۱ ۔ برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ صفحہ ۳۵۸

۴۲ ۔ زندہ رود ص ۲۹۱

۴۳ ۔ اقبال اور سیاست ملی ۔ صفحہ ۲۷۳

۴۴ ۔ "مظلوم اقبال" مطبوعہ ۱۹۸۵ء شیخ اعجاز احمد ص ۳۱۴)

۴۵ ۔ اخبار بندے ماترم بحوالہ زندہ رود جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۷۰

۴۶ ۔ صحیفہ اقبال نمبر ۲ مجلس ترقی ادب لاہور ۔ شمارہ جنوری ۔ فروری ۱۹۷۸ء ص ۱۳۲

۴۷ ۔ (ایضاً ص ۳)

۴۸ ۔ اقبال نے نہ صرف خود خطاب وصول کیا بلکہ اپنے استاد مولانا میر حسن کی سفارش کر کے انہیں بھی "شمس العلماء" کا خطاب دلوایا ۔ (زندہ رود جلد نمبر ۲ ص ۲۷۰)

۴۹ ۔ ایضاً ص ۲۵۷

پنجاب کونسل میں چودھری محمد ظفر اللہ خاں کی آواز کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی ۔ ادھر مصنف زندہ رود کے مطابق :-

"--- "علامہ کی تقریریں بحیثیت مجموعی واویلا ثابت ہوئیں یا نقار خانہ میں طوطی کی آواز" (زندہ رود صفحہ ۳۰۶) ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ---- "علامہ کو اسمبلی میں کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ اول تو آپ آتے ہی دیر سے تھے ۔ وہ تو کوئی خاص بات نہ تھی کیونکہ شروع میں سوالات کا وقفہ ہوتا تھا مگر پھر جلدی اٹھ کر چلے جاتے تھے ۔ ان کو بار بار روکنا پڑتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ! رک جائیں ۔ فلاں رائے شماری ہونے والی ہے ۔ تو آپ اکثر نہ رکتے ۔ کہتے ۔ کیا ہو جائے گا ۔ میری ایک رائے سے کیا فرق پڑ جائے گا ۔ " (تلخیص بیان چودھری محمد ظفر اللہ خاں ' ماہنامہ انصار اللہ نومبر دسمبر ۸۵ ص ۱۰۲) حالانکہ ملی مفاد کے نکتہ نگاہ سے بعض مسائل بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں ۔ اور بعض مواقع پر تو ایک ایک ووٹ بڑا قیمتی ہوتا ہے --- " سر فضل حسین نے علامہ کی نشست چوہدری صاحب کی نشست کے ساتھ ترتیب دے رکھی تھی تاکہ آپ ' علامہ کو وقت پر آنے اور وقت سے پیشتر نہ جانے کی طرف توجہ دلاتے رہیں ۔ " (ایضاً)

۵۰ ۔ مظلوم اقبال ص ۳۵۵

۵۱ ۔ روزگار فقیر نقش اول ص ۱۷۳ مطبوعہ ۱۹۵۰

۵۲ ۔ حرف اقبال ص ۸۹

۵۳ ۔ بحوالہ مضامین محمد علی جوہر حصہ دوئم مرتبہ محمد سرور مکتبہ جامع دہلی ۱۹۳۰ء ۔

۵۴ ۔ انگریزوں کی گود میں گھسنا اور ان کی وفاداری کا حلف اٹھانا وغیرہ ۔ علامہ کے اس محکومانہ کردار کی مصنف زندہ رود نے یوں تصویر کشی کی ہے لکھتے ہیں ۔

" ۔ اقبال کو احساس ہوا کہ مسلمانوں کے بیشتر رہنما انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے ہی کو اپنا مقصد حیات سمجھتے ہیں ۔ اس لئے اقبال ' ان سے کٹ گئے ۔ (زندہ رود ص ۲۹۲)

۵۵ ۔ روزنامہ امروز ۲۲ ر اپریل ۱۹۷۵ء

۵۶ ۔ نوائے وقت لاہور اقبال ایڈیشن اپریل ۱۹۷۵ء

۵۷ ۔ مورخہ ۳۰ ر جولائی ۱۹۳۰ء سول اینڈ ملٹری گزٹ بحوالہ حرف اقبال ص ۱۲۶ ۔

۵۸ ۔ مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ ص ۹۶ مطبوعہ ۱۹۲۸ ۔ قادیان

۵۹ ۔ اس وقت مجلس ندوۃ العلماء کا ماہوار علمی رسالہ الندوہ (دسمبر ۱۹۰۸) ہمارے سامنے ہے ۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

"- ہز آنر لیفٹنٹ گورنر بہادر ممالک متحدہ نے منظور فرمایا تھا کہ وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سنگ بنیاد اپنے ہات سے رکھیں گے - یہ تقریب ۲۸ ر نومبر ۱۹۰۸ء کو عمل میں آئی .... معزز شرکاء جلسہ میں علماء میں سے مولوی مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی ...... مولوی شاہ سلیمان صاحب پھلواری ..... مولوی مسیح الزمان خان صاحب استاد حضور نظام اور ارباب وجاہت میں سے جناب آنریبل راجہ صاحب محمود آباد - صاحبزادہ آفتاب احمد خاں - شیخ عبدالقادر بیرسٹر - خان بہادر ، سید جعفر حسین صاحب - سیکرٹری صاحب انجمن حمایت اسلام ..... جلسہ میں شریک تھے -

" ارکان انتظامیہ ندوہ ہز آنر کے استقبال کے لئے لب فرش ، دو رویہ صف باندھ کر کھڑے ہوئے ، کمشنر صاحب لکھنؤ نے سیکرٹری دارالعلوم شبلی نعمانی کو لیفٹنٹ گورنر صاحب بہادر سے ملایا ..... ہز آنر سرخ باناتی کے خیمہ میں لیڈی صاحبہ کے ساتھ چاندی کی کرسی پر رونق افروز ہوئے - " صفحہ ۲-۳

الندوہ کا سنگ بنیاد و دارالعلوم ندوۃ العلماء -

حیرت انگیز عظیم الشان جلسہ

مولانا شبلی تحریر فرماتے ہیں :-

"- ہماری آنکھوں نے حیرت فزا تماشاگاہوں کی دلفریبیاں بارہا دیکھی ہیں ، جاہ جلال کا منظر بھی اکثر نظر سے گزرا ہے - کانفرنسوں اور انجمنوں کا جوش و خروش بھی ، ہم دیکھ چکے ہیں - وعظ و پند کے پراثر جلسے بھی ہم کو متاثر کر چکے ہیں - لیکن اس موقع پر جو کچھ آنکھوں نے دیکھا - وہ ان سب سے بالاتر ، ان سب سے عجیب تر ، ان سب سے حیرت انگیز تھا -

یہ پہلا موقع تھا کہ ترکی ٹوپیاں اور عمامے دوش بدوش نظر آتے تھے - یہ پہلا موقع تھا کہ مقدس (اسلامی - ناقل) علماء ، عیسائی فرمانروا کے سامنے دلی شکر گزاری کے ساتھ ادب سے خم تھے ... یہ پہلا موقع تھا کہ ایک مذہبی درسگاہ کا سنگ بنیاد ایک غیر مذہب کے ہات سے رکھا جا رہا تھا - مسجد نبوی کا ممبر بھی ایک نصرانی نے بنایا تھا -- " (صفحہ ۱-۲)

عربی ایڈریس میں کہا گیا :- "مذہبی رواداری حکومت انگریزی کا خاصہ ہے (الندوہ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۴)

"- ہم اس یقین پر قائم ہیں جیسا کہ ان کی حکومت سے وفاداری مسلم ہے - ان پیدا ہونے والے علماء کے ذریعہ سے وہ حکومت کی اطاعت اور فرماں برداری میں زیادہ ہو جائیں گے (ایضاً صفحہ ۷)

نومبر ۱۹۰۸ء کے پرچہ میں ہے -- " ہز آنر نے ایڈریس کے جواب میں جو اسپیچ دی - اس کا ایک ایک حرف ندوہ کے لئے آب حیات ہے - " (صفحہ ٦) مرتبہ - مولانا شبلی نعمانی - مولوی حبیب الرحمٰن خان صاحب شیروانی

۶۰ - اقبال ریویو - مجلہ اقبال اکادمی جولائی اکتوبر ۱۹۷۷ء ص ۹۴

۶۱ - خط محررہ ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء بنام راغب احسن - جہان دیگر ص ۵۹

یہاں ضمناً یہ ذکر بھی کر دیا جائے کہ علامہ اقبال تو نادر شاہ کو " شہید اور خدا پرست بادشاہ " کہتے ہیں - مگر مولانا ظفر علی خاں ، شاہ کی مخالفت میں زمیندار اخبار کے صفحے کے صفحے سیاہ کر رہے ہیں - " کابل میں چار بادشاہ " کے مصنف لکھتے ہیں کہ مولانا " بجائے شریفانہ اور معقول اظہار اختلاف کے رکیک اللفظی سے بھی اجتناب نہیں کر رہے " - دونوں قائدین کا شاہ کے بارے میں اتنا متضاد رویہ کیوں ہے شاید علامہ کا درج ذیل خط بنام " راغب احسن " اس معمہ کی عقدہ کشائی کرتا ہے -

علامہ لکھتے ہیں :-

ڈیئر راغب صاحب

۲۴ نومبر ۱۹۳۳ء

"- افغانستان میں امن و امان ہے - افغان پارلیمینٹ نے قرآنی الفاظ میں امان اللہ (سابق شاہ افغانستان - ناقل) کے خلاف یہ ریزولیوشن پاس کیا ہے - انہ لیس من اھلک پنجاب کے اخبار محض اس وجہ سے امان اللہ کے حق میں پراپیگنڈا کر رہے ہیں کہ موجودہ افغان حکومت نے ان کی ان تمام درخواستوں کو رد کر دیا ہے جو انہوں نے روپے کے واسطے کی تھیں - مجھے اس کا ذاتی علم ہے - اور میں نے وہ درخواستیں خود پڑھی ہیں - " (اقبال ، جہان دیگر ص ۶۱)

جناب شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان میں لکھتے ہیں :-

جلالتہ الملک ابن سعود نے مولانا غلام رسول مہر سے کہا تھا :-

"۔ زمیندار، قلیل الفکر، جلد باز اور دیانت کے وقت ڈول جانے والا جریدہ ہے۔" (ہفت روزہ چٹان ۱۹ مئی ۱۹۵۲ء)

۶۲۔ اقبال کا خط محررہ ۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء بنام تھامسن اقبال کے سیاسی نظریات چوراہے پر۔ ص ۷۱

۶۳۔ کتاب "مصور یادگار" شہنشاہ جارج پنجم و ایڈورڈ ہشتم۔ شائع کردہ فیروز سنز۔ ۱۱۹ سرکلر روڈ۔ لاہور

۶۴۔ ان حقائق کی موجودگی میں مصنف زندہ رود یہ دعوٰی بھی کرتے ہیں کہ علامہ نے عملی سیاست میں اس لئے حصہ لیا تھا تا مسلمانوں کو انگریزوں.... کے مقابلہ میں کھڑا کیا جا سکے (صفحہ ۲۹۲)

۶۵۔ کتاب مصور یادگار، شہنشاہ جارج پنجم۔ شائع کردہ فیروز سنز، لاہور

۶۶۔ مسلمانوں کے دو عظیم فرقوں "احناف" اور "شیعہ" نے اسے (یعنی گورنمنٹ انگریزی کو۔ ناقل) کامل وفاداری کا یقین دلایا اور گورنمنٹ بھی ان دونوں فرقوں کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہو گئی اور یہ سب کچھ ۱۸۷۰ء تک ہو چکا تھا (اہل حدیث پرچہ الاعتصام ۹ر اکتوبر ۱۹۷۰ء)

۶۷۔ خطبات سرسید احمد جلد اول ص ۱۹۲۔ ترقی ادب لاہور

۶۸۔ سرسید احمد خاں کا سفرنامہ پنجاب ص ۶۵

۶۹۔ اشاعۃ السنہ نمبر ۲ جلد نمبر ۱۱ مضمون اہل حدیث اور گورنمنٹ ۱۸۸۸ء

۷۰۔ اشاعۃ السنہ نمبر ۱ جلد نمبر ۱۰ ۱۸۸۸ء

۷۱۔ رسالہ معارف پانی پت جنوری ۱۹۰۱ء مرثیہ ملکہ وکٹوریہ

۷۲۔ ملفوظات اقبال صفحہ ۴۵۸

۷۳۔ ۷۴۔ شمس العلماء مولانا سید میر حسن کے حیات و افکار شائع کردہ اقبال اکیڈمی۔ پاکستان بحوالہ روئداد جلسہ عام ۱۸۹۷ء، صفحہ ۷۹۔ ۸۰

۷۵۔ پیسہ اخبار لاہور ۲۲ر اگست ۱۹۱۵ء

۷۶۔ اخبار وکیل نمبر ۷۳۔ ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء

۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ پرنٹنگ ورکس دہلی شوال المکرم ۱۳۳۵ھ۔ محمد رفیع عفا اللہ عنہ)

۷۹۔ کتاب تحفہ جوبلی از منشی عبدالکریم صفحہ ۱۲۸

۸۰۔ ص۔ ۳۶۳

۸۱۔ پرچہ ۲۴ر اپریل ۱۹۰۹ء

۸۲۔ ایضاً ۱۳ر اگست ۱۹۱۵ء

۸۳۔ سرود رفتہ

قائداعظم محمد علی جناح کے نظریات وفاداری

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر (قائداعظم) محمد علی جناح تھے۔ پیسہ اخبار لاہور اپنی اشاعت ۲ر جنوری ۱۹۱۷ء، صفحہ ۵ پر لکھتا ہے۔

"۔ اجلاس مسلم لیگ لکھنؤ کی کارروائی قرآن پاک کی تلاوت سے شروع کی گئی۔ صدر نشین کمیٹی نے فرمایا۔ "تاریخ کے سب سے بڑے جنگ کو شروع ہوئے دو سال گزر چکے ہیں۔ اور میں شہنشاہ کے قائمقام کو جو ہندوستان میں ہے یقین دلاتا ہوں کہ .... مسلمانوں نے وفاداری کے ساتھ اس بوجھ کے بٹانے میں حصہ لیا ہے۔ اور اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب یہ خیال کیا جائے کہ ہندوستان کے مسلمان خوشی سے اپنے خلیفہ کے برخلاف برطانوی سلطنت کی حمایت میں لڑ رہے ہیں۔"

British Official Photo

Indian Soldiers of the Mohammedan Faith at Prayer during the Mesopatamian Compaign.

One of the striking Features of the War was the Mesopotamian Compaigns conducted largely with troops Recruited from India, in which Mohammedans Loyal to the British cause fought bravely against their-Brother Mohammedans the turks.

جنگ عظیم اول کے متعلق شائع ہونے والے ایک انگریزی رسالہ کا ورق

سیاسی بیداری کا دور اور علامہ اقبال

سیاسی بیداری کا دور ۱۹۱۹ء سے شروع ہوا۔ جب ۱۹۲۷ء میں یہ دور اپنے عروج کی منازل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تو علامہ اقبال نے ۳ر جنوری ۱۹۲۷ء کو انگریزوں کی اطاعت و وفاداری کا دم بھرتے ہوئے مسٹر C.M.King CSI. CIE کی صدارت میں (Crown) تاج برطانیہ کا (Took the Oath of allegiance) حلف وفاداری اٹھایا۔ (دیکھئے آفیشل رپورٹ پنجاب لیجسلیٹو کونسل صفحہ ۴ جلد ۸ر 10)

ان حقائق کے باوجود

مصنف زندہ رود نے مذہبی آزادی کے موضوع پر اقوام متحدہ سیمینار جنیوا میں بیان دیتے ہوئے ۵ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو فرمایا۔

Ahmadies became absolutely "LOYAL" to the British while others struggling for independence

یعنی احمدی تو برٹش گورنمنٹ کے کلی طور پر وفادار تھے اور باقی کے لوگ حصول آزادی کی جدوجہد میں شریک تھے۔

باب نمبر۵

جماعت احمدیہ اور جہاد

مصنف زندہ رود کا موقف

جناب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال "زندہ رود" میں جماعت احمدیہ کے بانی پر نکتہ چینی کے انداز میں فرماتے ہیں کہ مرزا صاحب نے جہاد کے اسلامی حکم کو حرام قرار دے دیا۔ لکھتے ہیں:

"اپنے ابتدائی ایام میں ہی (تحریک کے بانی نے۔ناقل) جہاد کی حرمت کا اعلان کر رکھا تھا اور اس سے مراد یہ لی گئی کہ احمدیوں کے نزدیک 'انگریز کے ساتھ وفاداری کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ اس کے خلاف سیاسی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا بھی حرام قرار دیا گیا تھا۔"۱

جماعت احمدیہ نے سیاسی آزادی کی جدوجہد میں جو گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں ان کا ذکر تو ہم علیحدہ باب میں کر رہے ہیں۔ یہاں صرف مسئلہ جہاد کے بارے میں چند گذارشات پیش کرنا مقصود ہیں:۔

جہاد کبیر

حقیقت حال یہ ہے کہ قرآن مجید نے اشاعت تعلیم قرآنی یا دوسرے لفظوں میں تبلیغ اسلام کو "جہاد کبیر" قرار دیا ہے (فرقان ع ۵) علامہ کا کہنا ہے کہ میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام تمام کاموں پر مقدم ہے۔۲۔ آپ ۱۹۳۲ء میں بھی اس امر کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے اکثر افراد میں اشاعت اسلام کا جو جوش پایا جاتا ہے وہ قابل قدر ہے۳۔ پس علامہ کے نزدیک "جہاد کبیر" کرنے والی جماعت 'جماعت احمدیہ قرار پاتی ہے۔ا۔

جہاد صغیر

باقی رہا جہاد صغیر یا جہاد بالسیف کا مسئلہ تو اس کے متعلق بانی تحریک نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ جہاد کی یہ قسم قیامت تک حرام ہے یا یہ کہ قرآن مجید کی آیات متعلقہ جہاد منسوخ ہیں

آپ نے صرف یہ وضاحت کی ہے کہ سیفی جہاد کے لئے اسلام نے چند شرائط مقرر کی ہیں ۔ وہ چونکہ اس وقت موجود نہیں اس لئے یہ جہاد وقتی طور پر معرض التواء میں ہے۔

شرائط جہاد

وہ شرائط کیا ہیں ؟ ۔ مولانا ظفر علی خاں ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

(۱) جہاد بالسیف کے لئے امارت شرط ہے ۲۔ اسلامی حکومت کا نظام شرط ہے۔ ۳۔ دشمنوں کی پیش قدمی اور ابتداء شرط ہے۔ ۴۔

بانی تحریک احمدیہ " شریعت اسلامیہ " کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

" شریعت اسلامیہ کا یہ واضح مسئلہ ہے۔ جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں...... قطعی حرام ہے۔ ۵۔

ظاہر ہے یہ فتویٰ آپ نے اپنے پاس سے نہیں دیا مگر مصنف زندہ رود نے یہ تاثر دیا ہے جیسے بانی تحریک نے یہ مسئلہ ازخود گھڑ لیا ہو۔

بانی تحریک احمدیہ کا وہ شعر جس سے مخالفین عام طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ آپ نے جہاد کو دائمی طور پر حرام قرار دے دیا ہے درج ذیل ہے :۔

اب چھوڑ دو اے دوستو جہاد کا خیال   دیں کے لئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

مخالفین اس سے ملحقہ اشعار کو نظرانداز کر دیتے ہیں :۔۔

کیوں بھولتے ہو لوگو ۔ضع الحرب کی خبر   کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفیٰ   عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا۔۶

یعنی میری طرف سے جہاد کی دائمی حرمت کا فتویٰ نہیں ہے بلکہ التواء جہاد کا فتویٰ ہے اور یہ فتویٰ بھی میرا نہیں۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جہاد اس وقت تک ملتوی ہے۔ جب تک دین میں مداخلت اور عقائد میں جبر کی صورت پیدا نہ ہو۔

بانی جماعت احمدیہ اور قرآنی عقیدہ

بانی سلسلہ احمدیہ نے جہاد کے بارہ میں یہ کوئی نیا عقیدہ رائج نہیں کیا بلکہ اسی عقیدہ کا اظہار کیا ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ قرآن مجید کے حوالے سے فرماتے ہیں:

" ۔ قرآن مجید صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے اور اس کے دین میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور اس بات سے کہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اس کی عبادت کریں اور ان لوگوں سے لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں .... مومن پر واجب ہے کہ ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں " ۔۷۔

ظاہر ہے بانی سلسلہ احمدیہ کا مذہب یہ ہے کہ سیفی جہاد ہر مومن پر واجب ہے لیکن چونکہ اس دور میں وہ شرائط موجود نہیں جو قرآن مجید نے بیان فرمائی ہیں اس لئے سردست حرام ہے ۔

علامہ اقبال اور قرآنی عقیدہ

ایک فلسفی شاعر ہونے کے ناطے سے جہاد کے مسئلہ پر علامہ جو چاہیں کہیں ہمیں اس سے غرض نہیں مگر جب آپ قرآن مجید پر تدبر کر کے کوئی نتیجہ نکالتے ہیں تو وہ وہی ہے جس کا اظہار بانی تحریک احمدیہ نے کیا ہے ۔ چنانچہ علامہ جہاد کے بارے میں قرآنی تعلیم کی یوں وضاحت کرتے ہیں :

" معترض کا یہ کہنا کہ اقبال اس دور ترقی میں جنگ کا حامی ہے ۔ غلط ہے ۔ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدود معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے ---- قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں ۔ محافظانہ اور مصلحانہ --- پہلی صورت میں جبکہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے ۔ مسلمان کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے (حکم نہیں) دوسری صورت جس میں جہاد کا حکم ہے ۹: ۴۹ میں بیان ہوئی ہے ..... جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں ا ۔ کے سوا میں اور کسی جنگ کو نہیں جانتا ۔ جوع الارض کی تسکین کے لئے جنگ کرنا ' دین اسلام میں حرام ہے ۔ علی ھذہ القیاس دین کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے ۔ "۸۔

سوال یہ ہے کہ کیا اقبال نے قرآن مجید پر غور کر کے بانی سلسلہ کے نظریہ و عقیدہ سے مختلف نتائج اخذ کئے ہیں ؟ ظاہر ہے نہیں ۔ پھر غور طلب بات یہ بھی ہے کہ کیا اقبال کے

نزدیک اس دور میں انگریز ، مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالتے تھے ؟ مسلمانوں کو جبراً عیسائی بناتے تھے ؟ ۔ مذہبی آزادی مفقود تھی ؟ ۔۔ اس نوعیت کے سوالات کے جوابات علامہ کے بیانات میں وضاحت کے ساتھ موجود ہیں ۔ خلاصہ جن کا یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہیں تھا بلکہ جو آزادی ' انگریزوں نے برصغیر میں مسلمانوں کو دے رکھی تھی علامہ کے نزدیک خود اسلامی ممالک کے مسلمان بھی اس سے محروم تھے ۔ چنانچہ علامہ فرماتے ہیں :۔

برصغیر میں امن و آزادی

"۔ ہندوستان کے مسلمان شاید اسلامی ممالک کی حالت کا اندازہ صحیح طور پر نہیں لگا سکتے ۔ کیونکہ حکومت برطانیہ کے سبب جو امن اور آزادی اس ملک کے لوگوں کو حاصل ہے وہ اور ممالک کو ابھی نصیب نہیں ہے ۔ " [۹]

پھر علامہ شاہی مسجد میں کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں :۔

" مسلمانوں کا آئیڈیل .... اپنے دین کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے اور حکومت انگریزی میں اس کی اجازت ہے ۔ " [۱۰]

قلم و لسان کے حملے

بانی جماعت احمدیہ اپنے نظریہ کی تشریح کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں :

" یہ دن ۔ دین کی حمایت کے لئے لڑائی کے دن نہیں ہیں کیونکہ ہمارے مخالفوں نے بھی کوئی حملہ اپنے دین کی اشاعت میں تلوار اور بندوق سے نہیں کیا ۔ بلکہ تقریر اور قلم اور کاغذ سے کیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ ہمارے حملے بھی تحریر اور تقریر تک محدود ہوں ۔ " [۱۱]

گویا اسلام پر قلم و لسان سے حملے ہوں تو جواب میں قلم و لسان استعمال کرو اور جب حملے سیف و سنان سے ہوں تو دفاع بھی اسی رنگ میں کرو ۔ یہی شریعت کا حکم ہے ۔

ا ۔ مسلمان کو تلوار پکڑنے کی اجازت کب ہے ؟ ۔ اس موضوع پر مسلمانوں کے قائد اول سرسید احمد خاں نے بھی گہری تحقیق کی ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

سرسید کی تحقیق

"۔ صرف دو صورتوں میں اسلام نے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہے ۔ ایک اس حالت

میں جب کہ کافر ' اسلام کی عداوت سے اور اسلام کے معدوم کرنے کی غرض سے ' نہ کسی ملکی اغراض سے ' مسلمانوں پر حملہ آور ہوں کیونکہ ' ملکی اغراض سے جو لڑائیاں واقع ہوں خواہ مسلمان ' مسلمانوں میں ' خواہ مسلمان ' کافروں میں ' وہ دنیاوی بات ہے ۔ مذہب سے کچھ تعلق نہیں ۔۔۔ دوسرے جب کہ اس ملک یا قوم میں مسلمانوں کو اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں ۔ ان کے جان و مال کو امن نہ ملے اور فرائض مذہبی کے ادا کرنے کی اجازت نہ ہو ۔ " [۱۲]

اسی ضمن میں بانی تحریک احمدیہ فرماتے ہیں :۔

صف دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال ۔ سیف کا کام ، قلم سے ہی دکھایا ہم نے ۔ اس مسلک پر آپ کو " منکر جہاد " کہا جاتا ہے ۔ علامہ اقبال کے بعض اشعار میں اس مسلک کے بارہ میں طنز کا پہلو موجود ہے ۔ مثلاً

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے ۔۔۔ دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

لیکن راقم عرض کرتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ کی زندگی میں علامہ سنجیدگی سے اسی بات کے قائل تھے کہ تلوار کے دن لد چکے اب قلم کا دور دورہ ہے ۔ اب قلم ہی سیف کا کام دکھاتی ہے ۔ چنانچہ قلم کی کشور کشائی کے منکروں کو سمجھانے کے لئے آپ نے ۱۹۰۲ء میں انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں پڑھی جانے والی نظم میں یہ شعر شامل کیا :

تیغ کے بھی دن کبھی تھے اب قلم کا دور ہے ۔۔۔ بن گئی کشور کشا یہ کاٹھ کی تلوار کیا

علامہ ' بانی سلسلہ احمدیہ کی وفات کے بعد بھی علمی ' تحقیقی ' یا علمی کاوشوں کو جہاد سمجھتے تھے اور مشاہیران اسلام کے سامنے اس کا برملا اظہار کرتے تھے ۔ اپنے خط مورخہ ۱۳ ر نومبر ۱۹۱۷ء بنام سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں ۔

"۔ میں ایک مدت کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد (تصوف کی بحث کے سلسلہ میں ۔ ناقل) انہی نتائج پر پہنچا ہوں جو آپ کے والا نامہ میں درج ہیں جو کام آپ کر رہے ہیں ۔ جہاد فی سبیل اللہ ہے ۔ اللہ اور اس کے رسول آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے ۔ " [۱۳]

ظاہر ہے بانی تحریک احمدیہ پر علامہ کی نکتہ چینی بعد کی سوچ بچار کا نتیجہ ہے جس میں قرآنی تعلیمات کا لحاظ نہیں رکھا گیا ۔

مرزا صاحب کی محکومی کی زندگی

علامہ اقبال کے ۳۶-۱۹۳۵ء کے مضامین سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے

محکومی کی زندگی بسر کی اور یہ بات نبی کی شان کے خلاف ہے۔"

یاد رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ' فرعون کے ماتحت اس کی حکومت میں رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مشرک رومی حکومت کے ماتحت رہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳ سال تک مکہ کے مشرکوں کے قوانین کے ماتحت رہے۔ اب ان انبیاء کی محکومیت اور بانی تحریک احمدیہ کی محکومیت میں اگر کوئی فرق ہے تو یہی کہ مرزا صاحب نسبتاً کم محکوم تھے اور وہ زیادہ۔ کیونکہ رومی ' کسی شریعت کے پابند نہ تھے اور نہ فرعون ' پابند شرع تھا۔ اس کے مقابل مرزا صاحب عیسائیوں کے محکوم تھے جو بہرحال اہل کتاب ہیں۔

ہم مصنف سے یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مذکورہ انبیاء علیہم السلام کے طرز فکر و عمل یا محکومی سے ان کے اسلام میں کوئی فرق نہیں آیا تو مرزا صاحب کے اسلام میں کیونکر فرق آگیا!

ان حقائق کے پیش نظر علامہ کے اس نوع کے طنز کہ۔

محکوم کے الہام سے اللہ بچائے غارت گر اقوام ہے یہ صورت چنگیز

کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے۔ حلقہ اقبال کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

حضرت سید احمد بریلوی

حضرت مرزا صاحب چودھویں صدی کے مجدد تھے ـــ کیا تیرھویں صدی کے مجدد نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا؟ حضرت سید احمد بریلوی (وفات ۱۸۳۱ء) ۱۸۲۲ء سے لے کر ۱۸۳۱ء تک اپنے متبعین کے ہمراہ سکھوں سے جہاد کرتے رہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ انگریزوں سے جہاد نہیں کرتے (اس دور میں لدھیانہ سے شمال کی طرف پنجاب پر سکھوں کا قبضہ تھا اور باقی ہندوستان پر انگریزی سلطنت تھی) آپ نے جواباً فرمایا:۔

"۔ سرکار انگریزی ... مسلمانوں پر کچھ ظلم و تعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادات سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتے بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہیں ۔۔۔"

پھر مسلم سٹیج سے اس صورت حال کو برابر پیش کیا جاتا رہا۔ اقبال ' جس دور میں انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں شریک ہو کر اپنی پردرد اور پر اثر نظموں سے محفل کو گرمایا کرتے تھے۔ اس دور میں وہ بزرگ جنہوں نے ماضی قریب میں سکھ حکومت کی چیرہ دستیوں کو بچشم خود دیکھا تھا وہ انگریزی حکومت کی برکات کے ساتھ ' اس سیاہ دور کا موازنہ پیش کر کے مسلمانوں کو اکثر تلقین کیا کرتے تھے کہ سرکار انگریزوں کا شکر ہم پر واجب ہے۔ نمونتہً "انجمن کی سٹیج سے منشی امیر بخش صاحب کی تقریر کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔ یہ صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے تھے اور دونوں حکومتوں کی ایڈمنسٹریشن کے رموز سے بخوبی آگاہ تھے۔ انجمن کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"ایام طفولیت اور جوانی میں میری یادداشت کسی قدر قوی تھی۔ اس واسطے زمانہ سلطنت سکھ کے حالات جس وقت ان کا زوال قریب تھا جو میں خود دیکھتا یا اپنے بزرگوں کی زبانی سنتا تھا وہ سب مجھ کو یاد ہے۔ اس وقت مسلمان سوائے دو تین خاندان کے جو رکن سلطنت کے تھے اور جن کے بدوں امور ریاست انصرام نہ ہو سکتے تھے۔ باقی کل ' حالت افلاس اور ادبار میں مبتلا تھے اور ادائے مذہبی سے روکے جاتے تھے ـــ مساجد میں اذان دینا بھاری جرم تھا ـــ چونکہ عید الاضحیٰ اکثر بروز اکیادشی آتی ہے اور یہ دن اکیادشی کا ' ہندوؤں میں متبرک سمجھا جاتا تھا اس واسطے قربانی کے بھی حکام سد راہ ہوتے تھے۔ اس عہد میں نہ کوئی تفصیل جرائم تھی نہ سزاؤں کی کوئی میعاد معین تھی۔

ہر ایک امر کارداروں پر منحصر تھا۔ جس بات کو وہ جرم تصور کرتے تھے۔ وہ جرم سمجھا جاتا تھا اور زبان کارداروں کی قہرِ خدا تھی ـــ غریب مسلمانوں کے افعال اور حرکات اکثر جرم ہی تصور ہوتے تھے اور تاوان بھی ان پر سخت عائد کئے جاتے تھے۔

اس زمانہ کی حالت اسلام اور زمانہ حال کا اگر مقابلہ کیا جائے تو دن رات کا فرق ہے۔ اب ہم اپنے فرائض مذہبی ' آزادی سے ادا کر سکتے ہیں ـــ کسی نوع کی مزاحمت نہیں ہوتی اور نہ کوئی ہمارا سد راہ ہے۔ بلکہ "حکام وقت" ادائے فرائض مذہبی میں اعانت کرتے ہیں لہٰذا بہ وجوہات متذکرہ الصدر ہم مسلمانوں پر لازم اور واجب ہے کہ ہم دعائے قیام سلطنت حضرت ملکہ معظمہ دام سلطنتہا میں مواظبت کریں اور اس کے کریہ میں رطب اللسان رہیں کہ ایزد تقدس و تعالیٰ اس سلطنت کو ابد تک صدمہ زوال سے مامون اور مصئون رکھے ـــ اس

عہد معدلت مہد میں ہر طرف مسلمانوں کے واسطے ترقی مدارج اور حصول لیاقت کے ابواب کشادہ ہیں۔ ۱۵؎

اس موازنہ کے بعد بھی بانی تحریک احمدیہ پر یہ نکتہ چینی کہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیوں نہ کیا کس درجہ شقاوت قلبی اور محسن کشی ہے --- اسی وجہ سے راقم نے ان معترضین کو جنہوں نے انگریز حاکم کو "سایہ ء خدا" کہنے پر اقبال کو چارج شیٹ ایشو کی ہے۔ غلطی خوردہ قرار دیا ہے۔

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ پنجاب کی حکومت انگریزوں نے مسلمانوں سے نہیں بلکہ سکھوں سے چھینی تھی۔ اور مسلمانوں کو سکھا شاہی کے جلتے ہوئے تنور سے نکالا تھا۔

عالم اسلامی کی آزادی پر اثر

علامہ اقبال نے ۳۶-۱۹۳۵ء میں احمدیت کے خلاف جو مضامین سپرد قلم کئے یا غیر از جماعت حلقے گذشتہ نصف صدی سے جو تاثر دے رہے ہیں کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے "التوائے جہاد" کا فتویٰ دے کر عالم اسلام کو کسمپرسی میں مبتلا کر دیا ہے --- ان کی سیاسی حیثیت ختم ہو گئی ہے اور اسلام کے جھنڈے سرنگوں ہو گئے گویا تحصیل بٹالہ کے ایک گمنام سے گاؤں سے جو آواز اٹھی اس سے عالم اسلام کی آزادی معرض خطر میں پڑ گئی --- حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اول تو التوائے جہاد کے فتوے کا اثر صرف بانی سلسلہ احمدیہ کے چند متعین پر ہی تھا جو عالم اسلام کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے --- دوسرے یہ کہ اسلامی ممالک آپ کی طرف سے تشکیل جماعت (۱۸۸۹ء) سے سالہا سال قبل یورپین کے زیر تسلط آ چکے تھے اور مذہبی جہاد کے نام پر ناکامیوں اور ہزیمتوں کا منہ دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ مصنف زندہ رود جماعت احمدیہ کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر عالم اسلام کی قابل رحم حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۔ اس زمانے میں دنیائے اسلام کسمپرسی کی حالت میں تھی۔ سلطنت عثمانیہ محض نام کی سلطنت رہ گئی تھی۔ سلطان عبدالحمید نے ۱۸۷۶ء میں سلطنت عثمانیہ کی باگ ڈور سنبھالی۔ ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۸۸۲ء تک، مسلمان، مشرقی یورپ کے بیشتر علاقوں سے نکال دیئے گئے --- تونس، فرانس کے قبضہ میں چلا گیا اور جبل الطارق و مصر پر انگریز حاوی ہو گئے

--- وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں یکے بعد دیگرے زار کی سلطنت روس، کا حصہ بن گئیں --- شمالی اور مغربی چین کے مضطرب مسلمان ۱۸۵۶ء سے لے کر ۱۸۷۸ء تک جنگ آزادی میں ناکام ہونے کے بعد سیاسی حیثیت سے ختم کر دیئے گئے --- فرانسیسیوں کی نگاہیں مراکش پر تھیں۔ ایران، نزع کے عالم میں تھا --- جزائر شرق الہند پر ڈچ غلبہ کے سبب مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی۔ افغانستان کے خارجی امور کا کنٹرول ۱۸۷۹ء سے انگریز کے ہاتھ میں چلا گیا تھا --- برصغیر ہند میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد، اسلام کے جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے --- ملایا پر انگریز قابض ہو گئے۔ ۱۶؎

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ سب کچھ جماعت احمدیہ کی تشکیل سے قبل ہو چکا تھا۔ اس کے بعد جب بانی سلسلہ احمدیہ نے اعلان فرمایا کہ چونکہ دشمنان اسلام بھی مذہبی جنگ نہیں کرتے اس لئے یہ وقت دینی جنگ و قتال کا نہیں تو اس مسلک کے مطابق جن ممالک نے عمل کیا اور اپنے وطن کی مدافعت ہر جائز اور ممکن طریق سے کی تو ان میں سے اکثر و بیشتر ملکوں کو آزادی کی نعمت نصیب ہو گئی --- اگر احرار اور جاہل ملاؤں کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح آئینی جدوجہد۱۷؎ کی بجائے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کرتے تو مسلمان ہلاکت کے گھڑے میں گر جاتے اور آزاد پاکستان کی نعمت سے محروم رہ جاتے۔ پس مسلمانوں کی کامیابی اور عالم اسلام کی فلاح و بہبود اور ان کا نفع بانی جماعت احمدیہ کے مسلک پر چلنے میں مضمر تھا۔

علماء کے لئے یہ سوچنے کی بات ہے کہ جب ہر جگہ نزع کا عالم طاری تھا۔ اسلامی جھنڈے سرنگوں ہو چکے تھے۔ مسلمانوں میں جہاد کی سکت ہی باقی نہ رہی تھی --- "جہاد کے تمام مراکز ۱۸۷۰ء میں ہی بند کر دیئے گئے تھے۔" ۱۸؎ تو انگریزوں کو اس امر کی کیا ضرورت تھی کہ وہ برصغیر میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے بانی سلسلہ کے تشکیل جماعت (۱۸۸۹ء) تک کے ۳۲ سال سر جوڑ کر سوچتے رہتے کہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد ختم کر کے اسلامی ممالک اور برصغیر پر کیسے غلبہ حاصل کیا جائے۔ پھر اس کی تدبیر یہ نکالتے کہ پنجاب کے ایک گمنام گاؤں سے ایک غریب و بے ہنر شخص کو کھڑا کیا جائے جو خود کو مثیل ابن مریم ظاہر کرے۔ ابن مریم کی وفات کا اعلان کرے۔ اس کی قبر کی سری نگر کشمیر میں نشان دہی کرے۔

حقیقت پسند اقوام تو ان خطوط پر منصوبے نہیں بنایا کرتیں۔

واضح رہے کہ بانی تحریک احمدیہ کی وفات پر برطانیہ کے "ٹائمز" لندن نے لکھا تھا کہ۔ "
اب جبکہ اس فرقہ کے بانی وفات پا چکے ہیں۔ اگر یہ فرقہ زوال پذیر ہو جائے یا بالکل ہی معدوم ہو جائے تو یہ امر نہ عام مسلمانوں کے لئے اور نہ حکومت کے لئے ہی باعث ملال ہو گا۔ (پرچہ ۱۷ جون ۱۹۰۸ء)

حکومت کے سرکاری ترجمان کا یہ تبصرہ اس اتہام کو باطل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے جو آئے دن کہتے رہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو برطانوی حکومت کی تائید حاصل تھی۔

جنگ سے ہزیمت

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے بانی جماعت احمدیہ نے "التوائے جہاد" کے فتویٰ کی بنیاد حدیث بخاری پر رکھی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر[19] کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھول کر
فرما چکا ہے سید کونین مصطفےٰ عیسیٰ مسیح، جنگوں کا کر دے التوا[19]

اسی نظم میں آپ نے بطور پیشگوئی اور معجزہ کے فرمایا کہ اگر تم اس فرمان نبویؐ کے باوجود جنگ کا رویہ اختیار کرو گے تو یاد رکھو کہ ہزیمت یا نقصان کی صورت میں اس کا خمیازہ بھگتو گے۔ فرمایا:۔

یہ حکم سن کے بھی جو لڑائی کو جائے گا وہ کافروں سے سخت ہزیمت اٹھائے گا
اک معجزہ کے طور پر یہ پیشگوئی ہے۔ کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے۔

جہاد و جنگ کے نتیجہ میں ہزیمت کیوں ہو گی؟ بانی تحریک احمدیہ نے اس کی وجوہات بھی بیان فرما دیں۔ فرمایا:۔

ظاہر ہیں خود نشاں کہ زماں وہ زماں نہیں اب قوم میں ہماری وہ تاب و تواں نہیں
اب تم میں خود وہ طاقت و قوت نہیں رہی وہ سلطنت وہ رعب وہ دولت نہیں رہی
اب کوئی تم پہ جبر نہیں غیر قوم سے کرتی نہیں منع صلوۃ اور صوم سے
ہاں آپ تم نے چھوڑ دیا دیں کی راہ کو عادت میں اپنی کر لیا فسق و گناہ کو[20]۔

یعنی (۱) امن و انصاف کا دور دورہ ہے۔ اس صورت میں مذہب کی خاطر تلوار پکڑنا شرائط جہاد کے منافی ہے۔ (۲) قوم میں تاب و توانائی جو مقابلہ کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ مال و

دولت، ہتھیار اور جدید انداز جنگ کے طور طریقے۔ کچھ بھی تمہارے پاس نہیں۔[21] (۳) نمبرے یہ کہ فسق و گناہ کی راہ اختیار کر کے قوم تائید ایزدی کی مورد نہیں رہی۔

دنیا نے مشاہدہ کر لیا کہ مسلمانوں کے جس فرد یا جماعت نے انگریز حکمرانوں کے خلاف جنگ یا جہاد کا نعرہ لگایا۔ اس نے سراسر نقصان ہی اٹھایا اور یوں اس پیشگوئی پر جو معجزہ کے طور پر کی گئی تھی مہر تصدیق ثبت کر دی۔ چنانچہ مصنف زندہ رود کا اعتراف ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"مسلمانان ہند کی جدید تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے جب (بھی) انگریزی حکومت کے خلاف کھلم کھلا جنگ کا رویہ اختیار کیا تو نقصان ہندو اکثریت کی بجائے، مسلم اقلیت ہی کو اٹھانا پڑا۔ سو ایجی ٹیشنل سیاست یا کھلم کھلا جنگ، اقبال کے مصالح کے خلاف تھی۔[22]

گویا جہاد تو بہت دور کی بات ہے۔ اقبال تو انگریزوں کے خلاف احتجاجی سیاست کو بھی گوارا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس صورت حال میں بانی تحریک احمدیہ پر تنقید کہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیوں نہ کیا، کتنی عجیب تنقید ہے۔

غلامی پر رضامندی

بخاری شریف کی حدیث کے مطابق مرزا صاحب نے التوائے جہاد کا فتویٰ دیا تو مخالفین نے اسے "انکار جہاد" کا نام دے دیا۔ بعد میں اسے سیاسی رنگ دے کر یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ مرزا صاحب کی تعلیمات میں "غلامی پر رضامندی" کی تلقین کی گئی ہے۔

حصول آزادی کے لئے جماعت احمدیہ کی کاوشوں کا ذکر علیحدہ باب میں کیا جا رہا ہے۔ جہاں تک غلامی پر رضامند رہنے کا اعتراض ہے۔ سابق وفاقی وزیر ملک محمد جعفر خاں ایڈووکیٹ اپنی کتاب "احمدیہ تحریک" میں لکھتے ہیں:۔

"۔ مرزا صاحب ۱۹۰۸ء میں فوت ہوئے تھے۔ اس وقت تک ہندوستان میں تحریک آزادی نے صحیح معنوں میں جنم ہی نہ لیا تھا اور انگریزوں کو اپنی رعایا میں وفا پیشہ افراد اور جماعتوں کی خاص طور پر حاجت نہ ہوئی تھی۔۔۔ مرزا صاحب کے زمانے میں ان کے مشہور مقتدر مخالفین مثلاً مولوی محمد حسین بٹالوی، پیر مہر علی شاہ گولڑوی، مولوی ثناء اللہ، سرسید احمد

خاں صاحبان ' سب انگریزوں کے ایسے ہی وفادار تھے ۔ جیسے مرزا صاحب ' یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں جو لٹریچر مرزا صاحب کے رد میں لکھا گیا ۔ اس میں اس امر کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ مرزا صاحب نے اپنی تعلیمات میں غلامی پر رضامند رہنے کی تلقین کی ہے ۔ ۲۳

حقیقت یہی ہے کہ مرزا صاحب (وفات ۱۹۰۸ء) کے زمانے میں پاکستان کا آئیڈیا پیدا نہیں ہوا تھا ۔ اگر انگریز اس وقت چلا جاتا تو اس کی جگہ وہی حکومت ہوتی جو آج ہندوستان میں قائم ہے ۔ بلکہ آج کی حکومت سے کہیں زیادہ خطرناک آج تو خدا کے فضل سے بھارت کی سرحد پر پاکستان موجود ہے ۔ دونوں مملکتوں کے درمیان کچھ معاہدات بھی ہیں ان کی عدم موجودگی میں جو حکومت قائم ہوتی وہ لازماً مسلمانوں سے ان کے آٹھ سو سالہ دور حکومت کا بدلہ لینے کے لئے انہیں بہت زیادہ انتقام کا نشانہ بناتی ۔ پس اس دور میں انگریزوں کی مخالفت مسلمانوں کے لئے بہت خطرناک تھی ۔ مسلم قائدین اور انجمنوں نے اس وجہ سے بھی انگریز کے ساتھ تعاون کی پالیسی اپنا رکھی تھی ۔

کسر صلیب

مرزا صاحب کو یقین تھا کہ آپ مسیح موعود ہیں ۔ آپ کی جماعت کے ذریعہ عیسائیت کا مذہب پاش پاش ہو گا ۔ آپ بموجب حدیث نبوی یکسر الصلیب کے لئے مامور تھے ۔ آپ کو یقین تھا کہ یورپ ' امریکہ کی سب قومیں بالآخر مسلمان ہو جائیں گی ۔ پس آپ نے انگریزوں کی طرف سے دی گئی مذہبی آزادی سے بھرپور فائدہ اٹھا کر عیسائیت کے بت کو دلائل سے پاش پاش کرنے کی پوری کوشش کی ۔ آپ نے جہاد بالقرآن یا جہاد کبیر کے ذریعہ عیسائیت کا جس رنگ میں مقابلہ کیا ۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی مقہور اور شکست خوردہ قوم کا سر فخر سے بلند ہو گیا ۔ چنانچہ احمدیت کے شدید معاند ' اقبالیات کے عظیم ماہر جناب بی اے ڈار لکھتے ہیں :

عیسائی دنیا کو للکار

" ۔ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں .... آریہ سماجی اور عیسائی مبلغین نے اسلام کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کر رکھی تھی .... مسلمانوں میں اس کا جواب بڑی عمدگی سے سر انجام دینے کا کام مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے ذمہ لیا اور بلاشک و شبہ عام مسلمانوں نے
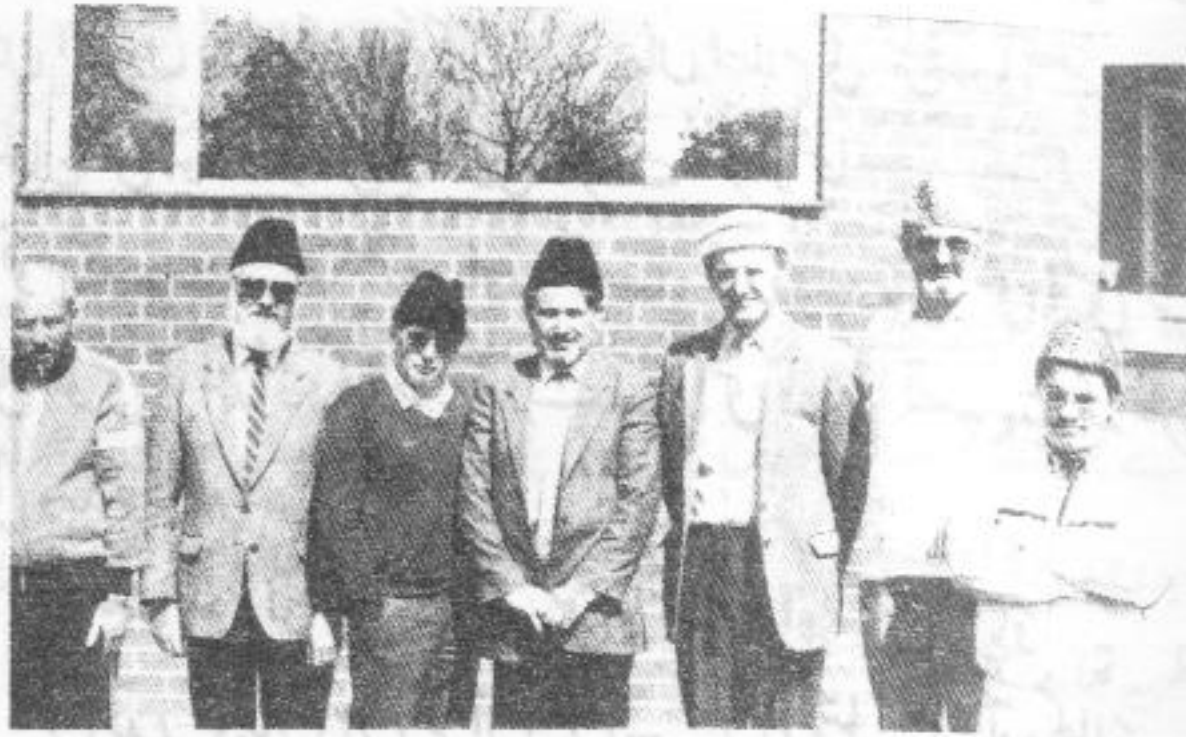
جماعت احمدیہ جہاد کبیر میں مصروف رہتی ہے

دور حاضر میں کلمہ طیبہ کی ٹھنڈی چھاؤں تلے آنے والے برطانوی افراد کا ایک گروپ

دائیں سے بائیں
کی قطار میں نمایاں ہیں ۔ مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل ۔ قاضی محمد نذیر صاحب فاضل ۔ مولانا شیخ عبدالقادر صاحب فاضل (برمکان قریشی محمود احمد صاحب ایڈووکیٹ)
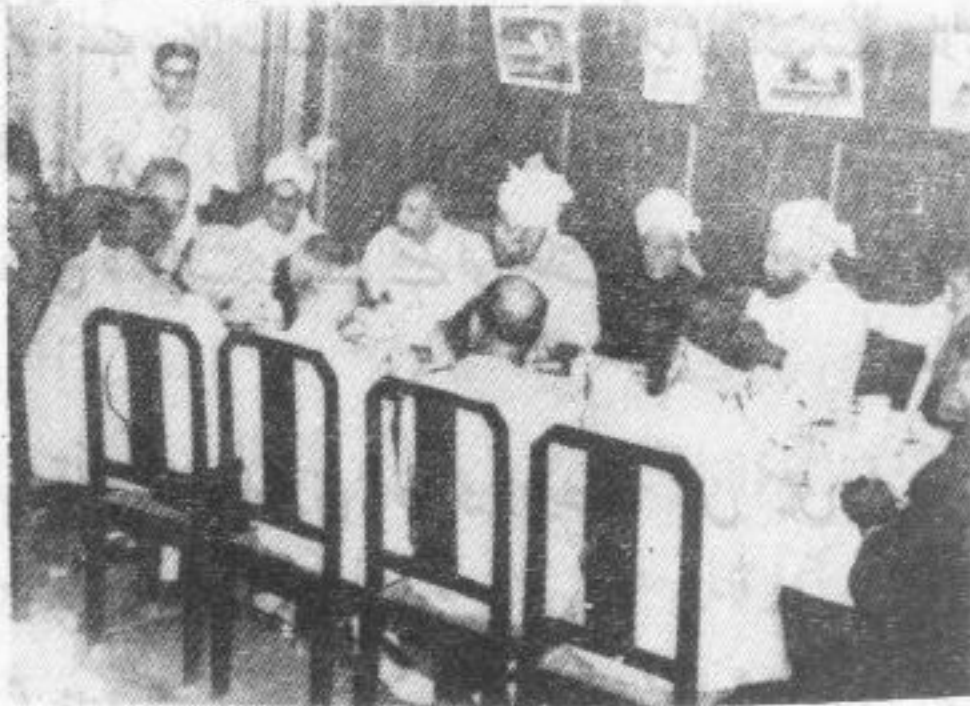
تقسیم ہند کے بعد لاہور میں احمدی مبلغین کی طرف سے عیسائی پادریوں کو دعوت حق

اس کارکردگی کو فخر کے ساتھ محسوس کیا ... جب برعظیم کے مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ خود انگلستان میں احمدیوں نے مرکز قائم کیا ہے۔ جہاں اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور پھر کئی ایک انگریز، مسلمان بھی ہوگئے تو اس پر انہیں فخر سے سر اونچا——— کرنے کا موقعہ میسر آیا۔ وہ قوم جو مدت سے مقہور اور شکست خوردہ ہو چکی تھی ایسی خبریں سن سن کر اس کی خوشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے.... اسی دور کا قصہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے عیسائی دنیا کو للکارا۔

آؤ عیسائیو! ادھر آؤ۔ نور حق دیکھو، راہ حق پاؤ
جس قدر خوبیاں ہیں قرآں میں۔ کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ

جب عیسائیوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ تو پھر مرزا صاحب نے کہا۔

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہرچند ° ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
۲۴۔

وفاداری اور آئین پسندی

علامہ اقبال نے ۳۶-۱۹۳۵ء میں اور مصنف زندہ رود نے اب اپنی تصنیف میں یہ تاثر دیا ہے کہ جماعت احمدیہ چونکہ انگریزی حکومت کی وفادار تھی۔ آئین پسند تھی۔ اس لئے اس نے جدوجہد آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ نہ انگریزوں کے خلاف جہاد کیا۔

راقم عرض کرتا ہے۔ علامہ سے ۱۹۳۶ء میں پوچھا گیا کہ آپ نے جہاد بالسیف کر کے زندگی میں کتنے انگریز مارے ہیں؟ ۲۵

علامہ، وفات تک اس کا جواب نہ دے سکے اور حلقہء اقبال آج تک انگشت بدنداں ہے کہ کیا جواب دے۔

واضح رہے۔ آئین کی وفاداری، غلامانہ ذہنیت کا عکس نہیں ہے۔ یہ دو مترادف چیزیں نہیں ہیں۔ بقول حضرت امام جماعت احمدیہ:۔

"اپنے ملک کی غلامی، سوائے بیوقوف اور غدار کے کوئی شخص پسند نہیں کرتا۔ ۲۶"

خود قائداعظم نے آزادی حاصل کرنے کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کو یہی تلقین کی کہ "ہندوستانی مسلمانوں کو اپنی حکومت کا فرماں بردار رہنا چاہئے۔ "۲۷

(ستمبر ۱۹۹۰ء) میں صدر غلام اسحٰق نے چین کے دورہ کے دوران چینی مسلمانوں کو چینی حکومت کا وفادار رہنے پر بڑا زور دیا---

اسی طرح مسلم لیگ نے آئین کی وفاداری کا طریق اپناتے ہوئے پاکستان حاصل کیا تھا نہ کہ آئین سے بغاوت کر کے-- پس آئین کی پابندی اور چیز ہے اور آئین کے اندر رہ کر آزادی کی جدوجہد کرنا اس وفاداری کی پالیسی کے منافی نہیں۔ علامہ خود بھی آئین پسند تھے۔ علامہ کا تو نظریہ تھا۔

دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے

خود مصنف نے تسلیم کیا ہے کہ اقبال، حکومت کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرنے۔ ان کی مخالفت کرنے۔ عدم تعاون، سول نافرمانی کے سخت خلاف تھے ۔۲۹۔ انگریزوں کے خلاف جہاد تو کجا آپ تو ان کے خلاف "۔ احتجاجی سیاست سے بھی گریز" کرتے تھے۔ ۳۰

راقم دریافت کرنا چاہتا ہے کہ اگر حکومت نے بائیں جانب چلنے کا قانون بنایا تھا تو کیا اقبال دائیں جانب چلا کرتے تھے؟ حکومت نے انکم ٹیکس کی ادائیگی لازمی قرار دی تھی؟ تو کیا اقبال ٹیکس ادا نہیں کیا کرتے تھے؟-- کیا اقبال نے حکومت کے مروجہ قوانین کے تحت الیکشن نہیں لڑا تھا؟ کیا کامیاب ہو جانے پر ملک معظم اور اس کے ورثا کی وفاداری کا حلف نہیں اٹھایا تھا؟ کیا آپ گول میز کانفرنس میں آئینی گفتگو میں شرکت کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے؟ کیا آپ مقدمات کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع نہیں کیا کرتے تھے؟

اگر غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتارنے کے علامہ شدید خواہاں تھے تو اس کا کوئی عملی ثبوت تو فراہم کیا ہوتا۔ علمی خدمات پر انگریز کا عطا کردہ "سر" کا خطاب آخر دم تک اپنے سینے سے کیوں لگائے رکھا؟ ایک غیر وفادار کے لئے اسے اتار پھینکنے میں کیا امر مانع تھا؟

یہ امر تو کسی لحاظ سے بھی قابل ستائش نہیں کہ حکومت کے سب قوانین کی اطاعت بھی کرتے جاویں اور زبان سے یہ بھی کہتے جاویں کہ حکومت کی اطاعت درست نہیں۔

ملکی جہاد اور جماعت احمدیہ

قیام پاکستان کے ابتدائی دنوں میں کشمیر میں ملکی جہاد کا موقعہ آیا تو مصنف زندہ رود کے ممدوح، پاکستان کے سب سے بڑے مولوی سید ابو الاعلیٰ مودودی اور دیگر مذہبی جماعتوں کے

سربراہ جو نصف صدی سے تحریک احمدیہ پر "منکر جہاد" ہونے کا الزام لگا رہے تھے۔ اپنے اپنے حجروں میں جا چھپے۔ کسی تنظیم نے بحیثیت مذہبی تنظیم کے کوئی فورس یا بٹالین قائم کر کے حکومت کی عسکری مدد نہ کی۔ یہاں پھر اگر کوئی جماعت میدان میں اتری تو وہی تھی جس کے متعلق مولانا رئیس احمد جعفری نے لکھا تھا۔

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

کشمیر میں مملکت کے استحکام کی تائید کون کر رہا ہے؟۔۔ مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر کسے تشویش ہے؟ کشمیری عامتہ المسلمین کی حفاظت کے لئے فکرمند کون ہے؟۔۔۔ کیا جماعت اسلامی کا امیر یا جمعیتہ العلماء کا سربراہ؟۔ دیوبند کا شیخ الحدیث یا جانشین شیخ الہند؟ نہیں! ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ بلکہ سب سے بڑے مولوی نے تو اس موقعہ پر فتویٰ دے دیا

"۔ کشمیر کا جہاد ناجائز ہے" [۲۱]

گو یہ مذہبی جہاد نہ سہی مگر اسلامی تعلیم کی رو سے جو شخص اپنی جان و مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ بھی شہید ہوتا ہے۔ بہرحال حضرت امام جماعت احمدیہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے احمدی نوجوانوں نے تین سال تک برابر اس محاذ کو سنبھالے رکھا جو کشمیر کا سخت ترین محاذ تھا۔ یہاں تک کہ فوجی حکام کو اعلان کرنا پڑا کہ اس لمبے عرصے میں احمدی فوج نے ایک انچ زمین بھی دشمن کے ہاتھ میں جانے نہیں دی [۲۲]

۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۰ء کے عرصہ میں ابو الاعلیٰ مودودی صاحب امیر جماعت اسلامی۔ سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری امیر جماعت احرار۔ سید محمد احمد صاحب قادری صدر جمعیتہ العلماء۔ مفتی محمد ادریس صاحب جامعہ اشرفیہ۔ مولانا داؤد غزنوی صاحب صدر جمعیتہ اہل حدیث، مولوی عبدالحلیم صاحب قاسمی، مولوی ابراہیم علی صاحب چشتی وغیرہ جیسے نابغہ روزگار احمدیت کی مخالفت میں دس کروڑ عامتہ المسلمین کی نمائندگی کے دعویدار تھے۔ آخر کیا امر مانع تھا؟ ان قائدین نے جماعت احمدیہ کی طرح اپنی اپنی جماعتوں یا اپنے حلقوں سے کیوں ایک ایک بٹالین قائم کر کے اس ملکی جہاد میں شرکت سے پہلوتہی کی۔

حیرت ہے۔ مودودی صاحب سمیت یہ سبھی مذہبی رہنما تو مصنف "زندہ رود" کے نزدیک جہاد کے قائل اور جہاد کے علمبردار ہیں اور جماعت احمدیہ منکر جہاد ہے! یا للعجب۔

مصنف کو علم ہو گا کہ ۱۹۶۵ء کی ملکی جنگ میں پنجاب رجمنٹ کے جن پانچ مجاہدین کو حکومت کی طرف سے "ہلال جرات" [۲۳] کے تمغات عطا کئے گئے۔ ان میں سے دو مجاہد "احمدی" تھے۔ احمدیوں کی حد درجہ قلیل نفری کو مدنظر رکھ کر سوچئے، ملکی دفاع کے میدانوں میں جماعت احمدیہ کی کارکردگی کا معیار کتنا بلند ہے۔ افسوس مصنف کی نظر حقائق پر نہیں وہ اب بھی یہی امر دہراتے چلے جاتے ہیں کہ چونکہ ۱۹۳۵ء میں علامہ اقبال کے دل میں خدشہ پیدا ہوا تھا کہ پنجاب میں تحریک احمدیہ غیر مسلموں کے ساتھ مل کر صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کی اکثریت کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔۔ اس لئے علامہ نے انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

علامہ اقبال کی برطانیہ کے ساتھ اول اول وفاداریاں

ملکہ وکٹوریہ

انگریز ملکہ کی وفات پر علامہ کا مرثیہ

اے ہند تیرے سر سے اٹھا "سایۂ خدا"
برطانیہ تو آج گلے مل کے ہم سے رو
سامان اشک ریزیٔ طوفاں لئے ہوئے

باب نمبر۵

حواشی

۱۔ زندہ رود ص ۵۹۰

۲۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۲۰۷

۳۔ مکتوب اقبال بنام چودھری محمد احسن ۷ ر اپریل ۱۹۳۲ء اقبال نامہ نمبر ۲ ص ۲۳۲۔ مولانا سمیع الحق صاحب کا رسالہ الحق اکوڑہ خٹک ' جہاد فی سبیل اللہ کے زیر عنوان لکھتا ہے۔ قرآن حکیم میں کافروں یا غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے کام کو جہاد کبیر قرار دیا گیا ہے۔.... نہ کہ تیغ و تلوار کے ذریعہ جو صرف مجبوری کی حالت اور بعض حالات میں دفاعی اعتبار سے روا ہے۔ پرچہ جولائی ۱۹۹۰ ص ۲۱۔

۴۔ زمیندار ۱۴ ر جون ۱۹۳۶ء

۵۔ براہین احمدیہ نمبر ۳ ملحقہ ٹائٹل پیج صفحہ ا۔ ب

۶۔ تحفہ گولڑویہ ص ۲۶ مطبوعہ ۱۹۰۲ء

۷۔ نور الحق حصہ اول ص ۴۵

مسلمان کو تلوار پکڑنے کی اجازت کب ہے ؟۔ اس موضوع پر مسلمانوں کے قائد اول سرسید احمد خاں نے بھی گہری تحقیق کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"۔ صرف دو صورتوں میں اسلام نے تلوار پکڑنے کی اجازت دی ہے۔ ایک اس حالت میں جب کہ کافر ' اسلام کی عداوت سے اور اسلام کے معدوم کرنے کی غرض سے ' نہ کسی ملکی اغراض سے ' مسلمانوں پر حملہ آور ہوں کیونکہ ' ملکی اغراض سے جو لڑائیاں واقع ہوں خواہ مسلمان ' مسلمانوں میں ' خواہ مسلمان ' کافروں میں ' وہ دنیاوی بات ہے۔ مذہب سے کچھ تعلق نہیں۔۔۔ دوسرے جب کہ اس ملک یا قوم میں مسلمانوں کو اس وجہ سے کہ وہ مسلمان ہیں ان کے جان و مال کو امن نہ ملے اور فرائض مذہبی کے ادا کرنے کی اجازت نہ ہو۔ "۔

۸۔ اقبال نامہ حصہ اول۔ مکتوب اقبال ۱۲ ر دسمبر ۱۹۳۶ ص ۲۰۱

۹۔ پیسہ اخبار لاہور ۲۱ ر جولائی ۱۹۱۵ء

۱۰۔ پیسہ اخبار لاہور ۲۴ ر جون ۱۹۱۱ء صفحہ ۷

۱۱۔ ایام الصلح صفحہ ۵۰

۱۲۔

۱۳۔ کلیات مکاتیب اقبال جلد نمبر ۱ مرتبہ مظفر حسین برنی اردو اکادمی دہلی مطبوعہ ۱۹۸۹ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی۔

۱۴۔ سوانح احمدی ص ۷۱ مولفہ مولانا محمد جعفر تھانیسری صوفی پرنٹنگ کمپنی بہاؤ الدین۔

۱۵۔ ماہواری رسالہ انجمن حمایت اسلام اپریل ' مئی جون ۱۸۹۸ ص ۱۳۔ انجمن کا ۱۳ واں سالانہ اجلاس

۱۶۔ زندہ رود ص ۱۰۱ بحوالہ بین الاقوامی امور کا جائزہ جلد اول مطبوعہ ۱۹۲۵ء از جے ٹائیوینی ص ۳۳ تا ۳۷

۱۷۔ آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی کی قرارداد میں محمد علی جناح کو طعنہ دیا گیا کہ آپ نے اپنے لکھنؤ بیان میں کہا ہے کہ سول نافرمانی کوئی نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ قرارداد کے مطابق جناح " آئینی کاروائی کے حق میں ہیں لیکن احرار کے نزدیک اس طرح قوم آزاد نہ ہو گی۔ " روزنامہ انقلاب لاہور " ۲۲ ر جون ۱۹۴۴ صفحہ اول

۱۸۔ زندہ رود ص ۲۴

۱۹۔ یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں جہاد بالسیف اور مذہبی جنگوں کا التواء ہو جائے گا۔

۲۰۔ تحفہ گولڑویہ ص ۲۶ مطبوعہ ۱۹۰۲ء

۲۱۔ اقبال کے والد ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے وقت گبھرو جوان تھے۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیوں نہ کیا ؟ ہمارے نزدیک ان کا فعل کسی اہمیت کا حامل نہیں۔ لیکن مصنف نے ان کے جہاد میں عدم شرکت کا جو جواز بیان کیا ہے وہ قابل توجہ ہے۔ مصنف لکھتے ہیں :۔

"۔ (اقبال کے والد) شیخ نور محمد طبعا ایک حلیم۔ صلح کن اور امن پسند شخص تھے۔ جنہیں یا تو اپنے کام سے تعلق تھا یا جن کا وقت صوفیاء علماء کی مجلسوں میں بیٹھنے اور یاد الٰہی میں گزرتا تھا۔ انہیں اپنے ہم عصر اہل علم کی طرح اس بات کا احساس ہو گا کہ برصغیر کی عنان حکومت ' مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن چکی ہے۔ مگر اس وقت انگریزوں کے خلاف جہاد میں کامیابی ممکن نہ تھی کیونکہ ان

کے مال و دولت ' ہتھیاروں اور جدید انداز جنگ کا مقابلہ محدود وسائل اور پرانے طور طریقوں سے نہ کیا جا سکتا تھا۔ (زندہ رود ص ۲۷)

۲۲۔ ص ۳۹۹

۲۳۔ ص ۲۴۳ شائع کردہ سندھ ساگر اکیڈمی۔ لاہور

۲۴۔ اقبال اور احمدیت ص ۷ مطبوعہ ۱۹۸۴ء

۲۵۔ علامہ کے نزدیک تو پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ سکتا ہے پھر مصنف نہ جانے علامہ کے ہاتھ میں جہاد کے لئے بار بار تلوار کیوں تھماتے ہیں۔ ویسے یہاں اس امر کا ذکر کر دینا شاید غیر مناسب نہ ہو گا کہ:۔

"۔ اقبال کا کلام گو خنجر و شمشیر یا تیرو تفنگ کے ذکر سے بھرا پڑا ہے۔ لیکن آپ نے خود زندگی بھر نہ تو کبھی پستول چلائی نہ بندوق اور اگر کبھی چاقو استعمال کیا تو وہ بھی قلم یا پنسل گھڑنے کی غرض سے۔" (زندہ رود ص ۱۸۰)

۲۶۔ تحفہ لارڈ اردن ص ۷

۲۷۔ زمیندار ۱۸ر دسمبر ۱۹۴۷ء

۲۸۔ صدر اسحٰق نے کہا۔

Muslim had the responsibility to staying Loyal to the country they live in (Pakistan Times' LHR. Sep: 22'1990. First page).

۲۹۔ زندہ رود ص ۴۱۱

۳۰۔ ایضاً ص ۳۹۹

۳۱۔ ترجمان القرآن جون ۴۸ ص ۱۱۹

۳۲۔ اعلان کمانڈر انچیف۔ الفضل ۲۳ جون ۱۹۵۰ء

۳۳۔ ۱۔ بریگیڈیئر عبداللہ خاں نیازی (۱۸ر ستمبر ۱۹۶۵ء) ۔ ۲۔ میجر جنرل اختر حسین ملک (احمدی) ۱۹ ستمبر

۳۔ بریگیڈیئر عبدالعلی ملک (احمدی) ۱۹ ستمبر ۴۔ میجر جنرل سرفراز خاں ۲۲ ستمبر

۵۔ بریگیڈیئر نوازش علی ۲۳ ستمبر ۱۹۶۵ء

(اے ہسٹری آف پنجاب رجمنٹ از بریگیڈیئر ' ایس حیدر عباس رضوی مطبوعہ ۱۹۸۴ء (Wajidalis

جماعت احمدیہ اور جدوجہد آزادی

سلسلہ احمدیہ کے سیاسی اصول

جماعت احمدیہ ایک مذہبی جماعت ہے۔ یہ سیاست میں صرف اس حد تک حصہ لینے کی قائل ہے۔ جس حد تک کہ ضروریات دین کے لئے اس میں دلچسپی لینا ضروری ہو۔ جماعت کی سیاست ' عدل کا دامن ہاتھ میں تھامے ' جھوٹ اور غلط بیانی کے عناصر سے "کلیتہً" پاک ہے۔ جماعت کی سیاست ملک میں امن پسندی ' قانون کے احترام اور فتنہ فساد کی راہوں سے بچنے کے اصولوں سے عبارت ہے۔ اس لئے موجودہ دور کی دنیوی اصطلاح میں جسے "سیاست بازی" کہا جاتا ہے اس کا جماعت کی سیاست سے دور کا بھی واسطہ نہیں

جماعت کی سیاسی ترجیحات میں ' قرآن و سنت کو اولیت حاصل ہے۔ اس کے بعد شعائر اللہ کی عظمت اور حفاظت کا احساس پھر ملت اسلامیہ کا مفاد اور زاں بعد جماعت کی سیاست میں حب الوطنی کا درجہ آتا ہے۔ جماعت کی سیاست میں دعاؤں کو بھی سیاسی تدابیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

جماعت کی سیاست میں مسلمانوں کے جائز حقوق کیلئے ان کے شانہ بشانہ کام کرنے کا جذبہ۔۔ اور انہیں اتحاد عمل کی دعوت دینے کا عنصر ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔۱

جدوجہد آزادی میں عدم شرکت کا الزام

مصنف زندہ رود نے بغیر کوئی حوالہ دیئے جماعت احمدیہ پر یہ الزام عائد کر دیا ہے کہ وہ حصول آزادی کی جدوجہد میں شرکت کو حرام سمجھتی تھی (صفحہ ۵۹۰) ادھر مصنف نے قدم قدم پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ اقبال ' آزادی کی مہم کے زبردست ہیرو تھے۔ راقم کی رائے میں علامہ کی کاوشیں ' لائق ستائش ہیں۔ مگر کیا مصنف کے لئے ضروری نہ تھا کہ وہ حصول آزادی کے مراحل میں ان تحریکات ' واقعات ' مذاکرات یا اجتماعات کا حوالہ دیتے جنہیں کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے اقبال ' تو عمر بھر کوشاں رہے لیکن جماعت احمدیہ کے امام اپنی

جماعت کو ان میں شرکت کرنے سے باز رکھتے رہے اور ہدایت دیتے رہے کہ اس نوع کی
سرگرمیاں ہمارے عقائد کی رو سے حرام ہیں۔

راقم یہی سمجھتا ہے کہ چونکہ ایسا کوئی مواد باوجود کوشش کے، مصنف کے ہاتھ نہیں لگ
سکا اس لئے "زندہ رود" کے صفحات اس قسم کے کسی ریفرنس سے مزین نہیں ہو سکے۔

مصنف کا موقف

مصنف کا بیان قابل توجہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

ا۔۔ "سیاسی بیداری کے دور میں بھی تحریک احمدیہ 'انگریزی حکومت کی اطاعت کا دم بھرتی
تھی۔"

ب۔۔۔ "۔اپنے ابتدائی ایام ہی میں بانی سلسلہ یا تحریک احمدیہ نے جہاد کی حرمت کا اعلان کر
رکھا تھا اور اس سے مراد یہ لی گئی کہ احمدیوں کے نزدیک انگریز کے ساتھ وفاداری کو اس قدر
اہمیت حاصل تھی کہ اس کے خلاف سیاسی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا بھی حرام قرار دیا گیا۲؎"

یہ مراد کس نے لی؟ مصنف نے کوئی حوالہ دینے سے پہلوتہی کی ہے۔ مگر اس پر ایک نظر
ڈالنے سے قبل راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ اقبال ابتدائی ایام میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی
قومی و ملکی خدمات کے مداح تھے بلکہ جہاں سرسید احمد خاں کی خدمات کا ذکر ہوتا وہاں علامہ' بانی
سلسلہ احمدیہ کی قومی خدمات کو بھی سراہا کرتے تھے۔

مثال کے طور پر اخبار "ملت" کے ایڈیٹر مولوی شجاع اللہ صاحب رقمطراز ہیں:۔

"ہم اگرچہ جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم و مغفور (وفات ۱۹۰۸ء) کے پیرو نہیں ہیں
اور مرحوم کے خیالات سے ہم کو ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ مگر جس اصول پر انہوں نے اپنے مشن
کی بنیاد قائم کی تھی۔ اس سے کسی باخبر اور ذی ہوش مسلمان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ ان کی
تمام جدوجہد اور کوشش کا انتہائی مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں خالص اسلامی سپرٹ
از سر نو پیدا کر دیا جائے تاکہ ان کی قومیت محفوظ رہے اور وہ دین و دنیا میں سرخرو اور کامیاب
ہوں..... کچھ عرصہ ہوا۔ عالی جناب فقیر سید افتخار الدین صاحب کے دولت خانہ پر فخر قوم عالی
جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لاء اور ایڈیٹر ملت کو ایک ہی وقت میں فقیر
صاحب کی ملاقات کے لئے جانے کا اتفاق ہوا۔ عالی جناب فقیر صاحب نے کہ قومی حالات و

معاملات سے ازبس باخبر ہیں۔ سرسید مرحوم و مغفور کے نہایت ہی قابل قدر مہتمم بالشان اور
نتیجہ خیز قومی و ملکی خدمات کا ذکر فرمایا۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے اس مرحوم بزرگ کے متعلق
گفتگو میں جناب مرزا غلام احمد صاحب مرحوم و مغفور کی خدمات کو بھی سراہا۔" ۳؎

سیاسیات کے متعلق تعلیم

حضرت امام جماعت احمدیہ (اللہ ان سے راضی ہو) گورنر جنرل لارڈ ارون کو جماعت
احمدیہ کی سیاسی پالیسی سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"۔یور ایکسلنسی! سلسلہ احمدیہ کی سیاسیات کے متعلق یہ تعلیم ہے کہ حکومت اور رعایا
کے تعلقات کی بنیاد' قانون کے احترام اور پرامن جدوجہد پر ہونی چاہئے اور فساد سے دونوں کو
پرہیز کرنا چاہئے اور حکومت اور رعایا دونوں کا فرض ہے کہ قانون کی' جب تک وہ بدلے نہیں
' پیروی کریں اور اگر غلط قانون ہے تو جائز ذرائع سے اسے تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے۔
اس تعلیم کے ماتحت ہماری جماعت جس جس حکومت کے ماتحت بستی ہے۔ ہمیشہ فتنہ کی راہوں
سے الگ رہتی ہے اور چونکہ اکثر حصہ' جماعت احمدیہ کا' انگریزی حکومت کے ماتحت ہے۔
لوگ خیال کرتے ہیں کہ شاید یہ جماعت 'انگریزوں کی جاسوس ہے۔ لیکن آپ سے بہتر
اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ امر غلط ہے۔ ہم نے ہمیشہ دلیری سے ہندوستانیوں کے حقوق کا
مطالبہ کیا ہے......"

"۔یور ایکسلنسی! ہم (آزادی ہند کے معاملہ میں۔ ناقل) کسی طرح کانگریس یا دوسری
جماعتوں سے پیچھے نہیں۔ کیونکہ اپنے ملک کی غلامی سوائے بیوقوف اور غدار کے کوئی شخص
پسند نہیں کر سکتا۔" ۴؎

واضح رہے۔ کہ مذکورہ بالا اقتباسات ہم نے کتابچہ "تحفہ لارڈ ارون" سے لئے ہیں۔ یہ
کتابچہ (۱۹۳۱ء) سیاسی بیداری کے دور میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی طرف ہندوستان کے
سب صوبوں اور ریاستوں کے سو شہروں میں بسنے والے دس ہزار منتخب احمدی افراد کی جانب
سے ہز ایکسلنسی وائسرائے ہند لارڈ ارون کی خدمت میں ان کے وائسرلٹی کے عہدہ کی عنان
چھوڑتے وقت اس لئے پیش کیا گیا تھا کہ لارڈ موصوف نے اپنے عہد میں "آزادی ہند" کے
بارے میں قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔

اس کتابچہ میں یہ امید کی گئی ہے کہ ہزایکسی لینسی 'انگلستان جا کر بھی "آزادی ہند" کے کام کو فراموش نہیں کریں گے۔

ان حقائق کی موجودگی میں یہ کہنا کہ سیاسی بیداری کے دور میں بھی جماعت احمدیہ سیاسی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کی قائل نہ تھی۔ ہماری سمجھ سے بالاتر بات ہے۔

مصنف زندہ رود کے نزدیک اقبال ' تحریک آزادی کے صف اول کے زعیم تھے۔ اب ہمیں یہ تعین کرنا پڑے گا کہ علامہ نے حصول آزادی کی جدوجہد میں کن تحاریک و واقعات میں حصہ لیا۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جماعت احمدیہ نے بھی ان تحاریک و واقعات میں اپنا کردار بھرپور طور پر ادا کیا اور ملت کے کاروان خفتہ کو آزادی کی شاہراہ پر گامزن کرنے میں اپنی بساط سے بڑھ کر قوم کی عملی رنگ میں رہبری و رہنمائی کا فریضہ ادا کیا تو ظاہر ہے کہ اس ضمن میں مصنف کی تمام تر نکتہ چینی کا قلعہ زمین بوس ہو جائے گا اور جماعت کے طرز فکر و عمل پر اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

سیاسی بیداری کے دور کا آغاز

آیئے! سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ برصغیر میں سیاسی بیداری کب پھیلنا شروع ہوئی۔ "اقبال کا سیاسی کارنامہ" کے مصنف (جن کی کتاب پر مصنف زندہ رود نے بہت سے امور میں انحصار کیا ہے) لکھتے ہیں:۔

"۔ جنگ عظیم کے بعد (۱۹۱۹ء۔ ناقل) سے ۱۹۲۳ء تک ہندوستان میں برطانوی حکومت کے خلاف سخت ہیجان برپا رہا۔ عدم تعاون اور سول نافرمانی 'اس دور کی یادگار تحریکیں ہیں۔ ملک میں سیاسی بیداری پوری طرح پھیل چکی تھی۔" ۵ ؎

اس دور میں تین مشہور تحریکیں ہمارے سامنے آتی ہیں:۔

۱۔ تحریک خلافت ۲۔ تحریک عدم تعاون یا ترک موالات ۳۔ تحریک ہجرت

راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ اقبال نے ان تینوں تحریکوں سے کنارہ کشی اختیار کئے رکھی۔ مصنف زندہ رود خود ہمیں بتاتے ہیں:۔

"جب خلافت کانفرنس وجود میں آئی اور مسلم رہنما ہندوؤں کے ساتھ عدم تعاون یا ترک موالات کی تحریک میں شامل ہو گئے۔ تو اقبال نے اختلافات کے سبب ان سے کنارہ کشی اختیار

کی۔" ۶ ؎

علامہ نے اپنے خط محررہ ۱۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء بنام شیخ عطا محمد میں تحریک خلافت کے حامی بعض ممبروں کے لئے "اخوان الشیاطین" کے الفاظ بھی استعمال کئے "۶ ؎

جہاں تک تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کے بعد تحریک ہجرت کا تعلق ہے۔ تو واضح رہے کہ علامہ نے نہ ہجرت کی نہ کسی کو اس تحریک میں حصہ لینے کا مشورہ دیا۔ اس تحریک کے متعلق خود مصنف زندہ رود کا نقطہ نظر ملاحظہ ہو:۔ لکھتے ہیں

"درحقیقت جمعیتہ علماء ہند کے فتوے بحق "تحریک ہجرت" نے برصغیر کے شمال مغربی حصہ میں مسلمانوں کے لئے تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر دیا...... مہاجرین کو (افغانستان سے) بہ امر مجبوری واپس آنا پڑا...... رش بروک ولیمز کے بیان کے مطابق کابل سے لے کر پشاور تک کی شاہراہ کے دونوں طرف کی زمین ان بوڑھوں' عورتوں اور بچوں کی قبروں سے بھر گئی جو اس سفر کی صعوبتیں برداشت نہ کر سکے۔" ۷ ؎

یہ امر بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ سیاسی بیداری کے دور میں اقبال

"۱۹۲۶ء سے پیشتر' برصغیر میں مسلمانوں کی عملی سیاست کو ایک بیکار مشق سمجھتے تھے" ۸ ؎

ادھر حضرت امام جماعت احمدیہ جن پر سیاسی بیداری کے دور میں بھی جدوجہد آزادی میں عدم شرکت کا الزام لگایا گیا ہے۔ ۱۹۲۶ء سے قبل بھی گورنمنٹ سے مسلم حقوق مثلاً جداگانہ انتخاب' پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت کے لئے مناسب نشستیں۔ مسلم ملازمتوں کے لئے مخصوص کوٹہ وغیرہ متعدد مسائل کے لئے فکرمندی سے تگ و دو میں مصروف تھے۔ ایسے تمام مسائل جو ملک کو تدریجاً آزادی کی طرف لے جانے والے تھے۔ ان پر آپ کی گہری نظر تھی۔ آپ نے ان کے حل کے لئے بھرپور کاوشیں کیں۔ کبھی آپ جماعت کے وفد' وائسرائے کے پاس بھیجتے۔ کبھی خود تشریف لے جاتے۔ کبھی رسائل و کتب شائع کرتے تاکہ مسلم مفاد کو کسی رنگ میں ٹھیس نہ پہنچے۔۔۔۔

اور سیاسی بیداری کے اسی دور میں اقبال یہ راگ الاپ رہے تھے۔

؎ یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک ہوں — کہ فیض عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش

اوائل کی سرگرمیوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم ۱۹۱۷ء سے جماعتی سرگرمیوں پر ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالتے ہیں۔

۲۰ ر اگست ۱۹۱۷ء کو مسٹر مانٹیگو وزیر ہند نے برٹش پارلیمنٹ میں ہندوستان سے متعلق ، حکومت انگلستان کی پالیسی کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ملک معظم کی حکومت کا مقصد ہندوستان کو نو آبادیات کے پورے درجے تک پہنچانا ہے ۔ وزیر ہند کی ہندوستان آمد پر جہاں دیگر انجمنوں نے ایڈریس پیش کئے وہاں جماعت احمدیہ کی طرف سے بھی ایک وفد پیش ہوا ۔ حضور بھی بہ نفس نفیس دلی تشریف لے گئے اور مسلم مطالبات کی وضاحت کی ۔ اس موقعہ پر حضور نے دیگر امور کے علاوہ اس امر پر خاص زور دیا کہ ہندوستان کے وہ صوبے جن میں ہندو اکثریت ہے وہاں عموماً مسلمانوں کی تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ ان کو چند زائد نشستیں دے دینے کے نتیجہ میں صوبے کے سیاسی توازن پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ لیکن اس کے برعکس مسلمانوں کی جن پانچ صوبوں میں اکثریت ہے ۔ ان میں سے دو اہم ترین اور سب سے زیادہ آبادی والے صوبوں یعنی بنگال اور پنجاب میں مسلم اور غیر مسلم آبادی کا تناسب ایسا ہے کہ اگر ہندوؤں کو اقلیت کے اصول پر تعداد سے زیادہ نمائندگی دی جائے تو وہ اکثریت ، اقلیت میں تبدیل ہو جاتی ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ۔۔ یہ سیاسی اصول ، ہندوستان سے مسلمانوں کی سیاسی زندگی کی صف لپیٹنے پر منتج ہو سکتا ہے ۔

بعد کی سیاسی جدوجہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نکتہ مسلمانوں کے حق میں بنیادی اہمیت کا حامل تھا ۔

کتابچہ ہندو مسلم پرابلم .

۱۵ ر فروری ۲۷ء کو حضرت امام جماعت احمدیہ نے " ہندو مسلم پرابلم اور اس کا حل " کے عنوان سے انگریزی زبان میں ۴۰ صفحات کا کتابچہ کلکتہ سے شائع کرا کے وائسرائے ہند کی خدمت میں ارسال کیا ۔ اس میں ہندو مسلم کشیدگی کو دور کرنے کے سلسلہ میں ۔ پنجاب اور بنگال کی کونسلوں میں مسلم اکثریت بحال کرنے کے ساتھ ساتھ " جداگانہ انتخاب " بحال رکھنے پر زور دیا گیا تھا ۔ اول الذکر امر کے متعلق حضور لکھتے ہیں :۔

" ۔ میں شروع سے ہی یہ کہتا چلا آ رہا ہوں ۔ کہ اصولی طور پر ہر فرقہ کی نمائندگی اس کی تعداد کی نسبت سے ہونی چاہئے ۔ لیکن اگر کسی فرقہ کو اس کی اہمیت کے پیش نظر زیادہ نمائندگی

دی جائے یا اس خیال سے کہ اگر اس فرقہ کو اس کی تعداد کی نسبت سے نمائندگی دی گئی تو وہ اس کے مختلف مفادات کا تحفظ نہ کر سکے گی ۔ تو ایسی صورت میں اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ کوئی دوسرا اکثریتی فرقہ ، اقلیت میں تبدیل نہ ہو جائے ۔...... میں شروع سے اس کے خلاف بولتا اور لکھتا چلا آ رہا ہوں ۔ لیکن افسوس کہ میرے انتباہ کی طرف توجہ نہ دی گئی ۔ اگرچہ اب آ کر بہت سے مسلم زعماء نے اس کے ضرر رساں نتائج کا احساس کر کے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہے ۔ " ۹ ص

موخر الذکر نقطہ یعنی " جداگانہ انتخاب " بحال رکھنے کے حق میں دلائل دیتے ہوئے آپ نے ساتھ ساتھ وائسرائے کو یہ بھی بتایا کہ مسلمانوں کو ملازمتوں میں بھی ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے ۔ حضور لکھتے ہیں ۔

" ۔ موجودہ حالات میں " جداگانہ انتخاب " کے قانون کو تبدیل کر دینا ۔ کسی صورت میں بھی ملک میں امن و آشتی کے فروغ کا موجب نہیں ہو سکتا ۔ اس وقت جو صورت حال ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر محکمہ سے باہر رکھا جاتا ہے ۔ تعداد کے لحاظ سے جتنی اسامیوں کا حق ہے ، ان کو اس کا نصف بھی نہیں مل رہا ۔ نتیجتہً " ان کی تجارت اور انڈسٹری بھی بری طرح متاثر ہوئی ہے " (صفحہ ۱۴)

مگر افسوس کہ ۲۰ ر مارچ ۲۷ء کی " تجاویز دہلی " میں مسلمان نشستوں کے تحفظ کے ساتھ " جداگانہ " کی بجائے " مخلوط انتخاب " کے طریق کو منظور کر لینے کا فیصلہ کر لیا گیا ۔

تجاویز دہلی

تحریک آزادی کے ضمن میں " تجاویز دہلی " اور " سائمن کمشن " کے مراحل نظر انداز نہیں کئے جا سکتے ۔ تجاویز دہلی کے ضمن میں مصنف رقمطراز ہیں :۔

" ۔ مسلم لیگ کے بعض قائدین نے ایک اجلاس ۲۰ ر مارچ ۱۹۲۷ء کو دہلی میں طلب کیا ۔ ان قائدین نے سوچ و بچار کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز منظور کیں جنہیں تجاویز دہلی کا نام دیا گیا

۱ ۔ سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے ایک علیحدہ صوبہ بنا دیا جائے ۔

۲ ۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں نئی دستوری اصلاحات نافذ کی جائیں ۔

۳ ۔ پنجاب اور بنگال کی کونسلوں میں مسلم اکثریت بحال کی جائے ۔

سائمن کمشن کا اجلاس
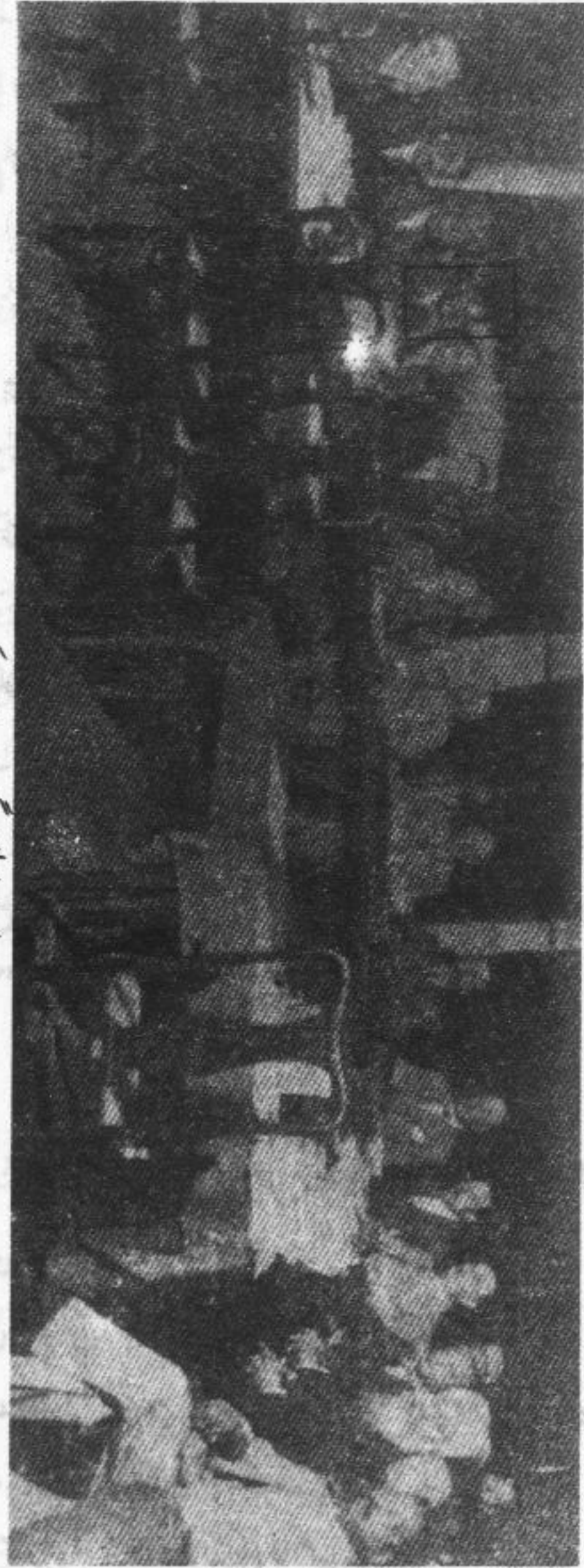
سول اینڈ ملٹری گزٹ - لاہور کی رپورٹ

" ہمارا سیاسی نمائندہ جو سائمن کمشن کے ساتھ ہے، ہندوستانی ممبروں کی مختلف شخصیتوں سے بہت ہی متاثر ہوا ہے ..... شہادت دینے والوں پر جرح کرنے کے باب میں ایک نمایاں شخصیت چوہدری ظفراللہ خان کی ہے۔ آپ داڑھی رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کوئی دورازکار بات نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیشہ مطلب کی بات کہتے ہیں۔ آپ کی آواز پر شوکت ہے اور نہایت برجستہ تقریر کرنے والے ہیں" (بحوالہ الفضل ۹ر نومبر ۱۹۲۸ء)

۴۔ مرکزی اسمبلی میں مسلم نمائندوں کی تعداد جملہ نمائندوں کے تناسب سے ۱/۳ ہو۔
اگر مندرجہ بالا تجاویز قبول ہوں تو مسلمان ..... مخلوط انتخاب قبول کرلیں گے اور جداگانہ حق نیابت سے دستبردار ہو جائیں گے۔ (صفحہ ۳۰۹)

حضرت امام جماعت احمدیہ ان تجاویز کے حق میں تھے۔ مگر جداگانہ حق نیابت سے دستبرداری کے سخت خلاف۔ آپ اسے مسلمانوں کے لئے مضر سمجھتے تھے --- نیز مسلم حقوق کی حفاظت کے لئے حضور کے نزدیک " تجاویز دہلی " تشنہ تھیں۔ اور ضروری تھا کہ اس میں بعض دیگر مطالبات بھی شامل کئے جائیں۔

سائمن کمشن

مصنف زندہ رود رقمطراز ہیں۔

"۔ ۸ر نومبر ۱۹۲۷ء کو حکومت برطانیہ نے سائمن کمشن کے تقرر کا اعلان کیا۔ اس کمشن کے تمام ارکان انگریز تھے اور اس کا کام حالات کے پس منظر میں شہادتیں لینا اور مختلف تجاویز اکٹھی کرنے کے بعد ہندوستان کے لئے آئندہ دستوری اصلاحات کے بارے میں سفارشات پیش کرنا تھا۔ چونکہ اس میں کسی ہندوستانی کو شامل نہ کیا گیا تھا۔ اس لئے برصغیر کے سیاسی لیڈروں میں سے اکثریت، کمشن کی تشکیل پر معترض تھی مگر اقبال کی رائے ان سے مختلف تھی" (صفحہ ۳۲۹)

"۔ کانگریس نے سائمن کمشن کے مقاطعہ کا اعلان کیا۔ مگر اس بارے میں مسلم قائدین میں اختلاف رونما ہو گیا۔ ایک گروہ مقاطعہ کا حامی تھا اور دوسرا تعاون کرنا چاہتا تھا۔ مقاطعہ کے حامیوں میں مولانا محمد علی اور محمد علی جناح پیش پیش تھے مگر تعاون کے حامی سر محمد شفیع۔ اقبال اور مولانا حسرت موہانی تھے ..... ان ایام میں پنجاب صوبائی مسلم لیگ کے صدر سر محمد شفیع اور سیکرٹری اقبال تھے" (ایضاً)

مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت

راقم عرض کرتا ہے کہ
سائمن کمشن کی متوقع آمد کے موقع پر، حضرت امام جماعت احمدیہ نے " مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت " کے عنوان سے ایک رسالہ شائع کیا۔ جس میں خالص اسلامی نقطہ نظر سے

مشورہ دیا کہ کمشن سے مقاطعہ کا اثر زیادہ تر مسلمانوں پر پڑے گا۔ ہندوؤں کے لیڈر رابر ۸ سال سے گرمیوں میں انگلستان جاتے ہیں اور بڑے بڑے انگریزوں سے ہندوؤں کے فائدہ کی باتیں کر کر کے انہیں اپنا ہم خیال بنا چکے ہیں۔ اس طرح وہ کوشش کر کے پارلیمنٹ کے ممبروں کو ہندوستان لاتے ہیں۔ اور ہندوؤں کے گھر مہمان ٹھہراتے ہیں مگر مسلمانوں کے پاس نہ دولت ہے نہ ان کے اندر قربانی کا مادہ ---- چنانچہ وہ آٹھ سال کے عرصہ میں بالکل سوتے رہے ہیں اور صرف اس سال عزیزم **چوہدری ظفر اللہ خاں احمدی** اور ڈاکٹر شفاعت احمد صاحب بیرسٹر ممبر یو پی کونسل اس غرض سے ولایت گئے تھے اور انہیں بڑے بڑے آدمیوں نے کہا کہ ہمیں تو آج معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کے حقوق کی جداگانہ حفاظت کی ضرورت ہے ورنہ ہم تو یہ خیال کرتے تھے کہ ہندو لیڈر جو باتیں کہتے رہے ہیں۔ مسلمان ان سے متفق ہیں۔ ورنہ مسلمان کیوں نہ آ کر ہم سے اپنے حقوق کے متعلق بحث کرتے ..... نتیجہ یہ ہے کہ انگریز، ہندوستان کے مطالبات وہی سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کی طرف سے کئے جاتے ہیں اور مسلمان اس امر کو یاد رکھیں کہ اگر (سائمن) کمشن کا بائیکاٹ ہوا۔ تو کمشن جو رپورٹ کرے گا وہ اپنے پہلے علم کی بنا پر کرے گا۔ اور وہ الف سے لے کر ی تک ہندو لیڈروں کا دیا ہوا ہو گا"۔۱۰

یہ مضمون الفضل ۱۶ ر دسمبر ۲۷ء میں شائع ہوا اور پھر اسے مذکورہ عنوان سے رسالہ کی صورت میں شائع کر کے وسیع پیمانہ پر برصغیر کے طول و عرض میں پھیلا دیا گیا۔

حضرت امام جماعت احمدیہ نے صرف کمشن سے مقاطعہ کے مضرت رساں ہونے کی طرف ہی توجہ نہیں دلائی۔ بلکہ مسلمانوں پر یہ زور بھی دیا کہ تجاویز دہلی کی شق جس میں جداگانہ انتخاب کو مسترد کرنا قبول کیا گیا ہے مسلم مفاد کے نقطہ نظر سے سخت نقصان دہ ہے۔ پھر حضور نے ان تجاویز یا مطالبات کا خاکہ بھی پیش کیا جو سائمن کمشن کے روبرو پیش کئے جانے چاہئیں۔ شفیع لیگ والے بھی اکثر و بیشتر ان نظریات کے حامی ہو چکے تھے۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ سیاسی آزادی کی جدوجہد میں یہ مطالبات نہایت ضروری ہیں۔

ہم سیاسی آزادی کے بعض اہم مراحل یا واقعات میں جماعت احمدیہ کے سرگرم کردار کا کچھ ذکر گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں اور کچھ تذکرہ آئندہ سطور میں کیا جائے گا (انشاء اللہ) آیئے۔ اس وقت اس امر کا جائزہ لیں۔ کہ سائمن کمشن کے روبرو پیش کرنے کے لئے حضرت

امام جماعت احمدیہ کی تجاویز کا خاکہ کیا تھا۔ اور شفیع لیگ نے جس کے سیکرٹری علامہ اقبال تھے۔ سائمن کمشن کی خدمت میں کیا تجاویز پیش کیں۔

اقبال ریویو (شائع کردہ اقبال اکادمی پاکستان) ---- لکھتا ہے کہ روزنامہ زمیندار لاہور ۲۴ ر جون ۲۸ء کے مطابق:-

"۔ سر جان سائمن (کمشن) کی خدمت میں آل انڈیا مسلم لیگ (شفیع لیگ) لاہور کی یادداشت بھی پیش کی گئی جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال اور میاں سر محمد شفیع کی مرتب کردہ ہے۔ مجلہ جولائی ۱۹۷۸ء صفحہ ۱۵۹۔

تقابلی جائزہ

سائمن کمشن کے روبرو پیش کرنے کیلئے تجاویز یا یادداشت

- ۵ ر نومبر ۱۹۲۸ء کو پونے تین بجے کا وقت آل انڈیا مسلم لیگ (شفیع لیگ) کے لئے مقرر ہوا تھا۔ مسلم لیگ کی طرف سے ایک بڑا وفد سائمن کمشن کے سامنے پیش ہوا۔۱۱
- ۵ ر نومبر ۱۹۲۸ء کو شفیع لیگ کے ایک وفد نے، جس میں اقبال بھی شامل تھے۔ سائمن کمشن کے سامنے شہادت دی ۱۲

حضرت امام جماعت احمدیہ کی مجوزہ تجاویز کا خلاصہ روزنامہ الفضل قادیان - ۱۶ ر دسمبر ۱۹۲۷ء	ڈاکٹر سر محمد اقبال اور سر محمد شفیع کی مرتب کردہ یادداشت کا خلاصہ جو ۵ ر نومبر ۱۹۲۸ء کو کمشن کے روبرو پیش کی گئی
۱۔ صوبہ سرحد میں اصلاحی طریق حکومت کیلئے کوشش ہونی چاہئے۔	۱۔ "یہ لیگ قوی امید رکھتی ہے کہ سائمن کمشن اس صوبہ (سرحد) میں اصلاحات کے نفاذ کیلئے برطانوی پارلیمنٹ کے پاس سفارش کرے گا۔

۲ - **سندھ** کے متعلق یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ بمبئی سے الگ ایک مستقبل صوبہ قرار دیا جائے ۔

۳ - ہندوستان کے مخصوص حالات میں مسلمانوں کو **جداگانہ انتخاب** کی سخت ضرورت ہے پس (سائمن کمشن کے سامنے - ناقل) اس امر پر زور دینا چاہئے کہ اس حق کو ہندوستان کے اساسی قانون میں داخل کیا جائے ۔

۴ - **پنجاب اور بنگال** اور جو آئندہ مسلم اکثریت کے صوبے بنیں ان میں مسلمانوں کو اس قدر حقوق دیئے جائیں کہ ان کی کثرت ، قلت میں نہ بدل جائے ۔

۵ - اس وقت ہندوؤں کو مسلمانوں پر غلبہ ادنی اقوام کی وجہ سے ہے ۔ ہندو لوگ **چوہڑوں** وغیرہ کو حق تو کوئی نہیں دیتے لیکن ہندو قرار دے کر ان کے بدلہ میں خود اپنے لئے سیاسی حقوق لے لیتے ہیں ۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ انہیں ابھاریں ۔ اور ان کی تنظیم میں مدد دیں ۔ اور سائمن کمشن کے سامنے ان کے معاملہ کو پیش

۲ - یہ لیگ پر زور مطالبہ کرتی ہے کہ **صوبہ سندھ** کو احاطہ بمبئی سے علیحدہ کیا جائے

۳ - ہندوستان کی ساری مسلم آبادی ، جن کی نمائندگی لیگ کرتی ہے بڑی شدت کے ساتھ مشترکہ حلقہ جات انتخاب کی ہر سکیم کی مخالف ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے **جداگانہ** حلقہ ہائے انتخاب کو اصل الاصول سمجھا جائے

۴ - **پنجاب اور بنگال** ہی دو ایسے صوبے ہیں ۔ جن میں بہ لحاظ آبادی مسلمانوں کی اکثریت ہے ۔ لیکن موجودہ حالات میں انہیں اکثریت رکھنے کی حیثیت کے پھل سے محروم کر دیا گیا ہے ۔

۵ - لیگ کا خیال ہے کہ ..... ان لوگوں کو جو نہ تو مسلمان ہیں اور نہ عیسائی (یعنی **چوہڑے** وغیرہ ناقل) ہندو کہا جاتا ہے ۔ (اسی وجہ سے) اونچی جاتی کے ہندوؤں کو غلبہ نیابت حاصل ہو جاتا ہے .... اس لئے ضروری ہے کہ قوموں کی جدید تقسیم جلد سے جلد اور نہایت **مستحکم** بنیادوں پر عمل میں لائی جائے

کریں ۔

۶ - **زبان** کا سوال کسی قوم کی ترقی کے لئے اہم سوال ہوتا ہے ۔ پس یہ فیصلہ ہونا چاہئے کہ مسلمانوں کو اردو زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی پوری اجازت ہو گی اور جن صوبوں میں اردو رائج ہے ۔ ان میں اردو زبان ، قانونی زبان کی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے قائم رہے گی ۔

۷ - تبلیغ ہر وقت اور ہر زمانہ میں قیود سے آزاد رہے گی ۔ ۱۳ سے

۶-۷ - تمام تعلیمی اداروں میں جو حکومت نے قائم کر رکھے ہیں ۔ یا جنکو حکومت کی طرف سے گرانٹ ملتی ہے ۔ **اردو زبان** کا استعمال کیا جائے ۔ مذہبی شعائر کی ادائیگی کے سلسلہ میں (مسلمانوں کو) ذبیحہ گائے کی اجازت ہو اور مسجدوں کے سامنے باجہ بجانے کی ممانعت کی جائے ۔ ۱۵

۸ - حضرت امام جماعت احمدیہ کے مضامین مطبوعہ الفضل اکتوبر ۱۹۲۸ء جو نومبر ۲۸ء میں کتابی شکل میں شائع ہوئے ، کے مطابق حضور فرماتے ہیں :-

" میری طرف سے ساتواں مطالبہ یہ بھی پیش ہوتا رہا ہے کہ ..... قانون اساسی کا جو حصہ کسی خاص قوم کے حقوق کے متعلق ہو ۔ اس کے متعلق یہ شرط ہو کہ جب تک اس قوم کے ۲/۳ ممبر اس کے حقوق کی حفاظت اس **قانون** میں نہیں ۔ اس کے بدلنے کے حق میں نہ ہوں ... اسے پاس نہ سمجھا جائے ۔ " ۱۴

۸ - لیگ کی رائے میں مندرجہ ذیل استحقاقی دفعہ ضروری ہے " کوئی مسودہ قانون یا قرار داد یا اس کا کوئی حصہ جو کسی قوم پر اثر انداز ہوتا ہو (اس کا فیصلہ اس قوم کے منتخب شدہ ارکان کریں گے) مجلس وضع قوانین یا کسی دوسری انتخابی مجلس میں منظور نہ کیا جائے ۔ جب تک اس قوم کے منتخب شدہ ارکان کا تین **چوتھائی** حصہ اس مسودہ یا قرارداد یا اس کے کسی حصے کے خلاف ہو " ۱۶

To change the law of separate electorate under the present conditions will not help to promote the peace of the country. The state of things now prevailing in India is that Muslims are kept out of every department. They have not yet got even half of the number of posts to which they are entitled by reason of their numbers. And this is telling on their commerce.

ص ۱۹۳ - سطر ۱۰

I have been speaking and writing against it from the very biggning, but I am sorry to say that my warning was not heeded, though now many of the Muslim Leaders have begun to realise the consequences and admit their mistake. ص ۱۹۳ - سطر ۳

(Hindu - Muslim Problems.
By Imam Jama'at Ahmadiyya.

آل پارٹیز مسلم کانفرنس

نہرو رپورٹ کے رد میں اپنے مضامین (مطبوعہ الفضل - ۲ اکتوبر تا ۲ نومبر ۱۹۲۸ء) میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے قیام کی ضرورت پر زور دیا اور فرمایا :-

" ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس منعقد ہونی چاہئے - مجھے اس بات کو معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ ایسی کانفرنس کی بنیاد لیجسلیٹو اسمبلی کے مسلمان نمائندوں نے رکھ دی ہے اور دسمبر میں اس کے انعقاد کی تجویز ہو رہی ہے - میں اس کانفرنس کے داعیان کو اس امر کی طرف توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتا - کہ وہ اس (کانفرنس) کی دعوت کو جس قدر وسیع کریں - وہ مفید ہو گا - اور ان کی کامیابی کا انحصار ان کی دعوت کی وسعت پر ہو گا - " (نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے حقوق ص ۱۱۴)

جناب عبدالمجید سالک جو اس کانفرنس (۳۱ دسمبر ۲۸ ء تا ۲ جنوری ۱۹۲۹ء) میں موجود تھے - فرماتے ہیں " مسلمانوں کی جس قدر زیادہ نمائندگی اس کانفرنس میں مہیا ہوئی - اتنی اور کسی اجتماع میں دکھائی نہیں دیتی - یہاں تک کہ اس کانفرنس میں بیس قادیانی ممبر بھی شامل کر لئے گئے تھے تاکہ اس جماعت کو بھی نقصان نیابت کی شکایت نہ ہو " (سرگذشت ص ۲۵۷)

ان حقائق کی روشنی میں ظاہر ہے کہ مصنف زندہ رود کی یہ تحقیق درست قرار نہیں دی جا سکتی کہ :-

" برصغیر کی مسلم سیاست میں احمدی صرف اسی حد تک حصہ لیتے تھے جس حد تک سر فضل حسین یا یونینسٹ پارٹی کے مفادات اجازت دیتے تھے - پس اگر احمدیوں نے " آل پارٹیز مسلم کانفرنس " میں شمولیت اختیار کی تو سرفضل حسین کے اشارے پر کی تھی " (زندہ رود ص ۵۹۱)

جدوجہد آزادی کے اہم اجتماعات ۱۹۲۸ء تا ۱۹۳۲ء

حصول آزادی کے تدریجی سفر میں مسلم پلیٹ فارم سے جو مسلم مطالبات وقتاً فوقتاً پیش کیے گئے یا دوسرے لفظوں میں جو سیاسی جدوجہد کی گئی - ان میں جن تحریکات یا واقعات کو ممتاز مقام حاصل ہے - ان میں سے کچھ کا ذکر گذشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے - اس دور کو ہم ۱۹۲۷ء تک کا دور کہتے ہیں -

۱۹۲۷ء تک کا دور

آزادی کے مخلص علمبردار اور مسلمانوں کے محبوب رہنما رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کو سیاسی آزادی کی مہم میں جو قائدانہ مقام حاصل ہے - اس سے کسے انکار ہو سکتا ہے - علامہ اقبال کی پنجاب کونسل میں تقریر کے حوالے سے آپ کا تبصرہ گذشتہ صفحات میں درج کیا جا چکا ہے - آیئے ! دیکھتے ہیں مولانا جوہر کے نزدیک سیاسی آزادی کی جدوجہد میں - مسلمانوں کی بہبودی اور ان کی تنظیم کے سلسلہ میں '۱۹۲۷ء تک جماعت احمدیہ کا کیا کردار رہا ---- مولانا کے اخبار " ہمدرد " کا درج ذیل تبصرہ قابل توجہ ہے :-

مولانا محمد علی جوہر کا خراج تحسین

" - ناشکر گزاری ہو گی کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد (امام جماعت احمدیہ - ناقل) اور ان کی اس منظم جماعت (احمدیہ) کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کیلئے وقف کر دی ہیں - یہ حضرات اس وقت اگر ایک طرف ، مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف ، مسلمانوں کی تنظیم و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں اور وہ وقت دور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم اسلام کیلئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمت اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں -

مشعل راہ ثابت ہو گا" ۱۷؎

اسی طرح اخبار "مشرق" گورکھپور کا درج ذیل تبصرہ بھی مطالعہ کے لائق ہے۔

"اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں کے ہیں۔ سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک احمدی جماعت ہے۔ جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جماعت سے مرعوب نہیں ہے اور خالص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے" ۱۸؎

امید ہے کہ مصنف زندہ رود کی یہ غلط فہمی کہ احمدی تحریک آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینا حرام سمجھتے تھے۔ (صفحہ ۵۹۰) یا احمدی مسلم سیاسیات میں صرف اسی حد تک حصہ لیتے تھے جس حد تک سر فضل حسین یا یونی نسٹ پارٹی کے مفادات اجازت دیتے تھے (صفحہ ۵۹۱) مولانا محمد علی جوہر کے اعلان اور اخبار "مشرق" کے اداریئے کے مطالعہ سے دور ہو جائے گی۔

۱۹۲۷ء کے بعد کا دور

آئندہ صفحات میں ہم ۱۹۲۷ء کے بعد کے دور کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں ۲۸ء تا ۳۲ء کی مدت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس دور میں درج ذیل اجتماعات یا مراحل مسلمانان ہند کی سیاسی جدوجہد میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں:۔

- آل پارٹیز مسلم کانفرنس دہلی --- دسمبر ۱۹۲۸ء تا جنوری ۱۹۲۹ء
- قائداعظم کے چودہ نکات ---- مارچ ۱۹۲۹ء
- آل مسلم پارٹیز کانفرنس - پٹنہ --- جولائی ۱۹۳۰ء
- گول میز کانفرنسیں لندن (۱) --- نومبر ۱۹۳۰ء
  " (۲) --- ستمبر ۱۹۳۱ء
  " (۳) --- نومبر ۱۹۳۲ء
- علامہ اقبال کا خطبہ الٰہ آباد --- دسمبر ۱۹۳۰ء
- علامہ اقبال کا خطبہ مسلم کانفرنس لاہور --- مارچ ۱۹۳۲ء

مندرجہ بالا اجتماعات یا کانفرنسوں میں قدرے ردوبدل کے ساتھ

--- مسلم نشستوں کا تحفظ -- سندھ کی بمبئی سے علیحدگی --- بلوچستان اور سرحد میں اصلاحات کا نفاذ --- مرکزی و صوبائی وزارتوں میں مسلمانوں کا جائز حصہ --- وفاقی طرز

حکومت -- صوبوں کی خود مختاری -- پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت --- تمام فرقوں اور قوموں کو مکمل مذہبی آزادی وغیرہ مطالبات پیش ہوتے رہے۔ ۱۹؎

نہرو رپورٹ کا رد

گو حضرت امام جماعت احمدیہ' جدوجہد آزادی کے ان نکات کی ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۷ء تک کے دور میں کافی حد تک وکالت کر چکے تھے -- مگر ۱۹۲۸ء میں "نہرو رپورٹ" کے رد میں آپ کی طرف سے جو کتاب شائع کی گئی۔ اس کی اس دور میں نظیر نہیں ملتی۔ " -- نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح" کے نام سے بڑی تقطیع کے ۱۱۸ صفحات پر شائع شدہ یہ کتاب سیاست کے طالب علموں کے مطالعہ کے لائق ہے۔ اس میں یورپین ممالک کے دساتیر کو سامنے رکھ کر مسلم مطالبات کے حق میں بڑے ہی وزنی اور واقعاتی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ پھر اس کا انگریزی ترجمہ کروا کے انگلستان کے اہل الرائے طبقہ اور برٹش پارلیمینٹ کے ممبروں کو بھجوایا گیا -- اس کتاب نے نہرو رپورٹ کے پیش کردہ دلائل کی دھجیاں بکھیر کے رکھ دیں۔ مولانا غلام رسول مہر نہرو رپورٹ کی مخالفت کے مرحلہ کو قیام پاکستان کی مہم میں کیا اہمیت دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"پاکستان کے قریبی محرکات و عوامل کا جائزہ لیں۔ تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اس کا آغاز "نہرو رپورٹ" کی مخالفت سے ہوا۔ (ہفتہ وار "اقدام" ۱۳ جون ۱۹۵۳ء)

نہرو رپورٹ کی مخالفت

راقم عرض کرتا ہے کہ:۔

- حضرت امام جماعت احمدیہ نے اس کتاب میں نہرو رپورٹ کی اندرونی شہادتوں سے ثابت کیا کہ نہرو کمیٹی کسی صورت میں بھی ہندوستان کی نمائندہ نہیں کہلا سکتی۔
- حضور نے مسلمانوں کا ایک ایک مطالبہ بیان کر کے نہرو رپورٹ کی روشنی میں ثابت کیا کہ اس نے مسلم مطالبات کو پورا کرنا تو رہا ایک طرف۔ ان کے موجودہ حقوق بھی غصب کرنے کی کوشش کی ہے۔
- حضور نے اس بے نظیر تبصرہ کو اسی ماہ (نومبر ۲۸ء) میں برطانوی پارلیمینٹ کے ممبروں کو بھجوانے کے علاوہ کلکتہ اور دہلی جو ان دنوں سیاسی آزادی کے مرکز بنے ہوئے تھے اور جہاں

مسلم لیگ، مجلس خلافت اور دوسری جماعتوں کے اجلاس منعقد ہو رہے تھے۔ وہاں خاص طور پر اس کی اشاعت کی۔

۔ حضور نے خطبہ جمعہ (۵ ر اکتوبر ۲۸ء) میں ہندوستان کے تمام احمدیوں کو حکم دیا۔ کہ وہ ہر شہر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر جلد سے جلد ایسی کمیٹیاں بنائیں جو نہرو کمیٹی کے خلاف جلسے کر کے اس کی پیش کردہ تجاویز کے بد اثرات سے آگاہ کریں۔ اور ریزولیوشن پاس کر کے مسلم لیگوں۔ مقامی حکومت۔ حکومت ہند، سائمن کمشن اور تمام سیاسی انجمنوں اور پریس کو بھیجیں اور حکومت کو آگاہ کر دیا جائے کہ

نہرو رپورٹ میں ہمارے حقوق کو نظرانداز کر دیا گیا۔

۔ مسلمانوں کے حقوق آزادی کی انگریزوں پر معقولیت ثابت کرنے کے لئے حضور نے ۱۱۸ صفحات کے اس تبصرہ کو بہت سے قدیم اور نادر حوالوں سے مزین کیا۔ مثلاً

۔ آٹھ دفعات کانگریس آف وئنا یونائیٹڈ ندر لینڈ۔۔۔ صفحہ ۳۶

۔ کانگریس آف برلن ۱۸۷۸ء (بہ سلسلہ سرویا۔ بلغاریہ)۔۔۔ صفحہ ۳۷

۔ دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز ۔۔۔ صفحہ ۳۷

۔ لیگ آف نیشنز کی نگرانی میں اقلیتوں کی حفاظت کے معاہدات مثلاً:۔

"پولینڈ سے معاہدہ

"یوگو سلیویا سے معاہدہ

"البانیہ معاہدہ

" فلینڈ سے معاہدہ بابت جزائر الانڈ وغیرہ وغیرہ

پھر فرمایا ---" میں اور احمدیہ جماعت اس معاملہ میں (نہرو رپورٹ کے مضرتوں کے خلاف) باقی تمام مسلمانوں سے مل کر جدوجہد کرنے کو تیار ہوں اور میں احمدیہ جماعت کے وسیع اور مضبوط نظام کو اس اسلامی کام کی اعانت کے لئے تمام جائز صورتوں میں لگا دینے کا وعدہ کرتا ہوں" ۲۰

O -- چنانچہ افراد جماعت نے دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو حقوق آزادی کے لئے بیدار کیا۔

O -- ملک کے چپہ چپہ میں احتجاجی جلسوں کو کامیاب کیا ---- بالآخر گاندھی جی کو تسلیم کرنا

پڑا۔

" ہم یہ کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ " نہرو رپورٹ " کو ردی کے کاغذ کے برابر بھی وقعت نہیں دی گئی۔ " ۲۱

جدوجہد آزادی۔ مسلم سیاست کے تین اہم مراحل

آگے بڑھنے سے پیشتر ہم -- آل پارٹیز مسلم کانفرنس۔ قائداعظم کے ۱۴ نکات اور علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کا مختصر تعارف پیش کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ آزادی میں ان تینوں اجتماعات یا مراحل کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ۲۲

آل پارٹیز مسلم کانفرنس جنوری ۱۹۲۹ء

مصنف زندہ رود رقمطراز ہیں:۔

" نہرو رپورٹ نے مسلمانوں پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ کانگریسی لیڈروں کا وسیع النظریہ اعتدال پسند طبقہ بھی ہندو مہا سبھا کے زیر اثر ہے۔ چنانچہ کوشش کی جانے لگی کہ اس کے خلاف مسلمانوں کا ایک متحدہ محاذ بنایا جائے۔ اس تگ و دو کے نتیجہ میں " آل پارٹیز مسلم کانفرنس " وجود میں آئی۔ اقبال اس کانفرنس کے بانیوں میں سے تھے اور انہوں نے کانفرنس کے لئے مسلمانوں کے مطالبات مرتب کرنے کے سلسلہ میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۔ ۲۹ ر دسمبر ۱۹۲۸ء آل پارٹیز مسلم کانفرنس کا اجلاس بصدارت آغا خاں، دہلی میں منعقد ہوا۔ جس میں جناح لیگ کے سوا تمام مسلم جماعتوں کے نمائندے شریک ہوئے۔ اجلاس میں نہرو رپورٹ کی مذمت کی گئی اور بالآخر ایک قرارداد (۱۰ مطالبات پر مشتمل۔ ناقل) منظور کی گئی" ۲۳

قائداعظم کے چودہ نکات مارچ ۱۹۲۹ء

" محمد علی جناح نے جناح لیگ میں موجود، نیشنلسٹ مسلمانوں کے گروہ سے بیزار ہو کر " آل انڈیا مسلم کانفرنس " کی قرارداد کے ۱۰ مطالبات میں کچھ ترمیم (یعنی مرکز اور صوبہ کی ہر وزارت میں ایک تہائی حصہ مسلمان ضروری ہوں) اور ۴ ر مطالبات کا اضافہ کر کے اپنا فارمولا جو چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوا۔ اخباروں میں شائع کر دیا۔" ۲۴

علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء

۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الہ آباد میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت، علامہ اقبال نے فرمائی۔ تاریخ آزادی میں آپ کے صدارتی خطاب کو خصوصی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے اپنے خطبہ میں "اسلام اور قومیت" ہندوستان میں ایک اسلامی ہند۔ سائمن رپورٹ۔ نہرو رپورٹ۔ مسئلہ دفاع۔ جداگانہ انتخاب۔ سندھ کی علیحدگی۔ گول میز کانفرنس وغیرہ امور پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اور اس ضمن میں "مسلم مطالبات" کی معقولیت واضح کرنے کی کوشش کی۔

مسلم مطالبات کے حق میں قادیان سے اٹھنے والی حریت پرور آواز

افسوس ہے۔ مصنف زندہ رود نے جماعت احمدیہ پر سیاسی بیداری کے دور میں جدوجہد آزادی میں عدم شرکت کا الزام تو بڑی دیدہ دلیری بلکہ دریا دلی سے لگا دیا مگر اسے معین واقعات سے مزین کرنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ مسلم سیاست کے تین اہم مراحل (آل انڈیا مسلم کانفرنس۔ قائداعظم کے چودہ نکات اور خطبہ الہ آباد) میں پیش کردہ "مطالبات" کی شمع کو قادیان کی سرزمین سے جو جلا بخشی گئی ۔۔۔ اس شجر کی جس رنگ میں وہاں سے آبیاری کی گئی ۔۔۔ نہرو رپورٹ کے زہر کا تریاق، جس کثیر مقدار میں قادیان نے مہیا کیا ۔۔۔ مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے مسلم قائدین کو جس انداز میں دلائل و براہین سے قادیان نے لیس کیا۔ برصغیر کی کوئی مذہبی جماعت یا ادارہ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے اولوالعزم اور صاحب بصیرت امام نے محاذ حریت پر اسلامی روایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت درجہ پختہ کاری، میانہ روی، لامحدود وسعت قلب و نظر اور حیرت انگیز سخت کوشی سے ایک معمولی سپاہی کی طرح نہیں بلکہ ایک سپہ سالار کی مانند غائت درجہ اخلاص و ایثار سے اپنا کردار بھرپور طور پر ادا کیا۔

واضح رہے کہ ان تاریخی اجتماعات یا واقعات میں پیش کئے جانے والے مسلم مطالبات کے خالق نہ تنہا امام جماعت احمدیہ تھے۔ نہ بانیان مسلم کانفرنس، نہ قائداعظم اور نہ علامہ اقبال۔ بلکہ یہ مطالبات کسی نہ کسی شکل میں موجود تھے اور یہ سب حضرات یا اجتماعات ان کے ترجمان تھے۔

ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مسلم حقوق کی جو ترجمانی قادیان کی سرزمین سے ہوئی۔ وہ بہترین ترجمانی میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔

بخوف طوالت ہم آئندہ سطور میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے مضامین مطبوعہ اخبار الفضل اکتوبر اور انہی مضامین پر مشتمل کتاب (مطبوعہ نومبر ۱۹۲۸ء۔ ۱۱۸ صفحات) سے صرف چند منتخب اقتباس پیش کرتے ہیں۔ جن میں مسلم مطالبات کی ترجمانی کی گئی ہے (مفصل تشریح کے لئے اصل کتاب ملاحظہ فرمائی جائے)۔ پھر تقابلی جائزہ کے لئے اس کے بعد منعقد ہونے والے تینوں تاریخی اجتماعات (آل انڈیا مسلم کانفرنس۔ یکم جنوری ۱۹۲۹ء۔ قائداعظم کے چودہ نکات مارچ ۱۹۲۹ء۔ خطبہ الہ آباد۔ دسمبر ۳۰ء) میں پیش کئے گئے نکات یا مطالبات کے خلاصے درج کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام کو موازنہ کرنے میں سہولت رہے۔ اور وہ یہ اندازہ لگا سکیں کہ مصنف زندہ رود کا یہ دعویٰ کہ جماعت احمدیہ جدوجہد آزادی میں شرکت کو حرام سمجھتی تھی کس حد تک قابل قبول ہے؟

سیاسی بیداری کے دور کے اہم ترین مسلم مطالبات

فیڈرل حکومت کا مطالبہ

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

۱۔ "۔ مسلمانوں کا پہلا مطالبہ **فیڈرل حکومت** کا ہے۔ یعنی اختیارات حکومت صوبہ جات کو ملیں۔ جنہیں کامل خود اختیاری حکومت حاصل ہو۔ مرکزی حکومت کو صرف وہی کام صوبہ جات کی طرف سے تفویض ہو۔ جن کا مرکزی حکومت کو دیا جانا ضروری ہو .... یہ مطالبہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ سب مسلمانوں کا ہے۔ کم از کم دونوں مسلم لیگوں (جناح لیگ۔ شفیع لیگ۔ ناقل) کا یہ مطالبہ ضرور ہے۔ اس مطالبہ کو نہرو کمیٹی نے کلی طور پر رد کر دیا ہے۔ اور بجائے فیڈرل حکومت کے مرکزی حکومت کے طریق کو منظور کیا ہے۔ یعنی ان کی تجویز کی رو سے ہندوستان کی حکومت کے اختیار مرکزی پارلیمنٹ کو دیئے گئے ہیں اور ان کی طرف سے بعض اختیارات، صوبہ جات کو عطا کئے گئے ہیں ..... پس نہرو کمیٹی نے فیڈرل یعنی اتحادی حکومت کو جس میں سب صوبے برابر کے حقدار ہوتے ہیں رد کر کے مسلمانوں کو بالکل بے بس

کر دیا ہے۔" ۲۵ ؎

"۔ نہرو رپورٹ کی پیش کردہ طرز حکومت کی رو سے مرکزی حکومت "بنگال اور پنجاب" کے اسلامی صوبہ جات کو یا تو بالکل مٹا سکتی ہے یا ان میں ہندوؤں کی اکثریت کر سکتی ہے۔ لیکن مسلمانوں کی طرف سے جو مطالبہ ہے۔ اس کی رو سے ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مسلمان فیڈرل حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جس میں اصل مالک صوبہ جات قرار پاتے ہیں۔ مرکزی حکومت ایک گماشتہ کی حیثیت رکھتی ہے"۔ ۲۶ ؎

"فیڈرل حکومت کا اصول کوئی غیر مجرب اصول نہیں ہے بلکہ ایک لمبے عرصہ سے اس کا تجربہ کیا جا رہا ہے اور یہ بہترین اصل ثابت ہوا ہے۔" امریکہ، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا اور سوئٹزرلینڈ میں بھی اسی قسم کی حکومت ہے۔" ۲۷ ؎

"..... میں سمجھتا ہوں کہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ فیڈریشن کا سوال مسلمانوں کے لئے موت اور حیات کا سوال ہے اور یہ بھی کہ فیڈریشن کے اصول کو تسلیم کر لینے میں ہندوؤں کا کوئی نقصان نہیں۔ اور سیاستاً اس قسم کی حکومت میں کوئی خرابی نہیں اور اس لئے اس حصہ کو ان فقرات پر ختم کرتا ہوں۔ کہ مسلمان یاد رکھیں کہ ان کے سب مطالبات میں سے وزنی مطالبہ یہی ہے۔ اگر اسے وہ حاصل کر لیں تو باقی مطالبات میں کوئی نقص رہ بھی جائے۔ تو کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اس مطالبہ میں اگر کوئی نقص رہ گیا۔ تو پھر ان کے لئے کہیں ٹھکانا نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہر ایک شر سے محفوظ رکھے" ۲۸ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) ہندوستان کا آئندہ دستور وفاقی:
ہندوستان کا آئندہ دستور وفاقی طرز کا ہو اور ما بقی اختیارات صوبوں کو دیئے جائیں"۲۹

قائد اعظم کے ۱۴ نکات مارچ ۱۹۲۹ء آئندہ جو آئین مملکت طے کیا جائے اس کی ہیئت وفاقی طرز حکومت' کی ہو جس میں بقیہ اختیارات صوبجات کو تفویض کئے جائیں۔ تمام صوبوں کو یکساں خود اختیاری عطا کی جائے۔" ۳۰ ؎

علامہ اقبال، خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) "مسلمانوں نے وفاق کا مطالبہ صرف اس

لئے کیا ہے کہ فرقہ وارانہ مسئلے کا حل پیدا ہو جائے ..... ادھر نہرو رپورٹ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ مرکزی مقننہ میں ہندوؤں کی اکثریت رہے وحدانی نظام مملکت کی سفارش کر دی ہے کیونکہ اس طرح پورے ہی ہندوستان پر ہندوؤں کو غلبہ و تسلط حاصل ہو جاتا ہے۔ ..... میری رائے میں ایک خود مختار ہندوستان میں واحدانی طرز حکومت کی بات سوچنے کے قابل بھی نہیں ہے" ۳۱ ؎

سندھ۔ سرحد اور بلوچستان کیلئے حقوق کا مطالبہ

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:۔

"۔ دوسرا مطالبہ، مسلمانوں کا یہ تھا کہ تین نئے اسلامی صوبے قائم کئے جائیں۔ اس طرح کہ صوبہ سرحد اور بلوچستان کو وہی حقوق دیئے جائیں جو دوسرے صوبوں کو حاصل ہیں اور سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک کامل طور پر بااختیار صوبہ بنا دیا جائے" ۳۲ ؎

"جہاں تک سیاست کا سوال ہے۔ ان صوبوں کے آزاد ہونے میں بڑا نفع ہے اور نہ ہونے میں نقصان" ۳۳ ؎

"۔ اگر سندھ کو نیابتی حقوق دے کر علیحدہ صوبہ نہ بنایا گیا تو جیسا کہ خود "نہرو رپورٹ" نے تسلیم کیا ہے۔ سندھ میں سخت ایجی ٹیشن ہو گا اور ملکی طاقت ضائع ہو گی" ۳۴ ؎

"۔ اگر صوبہ سرحد اور بلوچستان کو نیابتی حکومت نہ دی گئی تو ظاہر ہے کہ سرحدی صوبے ہونے کی وجہ سے وہ سرحد پار کی حکومتوں کی سازش کی آماجگاہ بن سکیں گے۔ بہترین پالیسی یہی ہوتی ہے کہ سرحدی صوبوں کو خوش رکھا جائے۔ ورنہ ان میں ہمسایہ حکومتیں ریشہ دوانیاں شروع کر دیتی ہیں اور خود ملک کا ایک حصہ اپنی حکومت کے خلاف کھڑا ہو کر اسے کمزور کر دیتا ہے" ۳۵ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) "۔ **سندھ کو علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔ بلوچستان** اور صوبہ سرحد میں دیگر صوبوں کی طرح دستوری اصلاحات نافذ کی جائیں" ۳۶ ؎

قائد اعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "**سندھ کو بمبئی پراونسی سے علیحدہ کرایا جائے۔**

دوسرے صوبوں کے مطابق سرحد اور بلوچستان میں بھی آئینی اصلاحات رائج کی جائیں۔"

علامہ اقبال خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) "سندھ کو ایک علیحدہ صوبہ بنایا جائے۔ اور شمال مغربی سرحدی صوبے کا سیاسی مرتبہ وہی ہو۔ جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کا ہے۔"

مسلمانوں کے لئے ایک تہائی نشستیں

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:-

"۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ نہرو کمیٹی نے قانون اساسی کی تبدیلی کے لئے ۲/۳ ممبروں کی رائے کی شرط رکھی ہے اور اگر مسلمانوں کو ان کی تعداد کے برابر بھی ممبریاں مرکزی پارلیمنٹوں میں مل جائیں تو انہیں ۱/۴ نشستیں ملیں گی۔ جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ قانون اساسی اس وقت بھی بدلا جا سکتا ہے کہ جب ایک مسلمان بھی اس کی تائید میں نہ ہو۔ کیونکہ مسلمان' نیابت" اگر آبادی کے مطابق ہو تو مسلمان ممبر ۲۵ فی صد ہوں گے اور ہندو ۷۵ فی صد ۔۔۔۔ اور قانون اساسی ۶۶ فی صدی ممبر بدل سکتے ہیں۔ پس مسلمانوں کا حکومت میں دخل قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ۳۳ فی صدی نہیں بلکہ ۳۴ فی صدی ممبریاں دونوں مرکزی پارلیمنٹوں میں مسلمانوں کو دی جائیں" ۳۷ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) "مرکزی حکومت میں مسلمانوں کو ایک تہائی نشستیں دی جائیں" ۳۸ ؎

قائداعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "مرکزی مجلس قانون ساز میں، مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہیں ہونی چاہئے۔"

علامہ اقبال۔ خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) "مسلمانان ہند' دستور کی کسی ایسی تبدیلی پر راضی نہ ہوں گے۔ جو .... مرکزی مقننہ میں ان کے ۳۳ فی صدی مطالبہ نیابت کو مجروح

کرے۔"

جداگانہ انتخابات کا مطالبہ

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں:-

"۔ کہا جاتا ہے کہ جداگانہ انتخاب سے افتراق پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ایک دھوکہ ہے" ۳۹ ؎

"۔ میں پوچھتا ہوں کہ ہندو مسلمانوں میں اختلاف "جداگانہ انتخاب" سے پہلے کا ہے یا پیچھے کا؟ اگر بعد کا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ اس طریق فیصلہ سے پہلے مسلمانوں کی نسبت مختلف گورنمنٹوں کے محکموں میں کیا تھی؟ اگر یہ واقعہ ہے کہ پہلے مسلمانوں کو پورا حق ملا کرتا تھا تو پھر بے شک کہا جائے گا۔ کہ اس سے پہلے ہندوؤں کو مسلمانوں سے تعصب نہ تھا لیکن اگر پہلے موجودہ حالت سے بھی بد تر حال تھا تو ماننا پڑے گا کہ "جداگانہ انتخاب" سے تعصب پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ تعصب کی وجہ سے مسلمانوں کو "جداگانہ انتخاب" کا خیال پیدا ہوا ہے۔" ۴۰ ؎

"میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جداگانہ انتخاب' اصول انتخاب کے بالکل خلاف نہیں ہے اور صرف یہ کہہ دینا کہ یورپ میں اس پر عمل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ طریق ہی صحیح نہیں۔ کوئی دلیل نہیں۔ جس ملک میں ایسی اقوام بستی ہوں کہ جو اپنی جداگانہ تہذیب اور جداگانہ مذہب رکھتی ہوں۔ اور ان کے درمیان میں ایک لمبے عرصہ سے جھگڑے اور مناقشے ہوں۔ ان کے متعلق کوئی نہ کوئی احتیاط کرنی ضروری ہوگی ورنہ چھوٹی قوم کی تباہی یقینی ہو جائے گی۔ اور اس کی ذمہ داری اکثریت پر ہی ہوگی۔ کیونکہ ایسے جھگڑوں کے موقع پر اکثریت ہی کے بس میں ہوتا ہے۔ کہ وہ اقلیت کو اطمینان دلائے پس حق تو یہ تھا کہ خود ہندو صاحبان' مسلمانوں سے کہتے کہ آپ کو اطمینان دلانے کا طریق یہ ہے کہ آپ اپنے نمائندے الگ منتخب کرلیں اور ہم اپنے نمائندے الگ منتخب کریں گے۔ لیکن تعجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے علاج پیش کرنے پر بھی اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

"نیابت کی اصل غرض ایک قوم کے صحیح خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ صحیح ترجمانی ایک قوم کی اس کا ہم مذہب ہی اچھی طرح کر سکتا ہے۔" ۴۱ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) "مسلمانوں کو جداگانہ نیابت سے کسی صورت میں محروم نہ کیا جائے" [۴۲]

قائداعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "فرقہ وارانہ حلقوں کی نمائندگی "جداگانہ انتخاب" کے ذریعہ ہوتی رہے بشرطیکہ ہر فرقے کے لئے آزادی ہو گی کہ اگر کسی وقت وہ چاہے تو مشترکہ انتخاب کا حق استعمال کرے۔"

علامہ اقبال، خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) مسلمانوں کو "مخلوط انتخاب" پر کوئی اعتراض نہ ہو گا اگر صوبوں کی ازسرنو تقسیم اس طرح کر دی جائے کہ ہر صوبے میں قریباً ایک ہی ملت کے۔ ایک ہی نسل کے اور ایک ہی زبان و تہذیب و مذہب والے پائے جائیں۔"

قانون کی منظوری کیلئے ۳/۴ ارکان کی منظوری

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں :۔

"۔ میری طرف سے .... (ایک) مطالبہ یہ بھی پیش ہوتا رہا ہے۔ کہ ان حقوق کو قانون اساسی میں داخل کیا جائے اور قانون اساسی اس وقت تک نہ بدلا جائے جب تک کہ منتخب شدہ ممبروں میں سے ۲/۳ ممبر اس کے بدلنے کی رائے نہ دیں۔ اور یہی کافی نہ ہو بلکہ اس کے بدلنے کے لئے یہ شرط بھی ہو کہ تین دفعہ کی متواتر منتخب شدہ مجالس آئینی، پے در پے ۲/۳ رائے سے اس کے بدلنے کا فیصلہ کریں۔ اور قانون اساسی کا جو حصہ کسی خاص قوم کے حقوق کے متعلق ہو۔ اس کے متعلق یہ شرط ہو کہ جب تک اس قوم کے ۲/۳ ممبر جس کے حقوق کی حفاظت اس قانون میں تھی۔ اس کے بدلنے کے حق میں نہ ہو اور تین متواتر طور پر منتخب شدہ کونسلوں میں وہ اس تبدیلی کے حق میں ووٹ نہ دیں۔ اسے پاس نہ سمجھا جائے اور پھر اس صوبہ میں اس تبدیلی کا نفاذ ہو۔ جس صوبہ کی کونسل کے اس قوم کے ۲/۳ منتخب شدہ ممبر اس کے نفاذ کے حق میں رائے دے دیں۔ اگر یہ شرط نہ لگائی گئی تو ہندوؤں کو ہر وقت اختیار ہو گا کہ اپنی اکثریت کے زور سے قانون کو بدل دیں اور ان حفاظتی تدابیر کو منسوخ کر دیں جنہیں

قانون اساسی کے بناتے ہوئے مسلمانوں کی خاطر منظور کر لیا جائے۔" [۴۳]

"میں نہیں جانتا کہ ہماری جماعت کے سوا کسی اور جماعت کی طرف سے یہ پیش ہوا ہے یا نہیں۔ مگر بہرحال یہ اہم ترین مطالبات میں سے ہے۔ اور اس کی طرف بھی نہرو کمیٹی نے توجہ نہیں کی۔ اس مطالبہ کی طرف ایک رنگ میں لکھنؤ پیکٹ میں اشارہ ضرور تھا مگر وہ مطالبہ قانونی زبان میں نہ تھا۔ مبہم الفاظ میں تھا" [۴۴]

"اگر قانون اساسی اس طرح تبدیل ہو سکے کہ جب چاہے۔ اکثریت اسے بدل ڈالے تو ہماری ساری بحثیں اور ہماری ساری کوششیں لغو اور فضول ہو جاتی ہیں کیونکہ اس صورت میں جب چاہیں ہندو 'ان اختیارات کو' جو اس وقت مسلمانوں کو مل جائیں' سلب کر سکتے ہیں۔" [۴۵]

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) کوئی مذہبی یا تمدنی مسئلہ سے متعلق قانون منظور نہ کیا جائے اگر اس کی مخالفت، اقلیت کے ۳/۴ اراکین کریں۔ (زندہ رود صفحہ ۳۲۵)

قائداعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "کسی مجلس قانون سازیا کسی بھی منتخب ادارے میں کوئی ایسا مسودہ قانون یا تحریک یا ان کا کوئی جزو منظور نہیں کیا جائے گا۔ اگر اس مجلس کے کسی فرقہ کے نمائندوں کی ۳/۴ تعداد اس مجوزہ قانون کی مخالف ہو۔

علامہ اقبال، خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) ----

کامل مذہبی آزادی

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں :۔

"۔ مسلمانوں کا ... مطالبہ یہ ہے کہ حکومت کو مذہب یا مذہب کی تبلیغ میں دخل دینے کا کوئی حق نہ ہو گا۔ نہ تبدیلی مذہب کے لئے وہ کوئی پابندی مقرر کر سکے اور نہ حکومت کو کوئی ایسا قانون پاس کرنے کا اختیار ہو جو کہ کسی قوم کی تمدنی یا اقتصادی حالت کو نقصان پہنچانے والا ہو۔" [۴۶]

"اسلام ایک ممتاز مذہب ہے جس نے سیاست۔ تمدن۔ اخلاق اور معاملات کے لئے

ایک ممتاز اور مستقل دستور العمل پیش کیا ہے ۔ پس مسلمان دوسری اقوام کی طرح ان مسائل کے متعلق جن پر اسلام نے روشنی ڈالی ہے ۔ سمجھوتہ نہیں کر سکتا اور نہ دوسرے کا رنگ قبول کر سکتا ہے ..... پس ہندو یقین رکھتے ہیں کہ جب تک اسلام ہے ۔ اس وقت تک تمدن اور تہذیب میں مسلمانوں کا ہمارا دباؤ تسلیم کرنا ناممکن ہے ۔ پس لازماً وہ کوشش کریں گے اور اب بھی کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو یا تو ہندوستان سے نکال دیں یا اپنے ساتھ شامل کر لیں "۴۷ ؎

" ۔ رومانیا کی آزادی کے اعلان کے وقت مسلمانوں اور یہودیوں کی حفاظت کے لئے یہ شرطیں کی گئی تھیں ۔

اول ۔ مذہب ' عقیدہ اور خاص اصول کی وجہ سے کسی کو دیوانی یا فوجداری حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا ۔ اور سرکاری عہدوں ۔ عزتوں یا مجالس سے محروم نہیں کیا جائے گا ۔

دوم ۔ مذہبی مجالس کے بنانے یا تنظیم سے یا مذہبی پیشواؤں کی ملاقات سے ملک کے اندر یا باہر نہیں روکا جائے گا ۔

" ۔۔۔ یوگوسلاویہ سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ ان کی حکومت میں
مسلمانوں کو قانون وراثت ۔ طلاق و نکاح ۔ حقوق زن و مرد کے متعلق اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی اجازت ہوگی ۔ حکومت ' مساجد ۔ تکیوں اور دوسری مسلمانوں کی عمارت کی حفاظت کی ذمہ دار ہوگی ۔ "

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) ۔۔۔۔

قائداعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) تمام قوموں کو ضمیر کی پوری آزادی ' عقیدہ ' عبادات و رسوم ' تعلیم و تبلیغ اور اجتماع و تنظیم کی کامل آزادی حاصل ہوگی ۔ "۴۸ ؎

علامہ اقبال ' خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) ۔۔۔۔

سرکاری ملازمتیں

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نظر (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں :۔

" ۔ قابلیت کا عذر رکھ کر ہمیشہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمت کے حق سے محروم رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ لیکن یہ عذر بالکل جھوٹا ہے ۔ مسلمان ہرگز ناقابل نہیں ہیں ۔ بلکہ انہیں ناقابل ظاہر کیا جاتا ہے اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کہ ایک مسلمان ' انگریز افسروں کے ماتحت ہر قسم کی ترقیات کر رہا ہے ۔ مگر ہندو افسر کے ماتحت آتے ہی ناقابل ہو جاتا ہے ...... یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ قوم کی تعداد کے مطابق عہدوں کا مطالبہ رائج الوقت سیاست کے خلاف ہے ۔ یورپ کی اقلیتوں کے متعلق یہ مطالبہ ہوتا رہا ہے اور اس مطالبہ کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے ۔۔۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان میں اس مطالبہ کو ادنیٰ اور فضول قرار دیا جائے ۔ چنانچہ مثال کے طور پر پولینڈ کو ہی لے لو ۔ اس میں یہودیوں کی اقلیت کے متعلق تسلیم کیا گیا ہے کہ

یہودیوں کو تناسب آبادی کے لحاظ سے سرکاری ملازمتوں میں حصہ دیا جائے گا ۔ (دی پروٹیکشن آف مائنارٹیز صفحہ ۹۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ملازمتوں کے سوال کو معمولی نہیں قرار دیا جا سکتا اور اس کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہر ایک قوم اپنی تعداد کے مطابق حکومت کے عہدوں میں حصہ پائے تاکہ اس کے ہم مذہب اس امر کا خیال رکھ سکیں کہ اس قوم کے وہ حقوق جو قانون کے ذریعہ سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں ۔ قانون کے استعمال کے ذریعہ سے ضائع تو نہیں کر دیئے گئے ۔ غرض ملازمتوں میں مناسب حصہ پانا ہر اک قوم کی ترقی کے لئے ضروری ہے ۔ اور یہ ضروری ہے کہ آئندہ نظام حکومت میں اس کا انتظام کر دیا جائے ۔ "۴۹ ؎

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) ۔۔۔۔

قائداعظم کے چودہ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) " ۔ حکومت اور دیگر خود مختار اداروں کی ملازمتوں میں مسلمانوں کو دیگر ہندوستانیوں کے پہلو بہ پہلو مناسب حصہ صلاحیت و کارکردگی کا لحاظ کرتے ہوئے دیا جائے ۔ "۵۰ ؎

علامہ اقبال ' خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) ۔۔۔۔

مذہب ' تمدن ' تعلیم اور زبان کی حفاظت

حضرت امام جماعت احمدیہ کا نقطہ نگاہ (اکتوبر ۱۹۲۸ء)

حضور فرماتے ہیں :۔

"اسلام ایک زبردست تبلیغی مذہب ہے ۔ وہ اپنی کمزوری کے ایام میں بھی اپنی تعداد بڑھاتا رہا ہے ۔ پچھلی مردم شماریاں اس پر شاہد ہیں کہ اسلام نہ صرف نسلاً بلکہ تبلیغی طور پر بھی بڑھ رہا ہے ۔ پس یہ بات ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ ہندو قوم اس حالت کو جاری نہیں رہنے دے سکتی ۔ اسے اگر اختیارات مل جائیں تو وہ پورا زور لگائے گی کہ جس مقصد کو وہ مذہبی تبلیغ سے حاصل نہ کر سکے ۔ وہ اسے جابرانہ قانون سے حاصل کرے اور طاقت حاصل ہونے پر اس غرض کے لئے سینکڑوں تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں ۔ جو بظاہر منصفانہ بھی ہوں اور ان سے یہ مقصد بھی پورا ہو جائے ۔

پس مسلمانوں کیلئے (اپنے مذہب کی ۔ ناقل) خود حفاظتی ضروری ہے ۔ ۵۱

"مسلمانوں کے سامنے مذہب اور قومیت کا سوال ہے ۔ سیاست کا سوال ہوتا تو وہ یہ سمجھ لیتے کہ رائے ہر معاملہ میں بدلتی رہے گی ۔ لیکن یہاں دو مختلف قومیں اور زبردست قومیں بستی ہیں ۔ جن کے مذہب الگ ہیں ۔ اور جن کے تمدن کے اصول الگ ہیں ۔ پس ایک مستقل اکثریت کے مقابلہ میں ایک مستقل اقلیت بن کر رہنے کے لئے وہ کس طرح تیار ہو سکتے ہیں ۔ جب تک ان کے حقوق کی حفاظت کا انتظام نہ ہو جائے .... جو کچھ ہو رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے آئندہ کے لئے حفاظت کا سامان نہ کرنا قومی خودکشی سے کم نہ ہوگا" ۵۲

زبان

"نہرو کمیٹی نے زبان کے مسئلہ کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے (حالانکہ اس سے) مسلمانوں کی ترقی اور تنزل وابستہ ہے ۔ ہندوؤں کی آئندہ حکومت اردو کو اڑا دے ۔ پھر دیکھو کس طرح چند ہی سال میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے وہ تھوڑے بہت کام بھی نکل جاتے ہیں ۔ جو اس وقت ان کے ہاتھ میں ہیں اور کس طرح ان کی مخصوص تہذیب برباد ہو جاتی ہے" ۵۳

مذہب اور تمدن اور روایات

"اس امر کی ضرورت کو تمام دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ جن اقوام کے مذہب اور تمدن

میں اختلاف ہو ۔ انہیں آزادانہ نشوونما کا موقع ضروری مل ملنا چاہئے ۔ ورنہ فساد اور فتنہ کا دروازہ وسیع ہو جاتا ہے اور صلح اور امن حاصل نہیں ہوتا ۔ یورپ میں جہاں جہاں زبان اور تمدن کا اختلاف ہے ۔ ان علاقوں کو الگ علاقہ کی صورت میں نشوونما پانے کا موقع دیا جاتا ہے ۔ زیکو سلیویکا کا واقعہ میں پہلے لکھ چکا ہوں ۔ اس میں رو تھینیا کو الگ اور اندرونی طور پر آزاد حکومت عطا کی گئی ہے ۔ ریاست ہائے متحدہ کی ریاستوں کا قیام بھی اسی اصل پر ہے .... پس یہ مطالبہ بالکل عقل کے مطابق ہے ۔ اور اس کی ضرورت مسلمانوں کو یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص تمدن اور اپنی روایات کو قائم رکھ سکیں اور ان کی قومی روح تباہ نہ ہو جائے" ۵۴

تعلیم

"تعلیم کے دروازے مسلمانوں کے لئے بند کئے جا رہے ہیں ۔ مسلمان زیادہ فیل کئے جاتے ہیں ۔ بعض فنون کے پروفیسر صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے تمہیں پاس نہیں ہونے دینا ۔ اور Oral اور امتحان میں فیل کر دیتے ہیں ۔ گورنمنٹ وظیفہ لیتا لیتا طالب علم جس وقت آخری منزل پر پہنچتا ہے ۔ اس کا کریکٹر تباہ کر دیا جاتا ہے ۔ مسلمان اخبارات کے اشتہارات کے کالم دیکھو ۔ ہندو اخبارات سے دگنی تگنی اشاعت ہے ۔ مگر عدالتوں کے اشتہار اور دوسرے گورنمنٹ اشتہارات ان میں بہت کم نظر آئیں گے ۔۔۔ لیکن ہندو اخبارات ' ذلیل سے ذلیل بھی ' ان اشتہارات سے بھرے ہوئے ہوں گے اور انہی اشتہارات کی بدولت چل رہے ہوں گے ...... ان حالات کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی عقلمند انسان بھی کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کو خود حفاظتی کی ضرورت نہیں ..... اگر کوئی ایسا کہے گا تو آئندہ نسلیں اس پر لعنت کریں گی اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور میں ایک مجرم کی حیثیت میں پیش کیا جائے گا" ۵۵

تقابلی جائزہ

آل پارٹیز مسلم کانفرنس (یکم جنوری ۱۹۲۹ء) دستور اساسی میں مسلمانوں کے مذہب ' تمدن ' شخصی قانون ' تعلیم اور زبان کا تحفظ کیا جائے ۔ ۵۶

قائداعظم کے ۱۴ نکات (مارچ ۱۹۲۹ء) "مسلمانوں کی ثقافت کی حفاظت کے لئے آئین میں مناسب دستوری تحفظات رکھے جائیں اور مسلمانوں کی زبان ' مذہب ' تعلیم ' ذاتی قوانین محمڈن لاء کی ترقی و حفاظت کے لئے آئین میں دفعات رکھی جائیں ۔

علامہ اقبال ' خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء) "میں بلا تردد یہ اعلان کر سکتا ہوں کہ فرقہ وارانہ مسئلے کے حل کے لئے اگر یہ بنیادی اصول تسلیم کر لیا جائے کہ ہندوستانی مسلمانوں کو ان ہی کی سرزمین پر اپنی ثقافت ۔ روایات کے تحت آزادانہ نشوونما کا پورا حق حاصل رہے گا تو پھر وہ آزادی ہند کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کریں گے ۔"

کیا ان حقائق کی موجودگی میں کوئی غیر جانبدار اور غیر متعصب محقق اس امر کا اظہار کر سکتا ہے کہ تحریک احمدیہ نے جدوجہد آزادی میں کوئی حصہ نہیں لیا!!

دیگر

۱۶۷

جو سال فرقت ہمایوں دل حزیں می جست ۔ ز ہشت خلد ندا ام رسید المومن

۱۶۷ × ۸ = ۱۳۳۶

محمد اقبال

فصل نمبر۳

باب نمبر۶

چوہدری ظفر اللہ خاں بنام گاندھی جی

جداگانہ انتخاب کے سلسلہ میں انگلستان میں مہم چلانے کی شدید ضرورت تھی ۔ اس ضمن میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے قابل ستائش جدوجہد کی اور ایک طویل عرصہ تک کام کرتے رہے ۔ ان کی جملہ مساعی کا احاطہ تو نہیں کیا جا سکتا ۔ نموتہً ایک معرکہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

گول میز کانفرنس کے ایام میں مدیر انقلاب "مولانا غلام رسول صاحب مہر" کے مکتوبات "انقلاب" کے علاوہ ملک کے دیگر جرائد و رسائل میں بھی شائع ہوتے رہے ۔ موصوف کا ایک اہم تاریخی مکتوب "فاروق" ۷ ر دسمبر ۱۹۳۱ء سے نقل کیا جاتا ہے ۔ مولانا مہر لکھتے ہیں :۔

گاندھی جی کو دعوت

"۔ اس ہفتے (انگلستان میں ۔ ناقل) بہت سی تقریبیں پیش آئیں ۔ جن کا ذکر ضروری تھا ۔ لیکن کس کس کو تفصیل سے لکھوں ۔۔ قومی نقطہ نگاہ سے آکسفورڈ (Oxford) کی ایک تقریب کا ذکر ضروری ہے ۔۔۔ آکسفورڈ میں ایک انجمن ہے جس کا نام "ریلے سوسائٹی" ہے اور جسے عام طور پر انگریزی نو آبادیوں یا بہ اصطلاح مشہور "مستعمرات" کے مسائل سے متعلق ہے ۔ مسٹر کوپ لینڈ (مصنف ہندوستانی سیاسیات ۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۲ء ۔ انگریزی ۔ ناقل) جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں تاریخ مستعمرات کے پروفیسر ہیں ۔ اس کے پریذیڈنٹ ہیں ۔۔۔ گول میز کانفرنس کی وجہ سے آجکل عام انگریز ' ہندوستان پر بھی بطور خاص متوجہ ہیں ۔ چنانچہ "ریلے سوسائٹی نے پچھلے ہفتے گاندھی جی ؒ کو دعوت دی کہ وہ ان کے روبرو ہندوستان کے مسائل کے متعلق تقریر کریں ۔۔۔ گاندھی جی گئے ۔ انہوں نے تقریر کی اور یہاں کے عام طریق کے مطابق تقریر کے بعد حاضرین نے متعدد سوالات کئے ۔ بتایا جاتا ہے کہ اس تقریر کا عام رجحان مسلمانوں کے حق میں نہیں تھا ۔

چوہدری ظفر اللہ خاں کو دعوت

گاندھی جی کی تقریر کے بعد سوسائٹی کے بعض ممبروں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اب کسی

مسلمان کو تقریر کے لئے بلانا چاہئے تاکہ مسلمانوں کا زاویہ نگاہ بھی معلوم ہو سکے۔ اس خیال کو سوسائٹی کے عام ممبروں نے پسند کیا اور چودھری ظفر اللہ خاں کو بلایا گیا۔ چوہدری صاحب کا بہت اچھا استقبال ہوا۔ صدر سوسائٹی نے لنچ میں متعدد ارباب علم و فضل کو بلایا۔ ان میں ڈاکٹر ایڈورڈ تھامسن بھی شامل تھے ..... شام کو ایک گھنٹہ تک چوہدری صاحب نے تقریر کی --- جس میں ہندوستان کے اندر اقوام کے کلچر۔ تمدن۔ طرز بود و باش۔ طریق فکر و نظر۔ مشغولیات۔ مصروفیات زندگی بلکہ اسماء تک کے اختلافات کو انتہائی وضاحت کے ساتھ پیش کیا اور اس طرح وہ تمام بنیادیں، سامعین کے روبرو پیش کر دیں۔ جن پر مسلمانوں کے "مطالبات تحفظ" مبنی ہیں۔

چوہدری صاحب نے بتایا کہ اونچی جاتیوں کے ہندو، اچھوتوں اور دوسرے غیر ہندوؤں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ ان کے کلچر اور مسلمانوں کے کلچر میں کیا فرق ہے۔ ہندو، گائے کی پرستش کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ ایک حلال طیب جانور ہے۔ ہندو، سود کا کاروبار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے مذہب میں سود لینا اور دینا ممنوع ہے۔ مسلمان، عموماً زمیندار اور کاشت کار ہیں۔ ہندو زیادہ تر بینکر اور تاجر ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے دونوں قوموں کے مقاصد میں ہر وقت تصادم کا اندیشہ رہتا ہے۔

طریق انتخاب پر بحث کرتے ہوئے چوہدری صاحب نے فرمایا۔ کہ یہاں انگلستان میں عام لوگوں کے ناموں سے ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتا کہ کون "رومن کیتھولک" ہے اور کون پراٹسٹنٹ۔ لیکن ہندوستان میں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی ایک مشترکہ فہرست میرے سامنے یا کسی بھی ہندوستانی کے سامنے رکھ دیں تو وہ بیک نظر بتا دے گا کہ --- ہندو کون ہے اور مسلمان کون اور سکھ کون ---۔ ان حالات میں ہمارے ہاں مخلوط انتخاب رائج ہو تو اس کی کیفیت یہاں کے پراٹسٹنٹ اور کیتھولک رقیب امیدواروں سے بالکل مختلف ہو گی۔

یہاں کے ووٹر محض ناموں سے معلوم نہیں کر سکتے۔ ہمارے ہاں حالت بالکل مختلف ہے لہٰذا جن اختلافات کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ وہ پانچ سال کے بعد ایک مرتبہ ووٹ اکٹھے دینے سے دور نہیں ہو سکیں گے۔

غرض چوہدری صاحب نے نہایت وضاحت کے ساتھ "اسلامی مطالبات" کے اصول و مبادی، حاضرین کے سامنے پیش کئے جس سے سب بے حد متاثر ہوئے۔

مسلم مطالبات پیش ہونے کا پہلا موقع

تقریر کے بعد سوا گھنٹے تک سوالات کا سلسلہ جاری رہا اور چودھری صاحب جوابات دیتے رہے ...... آخر میں مسٹر کوپ لینڈ نے فرمایا کہ یہاں کے لوگوں کے سامنے مسلمانوں کے مطالبات پیش ہونے کا یہ پہلا موقع ہے۔ گاندھی جی سے جتنے سوالات کئے گئے تھے۔ ان کے جوابات کی نسبت حاضرین کا احساس یہ تھا کہ وہ مبہم تھے لیکن چودھری صاحب کے تمام جوابات واضح ہیں اور غیر مبہم ہیں۔

چوہدری محمد ظفر اللہ خان پنجاب کی حد بندی (۱۹۴۷ء) کے متعلق ریڈ کلف کے غیر منصفانہ فیصلے کی وضاحت کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ ریڈ کلف کے ہندوستان آنے سے پہلے ہی پنجاب کی تقسیم کے لئے وائسرے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور اس کے مشیروں نے حد بندی کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا اور ریڈ کلف کو صرف ایک دستخط کرنے والی مشین کے طور پر استعمال کیا گیا۔

۔ گول میز کانفرنسوں میں تحریک آزادی کی مہم۔

علامہ اقبال اور چودھری ظفراللہ خاں کی سرگرمیوں کا تقابلی جائزہ

واضح رہے کہ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں مرحوم نے تینوں گول میز کانفرنسوں (۱۹۳۰ء - ۱۹۳۱ء - ۱۹۳۲ء) میں شرکت کی مگر علامہ کو دوسری اور تیسری کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا۔

مصنف زندۂ رود کا موقف

دوسری گول میز کانفرنس کے متعلق مصنف زندہ رود ہمیں بتاتے ہیں:۔

"دوسری گول میز کانفرنس کے ریکارڈ سے ظاہر ہے کہ اقبال نے مباحث میں کوئی عملی حصہ نہ لیا بلکہ اقلیتی سب کمیٹی کے اجلاسوں میں خاموش بیٹھے رہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ خاموش نہ بیٹھتے تو کیا کرتے۔ کیونکہ اقلیتی سب کمیٹی کے اجلاس تو ہر دفعہ ملتوی ہوتے رہے" ۵۸

راقم عرض کرتا ہے کہ اجلاس ملتوی ہونے کے بعد تو واقعی اقبال اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ مگر اجلاس کے آغاز سے ملتوی ہونے تک جس طرح باقی مندوبین نے اپنے موقف کا اظہار کیا۔ علامہ سے بھی یہی توقع تھی کہ وہ کچھ نہ کچھ ارشاد فرماتے۔ بہرحال جب تیسری گول میز کانفرنس کے انعقاد کے لئے نام پیش ہوئے تو وزیر ہند نے علامہ کی بے زبانی اور خاموشی کی وجہ سے ان کا نام مسلم وفد کی فہرست سے حذف کر دیا۔ اور درج ذیل نوٹ لکھا:۔

وزیر ہند کا نوٹ

۔ اقبال پچھلی (یعنی دوسری) کانفرنس میں بالکل خاموش اور چپ چاپ تماشائی کی حیثیت سے بیٹھا رہا اور کسی بحث میں اس نے حصہ نہ لیا۔ ایسے خاموش۔ بے زبان اور کم سخن شخص کو دوبارہ بلانا بالکل بیکار ہے۔ ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ جو آئین و دستور اور قانون وضع کرنے کی بحثوں میں حصہ لیں۔ اونچ نیچ کو سمجھیں۔ ہمیں بھی سمجھائیں۔ اور جس کانسٹی ٹیوشن کا خاکہ ہم تیار کر رہے ہیں۔ اس میں اگر ہماری رہنمائی نہیں کر سکتے تو کم از کم امداد ضرور کریں"۔ ۵۹

گول میز کانفرنس لنڈن

اقبال اور چوہدری محمد ظفراللہ خاں

گول میز کانفرنس۔ لنڈن

ہم نے مولانا شوکت علی۔ سر ظفراللہ خاں کو نمایاں کر دیا ہے۔

اس نوٹ کے باوجود حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں نے بحیثیت ممبر کونسل وائسرائے ہند' علامہ کی شمولیت پر' پرزور اصرار کیا۔ وائسرائے ہند نے آپ کا نوٹ وزیر ہند کو انگلستان بھجوا دیا۔ اور یوں علامہ کو تیسری کانفرنس میں شمولیت کا موقعہ مل گیا۔

مسلم وفد کے ارکان بجا طور پر توقع کر رہے ہوں گے کہ علامہ اس مرتبہ کانفرنس کی کاروائیوں میں سرگرمی سے حصہ لیں گے۔ مگر مصنف زندہ رود کی تحقیق یہ ہے کہ:۔

"۔ اقبال نے اس کانفرنس میں بھی محض ایک تماشائی کی حیثیت سے شرکت کی اور اس کی کاروائیوں میں سرگرمی سے حصہ نہ لیا"۔[۶۰]

قوموں کی تقدیروں کا فیصلہ

گول میز کانفرنس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بقول علامہ اقبال 'اس کانفرنس کے مباحث کے ذریعہ۔۔ "ہندوستان کی مختلف قوموں کی تقدیروں کا فیصلہ ہو رہا تھا"

راقم عرض کرتا ہے اگر ظفر اللہ خاں اور دیگر اراکین وفد بھی علامہ کے رنگ میں رنگین ہوتے تو مسلم تقدیر سرپیٹ کر رہ جاتی۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ صورت حال ایسی نہ تھی۔[۶۱]

—— گول میز کانفرنس میں مسلم مندوبین مسلم مطالبات کی ترجمانی کے لئے بھجوائے گئے تھے۔ مگر جہاں اقبال نے خاموش تماشائی کا پارٹ ادا کیا۔ وہاں چوہدری ظفر اللہ خاں کے کارناموں کے تذکرہ کیلئے متعدد صفحات درکار ہیں۔ جس کا یہ مختصر مضمون متحمل نہیں ہو سکتا۔ بہرحال آپ وہاں بولے اور خوب بولے۔ اور مسلم مطالبات کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔

O خواجہ حسن نظامی کے تاثرات

خواجہ حسن نظامی نے لکھا:۔ سر ظفر اللہ خاں' سیاسی عقل ہندوستان کے ہر مسلمان سے زیادہ رکھتے ہیں اور ہندو لیڈر بھی بادل نخواستہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا حریف تو ہے مگر بڑا ہی دانشمند حریف ہے۔ گول میز کانفرنس میں ہر ہندو اور مسلمان اور ہر انگریز نے چوہدری صاحب کی لیاقت کو مانا اور کہا کہ مسلمانوں میں اگر کوئی ایسا آدمی ہے۔ جو فضول اور بیکار بات زبان سے نہیں نکالتا اور نئے زمانے کے پالیٹکس پیچیدہ کو اچھی طرح سمجھتا ہے تو وہ چوہدری ظفر اللہ ہے۔.... ظفر اللہ ہر انسانی عیب سے پاک اور بے لوث ہے"۔[۶۲]

مصر کے صدر جنرل نجیب کی تصویر

جس دور میں وطن عزیز میں تحریک تحفظ ختم نبوت چلا کر اسلام کو حربے کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا اور چودھری محمد ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا مطالبہ کیا جا رہا تھا۔ اسی دور میں مصر کے صدر نے مصری عوام کی طرف سے چودھری صاحب کو اپنی یہ تصویر پیش کی اور اس پر لکھا:۔

الی زعیم الاسلام أعنی صاحب المعالی السید ظفر اللہ خان أقدم، صورتی تقدیراً لفضلہ وتذکاراً لزیارۃ معالیہ لوطنہ الثانی۔

"میں اپنی یہ تصویر زعیم اسلام عزت مآب ظفر اللہ خان کی خدمت عالیہ میں ان کے فضل و کرم کے اعتراف اور ان کے اپنے وطن ثانی کے دورے کی یادگار کے طور پر پیش کرتا ہوں۔" دستخط جنرل نجیب

فوٹو ۔۔۔ بہ شکریہ چوہدری ادریس نصر اللہ خاں صاحب

اخبار انقلاب ۱۳ر جولائی ۱۹۳۱ء کی اشاعت میں لکھتا ہے :-

O "انقلاب" اخبار کی رائے۔

"۔ وزیر ہند نے اپنی ایک تقریر میں اعلان کیا تھا کہ گول میز کانفرنسوں کو جن مشکلات کا سامنا تھا۔ انہیں حل کرنے کے لئے **قیمتی اور نتیجہ خیز خدمات سر محمد ظفر اللہ خاں** نے سر انجام دیں۔"

O تیج اخبار کی رائے۔

"مسلم ڈیلی گیٹس میں چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے **خاص شہرت حاصل کر لی ہے** حالانکہ وہ ہمیشہ فرقہ پرستی کا راگ گاتے رہے ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی **قابلیت کے باعث سر محمد شفیع**۔ مسٹر جناح اور ڈاکٹر شفاعت احمد خاں پر **سبقت لے گئے ہیں**۔" ۶۳ـــ

O "ادبی دنیا" کی رائے

"۔ گول میز کانفرنس کے پنجابی نمائندوں میں چوہدری ظفر اللہ خاں بار ایٹ لاء نے متعدد سب کمیٹیوں میں جس قابلیت۔ تندہی اور رواداری سے کام کیا ہے۔ ان کا اعتراف نہ کرنا ظلم ہو گا۔ ان کی متین، فصیح اور قابلانہ تقریروں سے متاثر ہو کر مسٹر شاستری اور مسٹر چنتا منی ایڈیٹر اخبار "لیڈر" الہ آباد نے بھی بغیر سابقہ تعارف کے نہایت بلند الفاظ میں انہیں خراج تحسین ادا کیا ہے ..... مشترکہ سب کمیٹی کے صدر لارڈز ٹلینڈ تھے۔ دوسرے ہی اجلاس میں ایک قانونی نکتہ میں الجھن پڑ گئی ---- چنانچہ سر محمد شفیع۔ سر سلطان احمد۔ سر سیتلواد اور مسٹر ہیگ نے مسئلہ کی وضاحت کی کوشش کی مگر پھر بھی لارڈز ٹلینڈ کے نزدیک یہ مسئلہ تشنہ ء تشریح ہی رہا۔ اس پر ..... چودھری صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں مسئلہ کی وضاحت کر دی۔ چودھری صاحب کے طریق استدلال اور شفتہ و رفتہ تقریر کی ہر شخص نے داد دی۔ اور راجہ نریندر ناتھ بے ساختہ کہہ اٹھے تم نے کمال کر دیا ہے۔ شام کو مسٹر شاستری نے اپنے جذبہ ء اخلاص کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے جس قدر کام ان سب کمیٹیوں میں دیکھا ہے اس سے میں نے یہ قطعی نتیجہ نکالا ہے کہ آپ نہایت ذکی اور ذہین ہیں" چوہدری صاحب کی بے لوث خدمات، کامیاب مستقبل کا پتہ دیتی ہیں۔ ہم چوہدری صاحب ممدوح کو ان کی خدمات کی

THE

MEMOIRS OF AGA KHAN

We assembled in London in the autumn of 1930. I had the ionour of being elected leader of the Muslim delegation. We stablished our headquarters in the Ritz Hotel, where it has long ɓeen my custom to stay whenever I am in London. It is no ormality to say that it was an honour to be chosen to lead so 10table a body of men--including personalities of the calibre of Ir. M. A. Jinnah, later to be the creator of Pakistan and the Quaid-i-Azam, or Sir Muhammed Zafrullah Khan,

CASSELL AND COMPANY LTD

LONDON

مقبولیت پر مبارک باد دیتے ہیں۔ ۶۴ے

علامہ اقبال اور ظفراللہ خاں کی تنقید پر ایک نظر

گزشتہ سطور میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حکومت انگلستان نے علامہ کے خاموش تماشائی ۶۵ے ہونے کے باعث تیسری گول میز کانفرنس کے لئے آپ کا نام مسترد کر دیا تھا۔ حضرت چودھری ظفراللہ خاں نے علامہ کی شمولیت کے لئے پرزور اصرار کیا۔ آپ کی سعی کامیاب رہی ۔۔۔ مصنف "زندہ رود" اس اہم واقعہ کی تردید تو نہیں کر سکے مگر اس کامیاب مسائی پر 'پردہ ڈالنے کے لئے یا اس کی اہمیت کم کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔

"حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے دوسری گول میز کانفرنس کی کاروائیوں پر "شدید تنقید" کی تھی ۶۶ے۔ اور مسلم کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے انگریزی حکومت کے رویہ کی بھی مذمت کرتے رہتے تھے اس لئے انگریزی حکومت انہیں خوش دلی سے تو آئندہ گول میز کانفرنس کا رکن نامزد نہ کر سکتی تھی۔ مگر اقبال کو مسلم ہند کی سیاسیات میں جو اہمیت حاصل ہو چکی تھی اسے نظرانداز کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ لہٰذا حکومت برطانیہ کو بادل ناخواستہ انہیں 'کانفرنس کا رکن نامزد کرنا پڑا"

سوال یہ ہے کہ کیا پہلی گول میز کانفرنس میں علامہ کو شریک کیا گیا؟ جواب ہے۔ نہیں بتایئے! اس عدم شرکت یا علامہ کو نظرانداز کرنے سے مسلمانوں نے کسی برہمی کا اظہار کیا؟ کوئی ہنگامہ برپا کیا؟ انگریز حکمرانوں کیلئے کوئی مشکلات پیدا ہوئیں؟۔۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ پھر تیسری کانفرنس میں

"اگر علامہ کو شریک نہ کیا جاتا تو انگریزی حکومت کو کونسا خطرہ لاحق ہو جاتا؟

ظفراللہ خاں اور علامہ کی تنقید

رہی بات نکتہ چینی کی تو مصنف زندہ رود خود ہمیں بتاتے ہیں کہ اقبال 'عدم تعاون۔ نکتہ چینی۔ سول نافرمانی۔ تشدد۔ جیل جانے۔ بھوک ہڑتال کرنے بلکہ انگریزوں کے خلاف ایجی ٹیشن تک کی سیاست کے سخت خلاف تھے (صفحہ ۴۱۱) جبکہ مولانا محمد علی جوہر اور مسٹر گاندھی ایسے اقدامات کے حق میں تھے۔ انگریز حکمرانوں نے تو مولانا جوہر اور مسٹر گاندھی کو بھی کانفرنس میں شرکت کی اجازت دی تھی۔ وہ علامہ کی انگلستان میں خاموشی اور ہندوستان میں

معمولی قسم کی نکتہ چینی کی وجہ سے انہیں کیونکر محروم کرتی۔ کیا اقبال 'اس دور میں مولانا جوہر یا مسٹر گاندھی کی تشدد پسندی سے بھی آگے قدم بڑھا چکے تھے؟ ظاہر ہے۔ صورت حال ایسی نہیں تھی۔

مصنف کو خود اعتراف ہے کہ:۔

"۔ انگریز حکمران اتنے کمزور نہیں تھے کہ احراریوں کی ایجی ٹیشن یا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا ظفر علی خاں کے اخبارات میں اقبال کا نام لینے پر انہیں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا رکن مقرر کر دیتے۔" ۶۷ے

یہی بات ہم کہنا چاہتے ہیں۔ کہ

"۔ انگریز حکمران اتنے کمزور نہیں تھے کہ ۔۔۔۔۔ وہ اقبال کو نظرانداز نہ کر سکتے ہوں۔ وہ اتنے مضبوط تھے کہ بڑی آسانی سے علامہ کو نظرانداز کر سکتے تھے۔ وزیر ہند گذشتہ گول میز کانفرنس میں خاموش تماشائی کا پارٹ ادا کرنے کی وجہ سے علامہ کو اگلی کانفرنس کے لئے کوئی کار آمد وجود نہیں سمجھتے تھے۔

.... یہ تو حضرت چوہدری ظفراللہ خاں کی شخصیت تھی۔ جنہوں نے وزیر ہند کی نگاہ میں علامہ کی اہمیت کو اجاگر کیا ۔۔۔۔ آپ نے علامہ کا کیس اس درجہ مضبوطی کے ساتھ پیش کیا کہ وزیر ہند کو بادل نخواستہ ہی سہی علامہ کو اگلی کانفرنس کے لئے نامزد کرنا پڑا۔

کیا بحیثیت صدر مسلم کانفرنس' علامہ نے انگریزی حکومت کے رویہ کی مذمت کی؟ جواب اثبات میں ہے۔ لیکن اس مذمت کا لب و لہجہ قریب قریب وہی تھا جو چودھری صاحب بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم لیگ تین ماہ قبل اختیار کر چکے تھے۔ ہم یہاں علامہ اقبال اور چودھری صاحب ہر دو کے خطبات سے متعلقہ اقتباسات درج کرتے ہیں جو انگریزی حکومت کی روش پر تنقیدی پہلو کے حامل کہے جا سکتے ہیں۔

تقابلی جائزہ

برطانوی حکومت کے رویہ کی مذمت

سالانہ اجلاس، آل انڈیا مسلم لیگ۔ دہلی
دسمبر ۱۹۳۱ء

خطبہ صدارت چوہدری ظفر اللہ خاں

"(برطانوی) وزیراعظم نے بے شک یہ اعلان کیا ہے کہ اگر (ہندوستانی۔ ناقل) جماعتیں اس (فرقہ وارانہ۔ ناقل) مسئلے کا تصفیہ نہ کر سکیں تو حکومت برطانیہ فیصلہ صادر کر دے گی لیکن گذارش یہ ہے کہ کیا اس اعلان سے قبل وزیراعظم کو یقین نہیں ہوا کہ اب اس معاملہ کا باہمی گفت و شنید یا صلاح و مشورہ سے طے کیا جانا ممکن نہیں۔ لہٰذا وزیراعظم کو یہ سوچ لینا چاہئے تھا کہ اقلیتوں کے خطرات اور بے اطمینانی میں روز بروز اضافہ کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کی **مختلف** جماعتوں کے درمیان **افتراق و اختلاف** کی جو خلیج حائل ہے وہ اور بھی زیادہ وسیع ہو جائے تاخیر سے کام لینے کا نتیجہ محض یہ ہو گا کہ بعض حلقوں میں حکومت کے متعلق جو بدگمانی پھیل رہی ہے اسے اور بھی تقویت ملے گی۔ کہا جاتا ہے کہ حکومت کی یہ خواہش ہے کہ اقوام ہند (ہندو مسلم۔ ناقل) کی **باہمی منافرت** اور **بے اعتمادی** میں اضافہ ہوتا رہے تا اس طرح جو بے چینی رونما ہو اس سے فائدہ اٹھا کر حکومت آئندہ دستور کی ترتیب میں حتی الامکان بخل اور تنگ نظری سے کام لے۔

سالانہ اجلاس "آل انڈیا مسلم کانفرنس" لاہور
مارچ ۱۹۳۲ء

خطبہ صدارت علامہ اقبال

برطانیہ نے فرقہ وارانہ مسئلے کا عارضی فیصلہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا اس شرط پر کہ گول میز کانفرنس کے نمائندوں کی واپسی کے بعد ہندوستان کی جماعتیں آپس میں کسی سمجھوتہ پر نہ پہنچ سکیں۔ یہ اعلان برطانیہ کے دعوئی اور پالیسی کے عین مطابق تھا کہ اس کی حیثیت بے لاگ پارٹی کی ہے لیکن برطانوی حکومت کے موجودہ رویہ سے ظاہر ہے کہ ان کا مقصد توازن قائم کرنا نہیں بلکہ وہ بالواسطہ ہندوستان کی دو بڑی جماعتوں یعنی ہندو مسلم کو خانہ جنگی کی طرف دھکیل رہی ہے۔

"مسلمان قدرتی طور پر فرقہ وارانہ سمجھوتہ کے بارہ میں حکومت کے رویہ سے بدظن ہو گئے ہیں۔ انہیں اندیشہ ہے کہ حکومت، کانگریس سے ہر قیمت پر مفاہمت کے لئے تیار ہے اور مسلمانوں کے مطالبات کی قبولیت کی تاخیر بھی اس جماعت سے گفت و شنید کی وجہ سے ہے سیاسی امور میں حکومت پر اعتماد کرنے کی پالیسی اب مسلمانوں کے دل سے **نکلتی** جا رہی ہے"۔

حرف اقبال۔ ص ۱۶

چونکہ علامہ نے مسلم کانفرنس کے اجلاس میں انگریزی حکومت کی مذمت کے ضمن میں وہی طرز عمل اپنایا تھا جو چوہدری ظفر اللہ خاں نے اپنے "خطبہ صدارت مسلم لیگ" میں اختیار کیا تھا۔ اسی جرات کے ساتھ کانگریس پر نکتہ چینی کی جس بیباکی سے چوہدری صاحب نے اس پر تنقید کی تھی۔ اس لئے جماعت احمدیہ کے آرگن الفضل نے علامہ اقبال کے اس رویہ کی تائید کرتے ہوئے اسے زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا:۔

الفضل کی طرف سے خراج تحسین

"۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب نے آل انڈیا مسلم کانفرنس کے اجلاس میں بحیثیت صدر جو خطبہ پڑھا۔۔۔۔ اس میں مسلمانوں کے جذبات کا حق نہایت عمدگی اور دلیری سے ادا کیا ہے"

الفضل نے مزید لکھا:۔

"اب جبکہ مسلمانوں نے بڑے بڑے محرکات کے باوجود کانگریس ا۔ میں شمولیت اختیار

نہیں کی اور اس وقت تک اپنے حقوق و مطالبات کے لئے پرامن اور آئینی جدوجہد کر رہے ہیں ۔ کس قدر رنج کی بات ہے اگر حکومت برطانیہ منصفانہ رویہ اختیار نہ کرے ۔ غرض حکومت کے سامنے مسلمانوں سے تعلق رکھنے والے امور کھول کر رکھ دیئے گئے ہیں اور ان کے عواقب و نتائج سے بھی پوری طرح آگاہ کر دیا گیا ہے ۔ اب یہ حکومت کا کام ہے کہ جلد سے جلد صحیح راستہ اختیار کر کے اپنی روائتی انصاف پسندی کا ثبوت دے یا متزلزل اور غیر مستقل حکمت عملی پر کاربند رہ کر تشویش ناک صورت حال میں اضافہ کرتی رہے ۔"

ظاہر ہے علامہ کی حکومت برطانیہ پر نکتہ چینی کو غیر معمولی انداز میں پیش کرنا یا دوسرے ہندو ۔ مسلم لیڈروں کی تنقید سے بہت پڑھا چڑھا کر دکھانا اور پھر اس سے یہ استدلال کرنا کہ حکومت ' علامہ کی شدید نکتہ چینی اور مذمت کی وجہ سے انہیں خوشدلی سے گول میز کانفرنس میں نامزد کرنے پر آمادہ نہ تھی ۔ کوئی وزنی استدلال قرار نہیں دیا جا سکتا ۔ برطانوی حکومت کی جانب سے آپ کو خوش دلی سے نامزد نہ کرنے کی وہی وجہ زیادہ معقول نظر آتی ہے جو وزیر ہند نے بیان کی ہے ۔ اور اگر حضرت چوہدری صاحب مخلصانہ کاوش نہ کرتے تو اقبال کے لئے تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کا بظاہر کوئی چانس نہ تھا ۔۔۔۔ اور ادھر " انگریز حکمران اتنے کمزور نہیں تھے " (صفحہ ۵۹۷) کہ کسی ایسی شخصیت کو جو کانفرنس کے لئے کارآمد نہیں تھی ۔ منتخب کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتے ۔

آزادی ہند کے بارے میں قادیان کی بیت اقصیٰ سے بلند ہونے والی آواز

۱۹۴۵ء کا سال شروع ہوا تو حضرت امام جماعت احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (اللہ ان سے راضی ہو) نے قادیان کی بیت اقصیٰ سے الصلح خیر کی آواز بلند کرتے ہوئے ایک طرف انگلستان کو نصیحت کی کہ وہ ہندوستان کو آزادی دے اور اس کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے اور دوسری طرف ہندوستان کو دعوت دی کہ وہ انگلستان کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے ۔ آپ نے فرمایا کہ ہر احمدی کا فرض ہے کہ میری اس آواز کو ہر ملک ۔ ہر شہر ۔ ہر گاؤں ۔ ہر گھر بلکہ ہر کمرہ اور ہر آدمی تک پہنچائے تا یہ دنیا کے کونہ کونہ تک پہنچ جائے ۔ ہر احمدی جو صلح کا شہزادہ بننے کی کوشش نہیں کرتا ۔ وہ بانی سلسلہ ... کا سچا خادم نہیں اور آپ کی روحانی اولاد نہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی ایسے سامان پیدا فرمائے کہ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کو اس آواز کے پہلے حصے کو اس جرات اور بیباکی کے ساتھ انگلستان میں بلند کرنے کی سعادت نصیب فرمائی کہ ہندوستان کا کوئی بڑے سے بڑا آزادی کا دلدادہ سیاستدان بھی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا ۔

دولت مشترکہ کے اجلاس میں چودھری ظفر اللہ خاں کا خطاب

چوہدری محمد ظفر اللہ خاں (وفات یکم ستمبر ۱۹۸۵ء عمر ۹۳ سال) کو تقسیم ہند سے قبل اور مابعد بھی متعدد بار ملکی خدمات کے مواقع ملے ۔ آپ نے ہر موقعہ پر نہایت درجہ اخلاص ۔ قابلیت اور جرات مندی کے ساتھ ملکی خدمت کا حق ادا کیا ۔ آپ کبھی غیر ملکی حکمرانوں یا بیرونی طاقتوں سے مرعوب نہ ہوئے ۔ آپ کی حق گوئی کا غلغلہ تاریخ کے صفحات پر نقش ہے ۔

۱۹۴۵ء میں چیتھم ہاؤس لندن میں رائل انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز کی سرپرستی میں دولت مشترکہ کے نمائندگان کی ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا ۔ ہندوستان انسٹی ٹیوٹ کی طرف

سے بھی ایک وفد نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ اس وفد کے سربراہ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں تھے۔۔۔ یہ وفد غیر سرکاری نہیں تھا بلکہ گورنمنٹ ہند کا مقرر کردہ تھا۔

دولت مشترکہ کانفرنس میں چوہدری صاحب کی تقریر کا خلاصہ "ٹرانسفر آف پاور" نامی جلدوں میں لندن سے شائع ہو چکا ہے۔ ہم طوالت کے خوف سے اس کا ایک حصہ درج کرتے ہیں:

"۔ اے دولت مشترکہ کے سیاستدانو! کیا یہ ستم ظریفی نہیں کہ ہندوستان کا ۲۵ لاکھ جوان' میدان جنگ میں برطانیہ اور اتحادیوں کی آزادی اور سالمیت کی حفاظت اور دفاع کے سلسلے میں داد شجاعت دے رہا ہو اور خود ہندوستان ابھی تک اپنی آزادی کے لئے ملتجی ہو۔

تم کیا سوچ رہے ہو؟ آخر کب تک ہندوستان تمہاری طرف نظریں اٹھائے' آزادی کے حصول کا منتظر رہے گا۔۔ ہندوستان پیش قدمی کر چکا ہے۔ تم اس کی مدد کرو یا اس کے راستے میں مزاحم ہو۔ اب کوئی اس کا راستہ نہیں روک سکے گا۔ ہندوستان اب آزادی سے ہمکنار ہو کر رہے گا۔ وہ دولت مشترکہ کے اندر رہے گا اگر تم اسے اس کا جائز مقام و مرتبہ دلوانے میں اس کی مدد کرو اور وہ دولت مشترکہ کے حلقہ سے باہر نکل جائے گا اگر تم اس کے لئے کوئی چارہ کار باقی نہ رہنے دو گے۔" (ٹرانسفر آف پاور۔ ص ۶۴۳۔ ۱۷ فروری ۱۹۴۵ء)

پہلی مثال

برطانوی ہند کی یہ پہلی مثال تھی کہ حکومت کے مقرر کردہ وفد کے سربراہ نے اہل ہند کے سیاسی اور ملکی جذبات کی اس جرات و بیباکی سے ایک ایسی کانفرنس میں وضاحت کی ہو جو خود حکومت ہی کی مدعو کردہ ہو۔

جناب شورش کاشمیری کا کہنا ہے کہ آزادی ہند کے ضمن میں:۔

" جواہر لال نہرو ہندوستان کے سب سے بڑے ہیرو تھے" (کتاب شورش کاشمیری از انور عارف ص ۸۷)

حضرت چوہدری صاحب کی تقریر سن کر اس ہیرو کا ردعمل کیا تھا؟ چودھری صاحب اپنی خود نوشت سوانح "تحدیث نعمت" میں فرماتے ہیں:۔

"کچھ عرصہ بعد کانگریسی لیڈر مسٹر آصف علی صاحب نے مجھے بتایا جن دنوں لندن میں

آپ نے یہ تقریر کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس کے سرکردہ اراکین جن میں میں بھی شامل تھا اورنگ آباد دکن کے قلعے میں نظربند تھے۔ ہم کانفرنس کے اس اجلاس کی کاروائی کو ریڈیو پر سن رہے تھے۔ جب آپ نے دولت مشترکہ کے سیاستدانو! کہہ کر آواز بلند کی تو ہم سب توجہ سے آپ کی تقریر سننے لگے۔ پنڈت نہرو تو اپنا کان ریڈیو کے بہت قریب لے آئے۔ جب آپ نے تقریر ختم کی تو پنڈت جی نے کہا۔ اس شخص نے تو ہم سے بھی بڑھ کر بے باکی سے حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا ہے (طبع دوئم صفحہ ۴۹۴)

حصول آزادی کے لئے اس بے باکی کے مظاہرے اور برٹش گورنمنٹ کو اس زبردست انتباہ پر تمام ہندوستان کے اردو اور انگریزی اخبارات نے چوہدری صاحب کو خراج تحسین پیش کیا۔ ہم مسلم پریس کے تبصرے سے صرف نظر کرتے ہوئے ہندو اخبارات کے دو ایک تبصرے پیش کرتے ہیں۔

روزنامہ پربھات

"۔ ہندوستان کی طرف سے سر ظفر اللہ خاں بطور نمائندہ' اس کانفرنس میں تشریف لے گئے ہیں۔ ان کی پہلی تقریر بہت زوردار ہے۔ اور دل خوش کن بھی۔ کیونکہ انہوں نے کامن ویلتھ کے دوسرے ممبروں کو صاف الفاظ میں بتایا کہ بیس پچیس لاکھ سپاہی مہیا کرنے والا ملک اگر آزادی سے محروم رہا تو جنگ کے بعد بھی دنیا میں امن نہیں ہو سکتا۔۔ ایک ایک ہندوستانی کو سر ظفر اللہ کا ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے انگریزوں کے گھر جا کر حق کی بات کہہ دی۔" (پرچہ ۲۰ فروری ۱۹۴۵ء)

روزنامہ پرتاپ

"۔ لندن میں چوہدری صاحب نے جو تقریریں کی ہیں ان سے ہندوستان تو کیا۔ ساری کامن ویلتھ میں تہلکہ مچ گیا ہے ..... چند دن ہوئے آپ نے ایک تقریر کی جسے سن کر یو پی کے سابق گورنر میلکم ہیلی جو اس وقت لارڈ ہیلی ہیں۔ آگ بگولہ ہو گئے اور میٹنگ سے اٹھ کر چلے گئے۔ آپ نے برطانوی حکمرانوں کو وہ کھری کھری سنائیں کہ سننے والے دنگ رہ گئے۔ برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی تقریر نے پانی پھیر دیا۔ (پرچہ ۲۲ فروری ۱۹۴۵ء)

سکھ اخبار ریاست

" چوہدری سر ظفر اللہ خاں جج فیڈرل کورٹ ایک بلند کریکٹر شخصیت ہیں ۔ اور آپ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ آپ کے دل اور زبان میں فرق ہو .... اے کاش! برطانیہ کے مدبر سر ظفر اللہ کے اس بیان کو آنکھیں کھول کر پڑھیں اور ہندوستان کو آزادی دی جائے ۔ "

(پرچہ ۲۶ فروری ۱۹۴۵ء)

آزادی ہند کے بارے میں ایک اہم تجویز

چوہدری صاحب یہ عذر سن چکے تھے کہ ہندو مسلم اختلافات کی وجہ سے ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ حل نہ ہونے کی ذمہ داری مکمل طور پر حکومت برطانیہ پر نہیں ڈالی جاسکتی۔ آپ نے اپنی ایک اور تقریر میں جس میں نائب وزیراعظم مسٹر اٹیلی اور لارڈ چانسلر لارڈ سائمن وغیرہ موجود تھے یہ تجویز پیش کی کہ برطانیہ اپنی نیک نیتی کا ثبوت اس واضح اعلان سے پیش کر سکتا ہے کہ اگر فلاں تاریخ تک ہندوستان کی طرف سے ہندو مسلم اختلافات کا متفقہ حل تجویز نہ کیا گیا تو حکومت برطانیہ اپنی طرف سے ایک قرین انصاف (عارضی) حل تجویز کر کے اس کی بنا پر ہندوستان کو نو آبادیات کا درجہ دے دے گی۔

چوہدری صاحب اپنی خود نوشت سوانح "تحدیث نعمت" میں لکھتے ہیں۔

" دو دن بعد لبرل پارٹی کے لیڈر مسٹر کلیمنٹ ڈیوس نے ... مجھے دیکھتے ہی کہا:۔

"۔ مبارک ہو! آپ کی تقریروں کے نتیجے میں کیبنٹ کے زور دینے پر وائسرائے ہند لارڈ ویول کو مشورہ کے لئے لندن بلا لیا گیا ہے۔ لیکن ابھی یہ خبر بصیغہ راز ہے۔"

"ٹرانسفر آف پاور" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی تقریروں کے بعد انگلستان کے سرکاری حلقوں میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ حکام کی انفرادی ملاقاتیں اور اجتماعی مذاکرات کا اہتمام ہونے لگا۔ "وار کابینہ" کے متعدد اجلاس منعقد ہوئے۔ ہم نمونۃً "چند اقتباس درج کرتے ہیں۔

O وار کابینہ ۔ انڈیا کمیٹی ۔ اجلاس ۲۸ فروری ۴۵ ۔ نوٹ ۲۸۹

صدارت ۔ لارڈ اٹیلی

"۔ آئندہ اجلاس میں سر ظفر اللہ خاں کی تقریر کا مسودہ پیش کیا جائے۔ (ملخص)

O سیکرٹری آف سٹیٹ کا خفیہ نوٹ نمبر ۲۹۱ مورخہ ۲۸ فروری ۴۵ بنام لارڈ ویول

۱۔ " میں نے سنا ہے کہ ہندوستانی وفد نے خوب کام کیا ہے اور یہ کہ ظفر اللہ بہت ممتاز رہے ہیں۔

۲۔ مجھے اعتراف ہے کہ ان (ظفر اللہ خاں) کے (آزادی ہند کے) مطالبہ کو تسلیم کرنے میں کوئی ہرج کی بات نہیں کہ ہم ایک مخصوص تاریخ مقرر کر دیں کہ اگر ہندوستانیوں نے اس تاریخ تک خود دستور وضع نہ کیا۔ تو ہم ایک عارضی دستور وضع کر دیں۔"

راقم عرض کرتا ہے ۔ بعد کے واقعات کے مطابق حکومت برطانیہ کی طلبی پر لارڈ ویول وائسرائے ہند ۲۳ مارچ ۴۵ کو انگلستان پہنچے اور ۷۲ دن تک سرکاری ارباب حل و عقد کے ساتھ مذاکرات کرنے کے بعد ۴ رجون کو واپس دہلی لوٹ گئے۔

اس طرح ہندوستان کی آئینی جدوجہد کا آخری مرحلہ شروع ہو گیا۔ (تحدیث نعمت ص ۴۹۳)

چوہدری صاحب کی تجویز کی اہمیت اور آزادی ہند کے لئے آپ کے جوش و جذبہ اور اہالیان ہند کی جرات و بے باکی سے وکالت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ مسٹر ایمرس سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا و برما نے وائسرائے ہند لارڈ ویول کو جو پرائیویٹ اور خفیہ مکتوب روانہ کیا اس میں چوہدری صاحب کے متعلق لکھا کہ آپ ' دولت مشترکہ کے اجلاس میں Outspoken یعنی سب سے نمایاں اور ممتاز رہے ہیں۔ آپ کی تجویز اور آزادی ہند کے بارے میں آپ کے حریت پرور مطالبے کے لئے Rather Outspoken Demand کے الفاظ استعمال کئے۔ یعنی چوہدری صاحب نے بے باکی کے ساتھ بے لاگ اور کھرے کھرے مطالبے کئے۔ (ٹرانسفر آف پاور جلد نمبر ۵ نوٹ نمبر (خفیہ) ۲۹۱ پیرا ۵۰)

یہ تھی قادیان کی بیت اقصیٰ سے بلند ہونے والی ایک کمزور سی آواز جس کے ایک حصے کو

وائسرائے ہند لارڈ ویول کا تاریخی نوٹ

۵ ر جنوری ۱۹۴۶ء ۔ مسٹر جناح کے ساتھ وائسرائے ہند کا اہم انٹرویو

مسٹر جناح اور قادیان کے ووٹ (۱۹۴۶ء)

وائسرائے ہند ' نے اپنے نوٹ میں لکھا :۔

آزاد ترجمہ : آج صبح مسٹر جناح سے میں نے ایک گھنٹہ ملاقات کی ۔ وہ ٹھیک ٹھاک نظر آرہے تھے مگر الیکشنوں کے ہنگاموں کا ذہن پر کافی بوجھ تھا ۔ مسٹر جناح نے پنجاب یونی نسٹ گورنمنٹ کے خلاف شکایات کا سلسلہ شروع کیا ۔ کہ گورنمنٹ اپنے سرکاری کارندوں کے ذریعے انتخابات پر اثر انداز ہو رہی ہے ۔ آپ نے کہا کہ یونی نسٹ گورنمنٹ نے معین شکل میں اپنے سرکاری ملازموں کو الیکشن میں دخل اندازی نہ کرنے کے متعلق کوئی واضح ہدایات جاری نہیں کیں ۔

..... میں نے مسٹر جناح سے کہا کہ میں ان کی شکایات گورنر پنجاب تک پہنچا دوں گا ۔ پھر میں نے مسٹر جناح سے پوچھا کہ یونی نسٹ گورنمنٹ کی جانب سے انتخابات میں دخل اندازی کی کوئی مثال ؟ مسٹر جناح بولے ۔ **قادیان ' جہاں مسلم لیگ کی حمایت کا فیصلہ ہو چکا تھا اور جہاں ۲۰۰۰ ووٹ مقامی حکام نے ' حکام بالا سے ہدایات حاصل کرنے کے بہانے وقت گزار کر ضائع کر دیئے ۔"**

آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر جناح کو اپنے وسیع و عریض دوروں میں بیسیوں مقامات پر یونی نسٹ گورنمنٹ کی طرف سے دھاندلیوں کی شکایات ملیں ۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سب سے زیادہ ہمدردی ' قادیان کے ووٹوں سے تھی ۔ جہاں کے ووٹ ضائع ہونے سے آپ کو اتنا دکھ ہوا کہ آپ نے وائسرائے سے ملاقات میں سب سے پہلے اسی شکایت کا ذکر کیا ۔ اور یہ ذکر کچھ اس دردمند دل کے ساتھ کیا کہ وائسرائے ہند نے اسے اہم تاریخی انٹرویو کے طور پر نوٹ کیا اور گفتگو کے نکات برطانیہ بھجوا دیئے ۔ جو ٹرانسفر آف پاور میں شائع کر دیئے گئے ۔ (قادیان کے بعد آپ نے شکار پور (سندھ) کا ذکر کیا ۔) (ٹرانسفر آف پاور ص ۷۳۷ انٹرویو نمبر ۱۰۴۳ ۔ پی پی ۔ ۱۰۴ ۔ ۶ مورخہ ۵ ر جنوری ۱۹۴۶ء)

تصور پاکستان کے محرکات

بعض نکات میں مصنف " زندہ رود " نے جناب محمد احمد خاں کی کتاب " اقبال کا سیاسی کارنامہ ۔ پر خاصا انحصار کیا ہے ۔ " تصور پاکستان کے محرکات " کے زیر عنوان جناب محمد احمد خاں فرماتے ہیں :۔

" اقبال کے خطبہ صدارت مسلم لیگ (الہ آباد ۔ دسمبر ۱۹۳۰ء ۔ ناقل) میں صرف ایک ہی فقرہ ہے ۔ جس کو ہم اس سلسلے میں " ان کے ذہن کی کلید " قرار دے سکتے ہیں ۔ اسلامی ہند کی تشکیل کے جواز و ضرورت کی سب سے بڑی دلیل کو علامہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں ۔۔ "

" ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا مسلم ملک ہے ۔ اس ملک میں اسلام کی زندگی بحیثیت ایک " تمدنی قوت " کے بڑی حد تک اس امر پر منحصر ہے کہ اس کو ایک مخصوص رقبہ میں مرکز کر دیا جائے ۔ "

اسلام کا ایک " تمدنی " قوت کی حیثیت سے ہندوستان کے ایک مخصوص خطہ میں ارتکاز (Centralization) اقبال کے " تصور پاکستان کی روح " ہے ۔ (صفحہ ۵۱۲ " اقبال کا سیاسی کارنامہ ")

اس سلسلہ میں علیحدہ تمدن ' علیحدہ مذہب اور علیحدہ روایات کی بنیاد پر علیحدہ خطہ ارض میں علیحدہ مسلم حکومت کی ضرورت کے حق میں ' قادیان کی سرزمین سے خطبہ الہ آباد سے دو سال قبل (۱۹۲۸ء میں) بلند ہونے والی آواز ' نظر انداز کر دی جاتی ہے ۔ حضرت امام جماعت احمدیہ (اللہ ان سے راضی ہو) فرماتے ہیں ۔

" اس امر کی ضرورت کو تمام دنیا تسلیم کر چکی ہے کہ جن اقوام کے مذہب اور تمدن میں اختلاف ہو ۔ انہیں آزادانہ نشوونما کا موقع ضرور ملنا چاہیئے ۔ ورنہ فساد اور فتنہ کا

دروازہ وسیع ہو جاتا ہے ۔ اور صلح اور امن حاصل نہیں ہوتا ۔ یورپ میں جہاں جہاں زبان
اور تمدن کا اختلاف ہے ۔ ان علاقوں کو الگ علاقہ کی صورت میں نشوونما پانے کا موقع دیا
جاتا ہے ۔ زیکو سلیویکا کا واقعہ میں پہلے لکھ چکا ہوں ۔ اس میں رو تھینیا کو الگ اور اندرونی طور
پر آزاد حکومت عطا کی گئی ہے ریاست ہائے متحدہ کی ریاستوں کا قیام بھی اسی اصل پر ہے کہ
چونکہ وہ الگ الگ پہلے سے قائم تھیں اور ہر اک کا ایک خاص طریق تمدن قائم ہو چکا تھا ۔
اور مذہب کا بھی اختلاف تھا ۔ اس لئے ریاستوں کو توڑ کر ایک حکومت قائم کرنے کی بجائے
انہیں علیحدہ ہی رہنے دیا گیا ۔ پس یہ مطالبہ بالکل عقل کے مطابق ہے ۔ اور اس کی
ضرورت مسلمانوں کو یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص تمدن اور اپنی روایات کو قائم رکھ سکیں
اور ان کی قومی روح تباہ نہ ہو جائے ۔ جو ضرورت ہندوستان کو انگریزی اثر (یعنی مغربی
تصورات کی بیڑیوں سے ۔ ناقل) سے آزاد ہونے کی ہے ۔ وہی ضرورت مسلمانوں کو ان کی
کثرت رکھنے والے صوبوں میں ایک حد تک آزاد رہنے میں ہے ۔ اگر یہ ضرورت غیر حقیقی
ہے تو پھر ہندوستان کی آزادی کی ضرورت بھی غیر حقیقی ہے ۔ " (مسلمانوں کے حقوق اور نہرو
رپورٹ مطبوعہ ۱۹۲۸ء ص ۶۹)

" ۔ مسلمانوں کے سامنے مذہب اور قومیت کا سوال ہے ۔ سیاست کا سوال ہوتا تو وہ
یہ سمجھ لیتے کہ رائے ہر معاملہ میں بدلتی رہے گی ۔ لیکن یہاں دو مختلف قومیں اور زبردست
قومیں بستیں ہیں جن کے مذہب الگ ہیں اور جن کے تمدن کے اصول الگ ہیں ۔ پس ایک
مستقل اکثریت کے مقابلہ میں مسلمان ایک مستقل اقلیت بن کر رہنے کے لئے کس طرح تیار
ہو سکتی ہے ۔ " (ایضاً صفحہ ۹۸)

وضاحت

چوکھٹا ۔ ۹ ، ۱۴ صفحہ قرارداد مقاصد کے بعد کا فقرہ یوں پڑھا جائے
بنیادی اصولوں کی ۲۴ رکنی کمیٹی کے پہلے دس ارکان
۸ ویں نمبر پر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی

پانچ مسلم صوبے

مسلم مطالبہ

مسلمانوں کی طرف سے برصغیر میں پانچ اسلامی صوبوں (پنجاب ۔ سندھ ۔ سرحد ۔
بلوچستان اور بنگال) کے قیام کا مطالبہ ' خطبہ الہ آباد دسمبر ۱۹۳۰ء سے بہت پہلے پیش کیا جا چکا
تھا چنانچہ مصنف " زندہ رود " خود فرماتے ہیں :۔

" تجاویز دہلی (۱۹۲۷ء) کے ذریعہ مسلم لیگی قائدین دو کی بجائے پانچ مسلم اکثریتی صوبے
بنانا چاہتے تھے تاکہ سات ہندو اکثریتی صوبوں کے ساتھ توازن قائم ہو جائے (صفحہ ۳۱۰)

۱۹۲۸ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے پانچ مسلم اکثریتی صوبوں کے اسی مطالبہ کی
طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

حضرت امام جماعت احمدیہ کی تجویز

" پس موجودہ صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں نے چاہا تھا کہ پنجاب ۔ بنگال ۔ سرحدی
صوبہ ۔ سندھ اور بلوچستان ' آزاد اور خود مختار اسلامی صوبے ہوں ... (لیکن) نہرو
رپورٹ کے نتیجہ میں ۔ ایک نیم آزاد سندھ ایک ہندو بنگال ۔ ایک ہندو پنجاب مسلمانوں کو دیا
گیا ہے " ۲ ۔ (مسلمانوں کے حقوق ۔ ص ۶۹)

پانچ مسلم صوبوں کی سکیم درج کر کے حضور ۱۹۲۸ء میں " کامل خود اختیاری " کی درج ذیل
تجویز پیش کرتے ہیں ۔

" فیڈرل گورنمنٹ کا اصول کوئی غیر مجرب اصول نہیں ہے ... ریاست ہائے متحدہ امریکہ
کے علاوہ جنوبی افریقہ ۔ آسٹریلیا ... میں بھی اسی قسم کی حکومت ہے .... ان کے علاوہ ایک اور
نئی حکومت ہے ۔ یعنی زیگوسلویکا جس میں نئی قسم کا تجربہ کیا گیا ہے یعنی سارے ملک میں تو
فیڈریشن نہیں ہے لیکن رو تھینیا کے علاقہ کو ان لوگوں کے خوف کی وجہ سے کامل خود
اختیاری حکومت دے دی گئی ہے ۔ مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اگر اسی طریق پر
ہندو راضی ہو جائیں یعنی پانچوں مسلم صوبے فیڈریشن کے اصول پر ہندوستان سے ملحق
رہیں اور ہندو صوبے ' مضبوط مرکزی حکومت کے ماتحت رہیں " (ایضاً ص ۷۳)

(اخبار جنگ لاہور۔ "نقطہ نظر" مضمون خلیل احمد۔ گوجرانوالہ۔ ۱۳ نومبر ۱۹۸۳ء)

خطبہ الہ آباد (دسمبر ۱۹۳۰ء)

علامہ اقبال کی تجویز

حضرت امام جماعت احمدیہ کی مندرجہ بالا تجویز کے دو سال بعد علامہ اقبال نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد کے صدارتی خطبہ میں درج ذیل تجویز پیش کی۔

" میری خواہش ہے کہ پنجاب۔ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کو یکجا کر کے ایک واحد ریاست بنا دی جائے۔ خود مختار حکومت۔ برطانوی سلطنت کے اندر یا برطانوی سلطنت کے باہر (زندہ رود صفحہ ۴۱۵)

آپ نے اپنی تجویز کی تعبیرو تشریح کرتے ہوئے

(۱) ڈاکٹر ٹامسن کو بتایا:۔

" میں نے برطانوی سلطنت سے باہر مسلم ریاست کا مطالبہ پیش نہیں کیا۔" (زندہ رود صفحہ ۴۱۵)

(۲) ایڈورڈ ٹامسن کے نام خط محررہ ۴ر مارچ ۱۹۳۴ء میں تحریر فرمایا:۔

" پاکستان میری تجویز نہیں ہے۔ جو تجویز میں نے خطبہ آلہ آباد میں پیش کی تھی وہ ایک مسلم صوبہ کے قیام کی تجویز تھی۔ یعنی شمال مغربی ہند میں ایک ایسے صوبے کی تشکیل جہاں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہو..... یہ نیا صوبہ آئندہ کی انڈین فیڈریشن کا حصہ ہوگا لیکن پاکستان سکیم مسلم صوبوں کی ایک علیحدہ فیڈریشن کے قیام کی سفارش کرتی ہے۔ (زندہ رود صفحہ ۴۲۱)

(۳) پھر نمبر ۲ کے دو دن بعد ۶ر مارچ ۳۴ کو جناب راغب احسن کے نام اپنے مکتوب میں فرمایا:۔

" میری تجویز انڈین فیڈریشن کے اندر ایک مسلم صوبہ کی تخلیق ہے۔ لیکن پاکستان کی اسکیم انڈین فیڈریشن سے باہر ہندوستان کے شمال مغرب میں مسلم صوبوں کی ایک علیحدہ فیڈریشن قائم کرنے کی سفارش کرتی ہے جس کا تعلق براہ راست انگلستان سے ہوگا (ایضاً صفحہ ۴۲۲)

ظاہر ہے۔ حضرت امام جماعت احمدیہ کی تجویز میں "بنگال" بھی شامل ہے اور علامہ کی تجویز سے "بنگال" خارج ہے۔ دراصل علامہ نے خطبہ الہ آباد میں خود ہی وضاحت فرما دی تھی کہ میری تجویز نئی سکیم نہیں ہے۔ بلکہ مولانا حسرت موہانی کی تجویز ہی کا اعادہ ہے جو نہرو کمیٹی کے سامنے بھی پیش کی گئی تھی۔ قائداعظم کے پرائیویٹ سیکرٹری لکھتے ہیں:۔

"۔ اس طرح (یعنی خطبہ الہ آباد والی تجویز سے۔ ناقل) مولانا حسرت موہانی اور لالہ راجپت رائے کی تجویزیں پھر زندہ ہو گئیں۔"

(ہمارے قائداعظم ص ۳۳۔ مطبوعہ نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی۔ اسلام آباد۔ لاہور)

کیا اقبال کا خطبہ حضرت امام جماعت احمدیہ کی تجویز کی تعبیرو تشریح ہے

بعض مبصرین حضور کی ۱۹۲۸ء کی تجویز اور علامہ کے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد کا موازنہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ خطبہ الہ آباد ' سرزمین قادیان سے اٹھنے والی تجویز کی ہی تعبیرو تشریح ہے۔ چنانچہ پروفیسر ریاض صدیقی صاحب اپنی کتاب " قرار داد پاکستان کا منظرو پس منظر" میں فرماتے ہیں:۔

"۔ اس سال (یعنی ۱۹۲۸) میں نہرو رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے قادیانی فرقے کے رہنما مرزا بشیر الدین محمود احمد نے ایک تجویز پیش کی اور بنگال..... اور شمال مغربی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مسلمان علاقہ قائم کرنے کا مشورہ دیا ان کا خیال تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں اس قابل نہیں ہیں کہ آزادی کا بار حسن و سلیقے سے اٹھا سکیں۔ اس لئے مسلمان اکثریت والے علاقوں کا وفاق سرکار برطانیہ کے زیر انتظام اپنا کام کرے۔ اقبال کا خطبہ الہ آباد اس تجویز کی تعبیرو تشریح ہے (صفحہ ۳۶)

ہو سکتا ہے۔ ان تجاویز پر مزید غور کے نتیجہ میں کسی نکتہ پر بحث کی گنجائش نکل آئے۔ ہم اس سکیم کی اولیت کا کریڈٹ حضرت امام جماعت احمدیہ کو نہیں دے رہے۔ لیکن مصنف " زندہ رود" سے یہ پوچھنے کا حق تو رکھتے ہیں کہ اگر ۱۹۳۰ء میں خطبہ الہ آباد والی سکیم پیش کرنے سے علامہ اقبال ' تحریک آزادی کے ہیرو " بن سکتے ہیں تو اسی نوعیت کی سکیم اس سے دو سال قبل پیش کرنے والے کے متعلق آپ یہ فتویٰ کیسے صادر کر سکتے ہیں کہ وہ جدوجہد آزادی کو

حرام سمجھتے تھے۔

خطبہ الہ آباد کا تقسیم ہند سے کوئی تعلق نہیں

اقبال۔ جناح خط و کتابت ۱۹۳۷ء پر ایک نظر

مصنف "زندہ رود" نے تسلیم کیا ہے کہ اقبال نے وفاق کے اندر "خود مختار ریاست کا تصور (خطبہ الہ آباد (۱۹۳۰) میں نہیں بلکہ۔ ناقل) ۱۹۳۷ء میں پیش کیا تھا۔ چنانچہ مصنف فرماتے ہیں:۔

"اقبال اب (یعنی ۱۹۳۷ء میں اپنے مکتوب بنام جناح میں) ہندوستان کے وفاق کے اندر خود مختار مسلم ریاست یا صوبہ کے قیام کی تجویز سے آگے نکل کر شمال مغربی اور شمال مشرقی ہندوستان (یعنی بنگال سمیت۔ ناقل) مسلم اکثریتی صوبوں پر مشتمل ایک علیحدہ فیڈریشن کی تخلیق کا ذکر کر رہے تھے (زندہ رود صفحہ ۲۲۳)

راقم عرض کرتا ہے۔ علامہ نے اس خط میں یہ وضاحت بھی کر دی تھی۔ کہ اب کس چیز نے انہیں خطبہ الہ آباد سے "آگے نکلنے پر" مجبور کر دیا ہے، فرماتے ہیں:

"۔ ہندو مہا سبھا، جسے میں ہندو عوام کی حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں، نے بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کی "متحدہ قومیت" کا وجود ہندوستان میں ناقابل عمل ہے (صفحہ ۱۶۰)

ان حالات کے پیش نظر علامہ نے ملک کو مذہبی اور لسانی میلانات کی بنا پر تقسیم کرنے پر زور دینا شروع کیا ملک امجد حسین ایڈووکیٹ ("نوائے وقت") کراچی میں لکھتے ہیں:۔

علامہ کے خطبہ الہ آباد کو تقسیم ہند سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ خطبہ صرف مغربی پاکستان کی حد تک ہی تھا اور اس میں بنگال و آسام کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ علامہ نے قائداعظم کی واپسی کے بعد ۳۷-۱۹۳۶ کے خطوط میں (اس تجویز کو) واضح صورت دی۔ (پرچہ ۲۳ نومبر ۱۹۸۷ء)۔

خواجہ حسن نظامی، اپنے رسالہ "منادی۔" دہلی میں لکھتے ہیں۔

"۔ اقبال نے بارہا مجھے پاکستان کا منصوبہ سنایا تھا۔ مگر اس منصوبے میں ہندوستان کی تقسیم کا خیال نہ تھا۔" (پرچہ جون ۱۹۵۰ء)

قرارداد لاہور اور سر محمد ظفر اللہ خاں

لاہور کے ایک مقامی ہفت روزہ میں جناب عبدالولی خاں کا ایک انٹرویو شائع ہوا۔ جس سے پریس میں قرارداد لاہور یا قرارداد پاکستان کے متعلق ایک نئی بحث نے جنم لیا۔ انٹرویو کا لب لباب یہ تھا کہ تقسیم ہند یا قیام پاکستان کا اقدام، مسلمانان ہند سے غداری کے مترادف تھا۔ انگریز اس ذریعے سے "۔ اسلام کے گھر میں نقب لگا کر مسلمانوں کی اجتماعی رسوائی کا سامان فراہم کرنا چاہتا تھا۔" انگریز کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جماعت احمدیہ کے ایک ممتاز ممبر، چوہدری ظفر اللہ خاں، میدان میں اترے۔ انہوں نے برصغیر کی تقسیم کا "قابل عمل فارمولا" تیار کر کے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کے حوالے کر دیا۔ جنہوں نے ۱۲ مارچ ۴۰ کو اس مسودہ کی نقل لارڈ زٹلینڈ (وزیر ہند) کو برطانیہ بھجوا دی (اس نوٹ کی ایک کاپی قائداعظم کو بھی بھیج دی گئی) سے ۷

خان عبدالولی خاں کا کہنا ہے۔ کہ (۱۱ دن بعد۔ ناقل) "۲۳ مارچ ۴۰ کو یہی ریزولیوشن (قرارداد لاہور کی صورت میں۔ ناقل) پاس ہو گیا۔" ۔ بقول جناب ولی خاں صاحب۔:

"انگریز، مسلمانوں کی قوت کو ان کے اپنے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتارنے میں کامیاب ہو گیا"

پاکستان کا منصوبہ مسلمانوں کے لئے موت کا پیغام تھا یا زندگی کی نوید؟ اس پر محب وطن صاحبان علم و فضل کی جانب سے بہت کچھ لکھا گیا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا۔ ہمیں اس وقت اس پر بحث مقصود نہیں۔

بہرحال حضرت چوہدری صاحب نے اپنی علیحدگی کی سکیم پر روشنی ڈالتے ہوئے "پاکستان ٹائمز لاہور (۱۳ فروری ۱۹۸۲ء) میں طویل مضمون لکھا۔ اس کا ایک حصہ ملاحظہ ہو۔ چوہدری

صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نوٹ (قابل عمل فارمولا) میں لکھا تھا کہ:۔

ا۔ (میری) "علیحدگی کی سکیم" یہ ہے کہ ایک شمال مشرقی فیڈریشن بنائی جائے۔ جس میں بنگال اور آسام کے موجودہ صوبے شامل ہوں اور ایک شمال مغربی فیڈریشن بنائی جائے۔ جس میں پنجاب، سندھ، سرحدی صوبہ، بلوچستان اور سرحدی علاقے شامل ہوں..... جیسا کہ میں نے واضح کیا ہے میں پورے اعتماد سے قطعی طور پر کہتا ہوں کہ میرا نوٹ جس کا ذکر لارڈ لنتھگو کے ۱۲ ر مارچ ۴۰ کے خط میں ہے۔ اس حقیقت کو ظاہر کر رہا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان واضح طور پر علیحدہ قوم ہیں اور یہ کہ ان کے لئے "واحد تسلی بخش قابل قبول آئینی حل" یہ ہے کہ شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنز قائم کی جائیں اور یہ قطعی طور پر وہی مطالبہ تھا جو کہ چند ہی دنوں (۱۱ دنوں۔ ناقل) بعد، ۲۳ ر مارچ ۴۰ کی قرارداد میں پیش کیا گیا۔ دو قومی نظریہ اور شمال مشرقی اور شمال مغربی فیڈریشنوں کے قیام کا نظریہ جس تفصیل اور وضاحت سے میرے نوٹ میں پیش کیا گیا۔ یہ بات میرے ہمعصروں یا مجھ سے پہلے آنے والوں کی کسی دستاویز یا بیان میں قطعاً موجود نہیں...... اس حقیقت کے باوجود قائداعظم اکیلے ہی تھے جن پر قیام پاکستان کا سہرا بندھ سکتا ہے۔"

ب۔ یہ نوٹ میں نے ذاتی طور پر پہل کر کے لکھا تھا۔ اور اس کے تمام مندرجات کا میں اکیلا ذمہ دار تھا۔ لارڈ لنتھگو کا یہ نوٹ لکھوانے میں کوئی کردار نہیں تھا۔"

ج۔ اس سکیم کو سرکاری طور پر مسلم لیگ نے "پاکستان" کا نام اپنے ۹ ر اپریل ۴۶ کے کنونشن میں دیا۔ جس کو "قرارداد دہلی" کہا جاتا ہے۔ ۱۷ ۔ ہ

مرکزی و صوبائی انتخابات (۴۶-۱۹۴۵ء) اور جماعت احمدیہ

جب فرقہ وارانہ مفاہمت کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو لارڈ ویول وائسرائے ہند نے ۱۹ ر ستمبر ۴۵ کو برصغیر میں نئے انتخابات کا اعلان کر دیا۔ یہ انتخابات "پاکستان یا اکھنڈ بھارت" کی بنیاد پر لڑے گئے۔ اگر ان انتخابات میں مسلم لیگ کی تائید نہ کی جاتی تو آنے والے چالیس پچاس سال تک مسلمانوں کا سنبھلنا مشکل ہو جاتا۔ ہندوستان میں کانگرس راج قائم ہو جاتا۔ ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا جداگانہ قوم کا تخیل پاش پاش ہو جاتا اور علیحدہ اسلامی مملکت کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا۔۔۔ قائداعظم نے اس موقع پر مسلمانان ہند کے نام پیغام دیا کہ "اب ہمارے پیش نظر اہم مسئلہ آئندہ انتخابات کا ہے" اس پیغام کے نتیجہ میں مسلمانان برصغیر جو پہلے ہی "نظریہ پاکستان" پر دو گروپوں میں تقسیم تھے۔ زیادہ نمایاں ہو کر دو الگ الگ کیمپوں میں کھڑے ہو گئے۔ ایک کیمپ میں **مسلم لیگ اور جماعت احمدیہ (من حیث الجماعت)** جبکہ دوسرے کیمپ میں مجلس احرار اسلام۔ جمعیۃ العلماء ہند۔ خاکسار۔ کمیونسٹ مسلمان۔ نیشنلسٹ مسلمان اور مودودی صاحب کے ہم خیال وغیرہ نے ڈیرے جما لئے۔

آیئے! دیکھتے ہیں۔ ان انتخابات میں جماعت احمدیہ نے کیا کردار ادا کیا؟

ممتاز مورخ اور ادیب جناب رئیس احمد جعفری اپنی گراں قدر کتاب "قائداعظم اور ان کا عہد" میں لکھتے ہیں۔

"۔ قادیانی گروہ کے امام جماعت، مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ۲۱ ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کو ایک طویل بیان دیا۔ جس میں اپنی جماعت کے اصحاب کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:۔

"۔ آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید، کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں گے تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہو گی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا اور میں

نہیں کہہ سکتا کہ کوئی عقلمند آدمی اس حالت کی ذمہ داری اپنے اوپر لینے کو تیار ہو۔ پس میں اس اعلان کے ذریعہ تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مدد کریں۔ "

حضرت امام احمدیہ کی اس مخلصانہ پالیسی سے متاثر ہو کر جناب رئیس احمد جعفری مزید لکھتے ہیں:

"۔ مسلم قوم کی مرکزیت ' پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی مملکت کے قیام کی تائید ' مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش ۔ عامتہ المسلمین کی فلاح نجاح و مرام کی کامیابی ---- تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں پھر کیا۔ جانشین شیخ الہند اور دیوبند کا شیخ الحدیث؟۔ وہ بھی نہیں پھر کون؟۔ وہ لوگ جن کے خلاف کفر کا فتووں کا پشتارہ موجود ہے ---- جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے ---- جن کا ایمان ۔ جن کا عقیدہ مشکوک و مشتبہ اور محل نظر ہے۔ " ۲ ے ے

حضرت بابا نانک ؒ

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے حضرت بابا نانک ؒ کو توحید پرست ۔ نیک مرد اور صاحب الہام لکھا ہے

(ست بچن ص ۴۱ - ۴۵ مطبوعہ ۱۸۹۵ء)

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس دعویٰ کے بعد سکھوں میں ایک تغیر یہ پیدا ہوا کہ انہوں نے گوردواروں سے بت نکال دیئے ۔ اور ہندو ہونے سے انکار کر دیا ۔ جوں جوں سکھ صاحبان اصل حقیقت سے واقف ہوتے جائیں گے وہ اسلام کی صف میں شامل ہوتے جائیں گے۔

جماعت اسلامی کی قومی تحریک (پاکستان سے) کنارہ کشی

قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد شائع ہونے والے " ترجمان القرآن " اگست ۴۸ء میں اعتراف کیا گیا ہے کہ۔

" جماعت اسلامی ' مسلمانوں کی قومی تحریک (پاکستان) سے " کنارہ کش " تھی اور (اس وجہ سے۔ ناقل) قوم کی قوم ' جماعت سے شاکی اور ناخوش تھی " (صفحہ ۱۳۶)

بعد میں اس بے تعلقی اور کنارہ کشی بلکہ مخالفت ا۔ پر پردہ ڈالنے کے لئے سابق امیر جماعت اسلامی میاں محمد طفیل صاحب نے ایک نیا نکتہ پیدا کیا۔ فرماتے ہیں۔

"۔ ۱۹۴۱ء میں قائداعظم اور مودودی صاحب کے مابین طے پا چکا تھا۔ اس سمجھوتہ کی رو سے قائداعظم نے کہا تھا کہ میں اسلامی سٹیٹ بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مودودی صاحب اس اسٹیٹ کو چلانے کے لئے اسلامی کارکن مہیا کریں گے۔ " ۳ ے ے

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ افسانہ سازی اس لئے درست نہیں کہ نہ مودودی صاحب ۱۹۴۱ء کے بعد قائداعظم و مسلم لیگ سے کنارہ کشی یا مخالفت کی صف سے باہر نکلے ' نہ قائداعظم نے حصول پاکستان کے بعد جماعت اسلامی کے کسی آدمی کو کسی وزارت کے قریب پھٹکنے دیا۔ اس کے مقابل جماعت احمدیہ جس نے قیام پاکستان کی مہم میں قائد کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ کے رکن کو قائد نے طلب کر کے اس سے کہا کہ آپ کی ہمیں ضرورت ہے۔ آپ اس مملکت اسلامی میں سینئر وزیر کا عہدہ سنبھال لیں۔

راقم کی رائے میں یہ امر ویسے بھی قرین قیاس نہیں کہ قائداعظم ایسا کھرا اور راست باز شخص کسی ایسی جماعت سے جو تحریک پاکستان سے کنارہ کش رہی ہو اور جس سے قوم کی قوم شاکی اور ناخوش ہو خفیہ سمجھوتہ کر لے۔ ۴ ے

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت اور جماعت احمدیہ

ہندو مسلم مفاہمت کیلئے ۱۹۴۶ء کے موسم بہار میں ایک وزارتی مشن ولایت سے ہندوستان آیا۔ وزارتی مشن نے وائسرائے ہند کے مشورہ سے ۱۶ر جون ۴۶ء کو ملک میں ایک عارضی حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔ اس اعلان میں کہا گیا تھا کہ جو سیاسی جماعت ' عارضی حکومت میں شامل نہ ہو گی۔ اس سے صرف نظر کر کے دوسری جماعت کے اشتراک سے عارضی حکومت بنا دی جائے گی۔ مسلم لیگ نے ایک قرار داد کے ذریعہ اس حکومت میں شرکت پر آمادگی ظاہر کر دی۔ مگر کانگریس نے یہ دعوت رد کر دی۔ اس موقع پر چاہیئے تو یہ تھا کہ وعدہ کے مطابق عنان حکومت مسلم لیگ کے سپرد کر دی جائے مگر انگریزوں نے حکومت بنانے کی دعوت واپس لے لی۔ اس پر مسلم لیگ کونسل کو بطور احتجاج اپنی رضامندی منسوخ کرنا پڑی۔ وائسرائے ہند جو غالباً اسی موقع کی تاک میں تھے۔ کانگریس سے گٹھ جوڑ کر کے پنڈت نہرو صدر آل انڈیا کانگریس کو عبوری حکومت کی تشکیل کی دعوت دی۔ انہوں نے ۲ر ستمبر ۴۶ء کو عبوری حکومت کا چارج سنبھال لیا۔ اب حکومت کے نظم و نسق کی ساری مشینری کانگریس کے قبضہ میں چلے جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا۔ اس بات کا بھی قوی امکان تھا۔ کہ جن مسلمانوں پر قوم کو اعتماد اور بھروسہ نہیں ' کانگریس انہیں شامل کر کے ان پر مسلم نمائندگی کا لیبل چسپاں کر دے۔ اس طرح مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ بظاہر شکست میں بدل گئی۔ مسلم لیگ کا وقار معرض خطر میں پڑ گیا۔ تحریک پاکستان کا خاتمہ اور مسلم سیاست کی بربادی کا منظر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا ـــــ اس نازک موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت امام جماعت احمدیہ کو خبر دی گئی کہ اس مشکل کا حل آپ کے ساتھ وابستہ ہے۔ چنانچہ آپ بعض خدام سمیت ۲۲ر ستمبر ۴۶ء کو دہلی کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۴ر اکتوبر ۴۶ تک وہاں تشریف فرما رہے۔ اور قائداعظم محمد علی جناح ' نواب صاحب بھوپال ' خواجہ ناظم الدین۔ سردار عبدالرب نشتر۔ نواب سر احمد سعید خاں چھتاری کے علاوہ مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو سے تبادلہ خیال کیا۔ حضور کی دعاؤں اور ان مادی تدابیر نے بالآخر کامیابی کی راہ کھول دی۔ وائسرائے ہند نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسلم لیگ ہائی کمان نے نہایت درجہ فہم و فراست کا ثبوت

دیتے ہوئے اور کانگریس سے کسی قسم کا سمجھوتہ کئے بغیر عبوری حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سے کانگریس کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور انہیں بھی پاکستان کی منزل صاف قریب دکھائی دینے لگی۔ چنانچہ ہندو اخبار "ملاپ" نے صاف لفظوں میں اس رائے کا اظہار کیا

میں سمجھتا ہوں کہ یہ جواہر لال جی اور ان کے ساتھیوں کے جوش آزادی کو تارپیڈو کرنے کا جتن ہے۔ (بحوالہ نوائے وقت ۱۶ر اکتوبر ۴۶ء صفحہ ۳) [۷۵]

ظاہر ہے اگر حضرت امام جماعت احمدیہ مذکورہ بالا جدوجہد نہ کرتے تو پاکستان کا وجود ' مسلم سیاست کا مستقبل ' تباہی سے ہمکنار ہو جاتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حضور کے بروقت اور موثر اقدامات کے طفیل مسلم لیگ کو اس مخمصہ سے نجات حاصل ہو گئی۔

اتحاد المسلمین کے سب سے بڑے داعی امام جماعت احمدیہ حضرت بشیر الدین محمود احمد (اللہ ان سے راضی ہو) اپنے مضمون (شائع شدہ الفضل ۱۳ر نومبر ۴۶ء) میں نواب صاحب چھتاری۔ سر سلطان احمد۔ نواب صاحب بھوپال اور سر آغا خاں کے تعاون کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانی اور ایثار کا بدلہ دیئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ "خدا کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا۔" [۷۶]
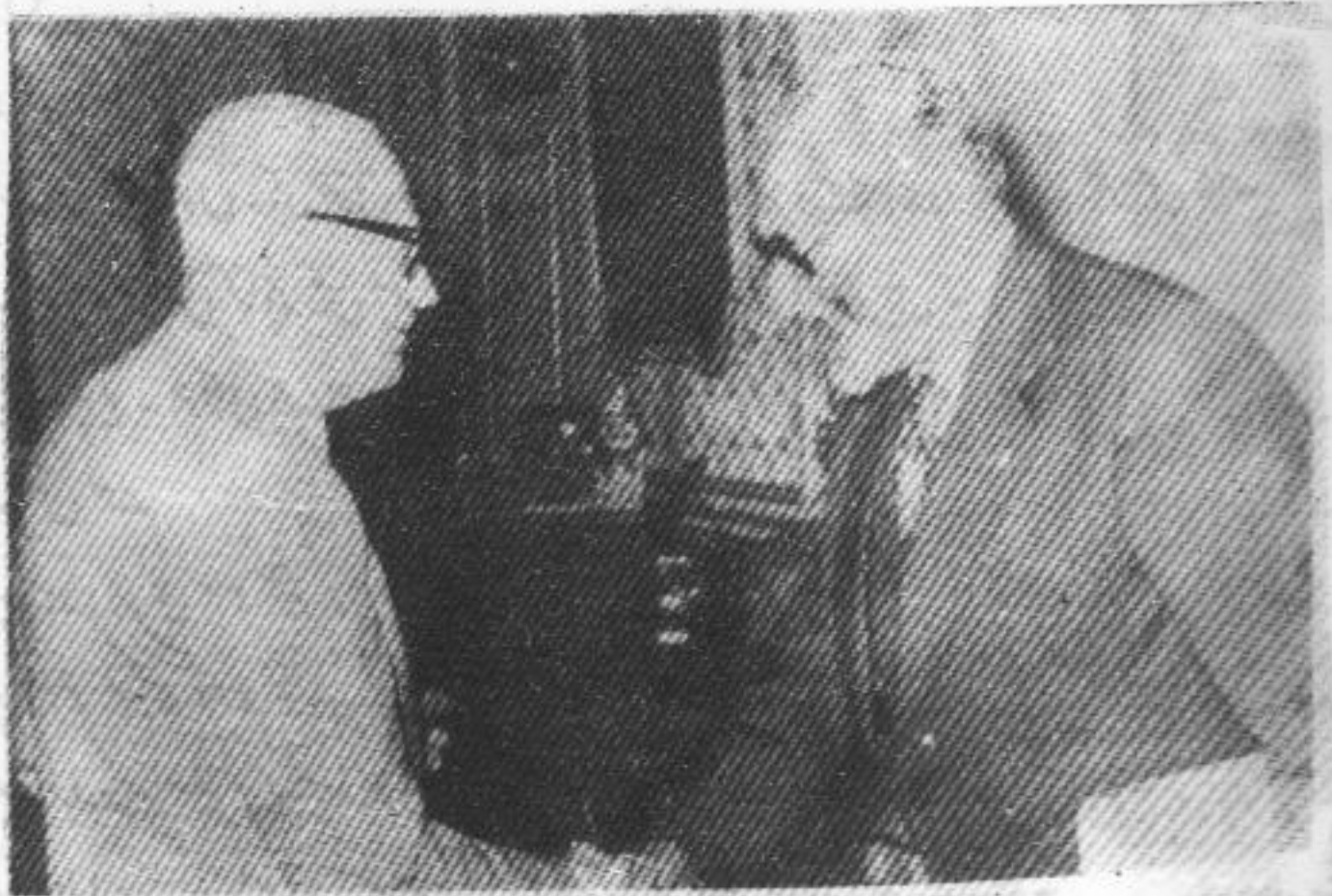
Dr Abdus Salam with the President of Italy

نوبیل انعام یافتہ ڈاکٹر سلام اور اٹلی کے صدر

باب نمبر۶

۱۔ خلاصہ مندرجات کتاب سوانح فضل عمر جلد دوم

۲۔ ص ۔ ۵۹۰

۳۔ الحکم ۔ ۲۸ نومبر ۱۹۱۰ء بحوالہ اخبار ملت

۴۔ ص ۔ ۷

۵۔ ص ۔ ۸۲ مطبوعہ ۱۹۵۲ء ' ار ۵ = ص ۲۹۱

۶۔ مظلوم اقبال ص ۳۱۴

۷۔ ص ۔ ۲۵۱

۸۔ زندہ رود ص ۲۹۱

۹۔ ص ۔ ۱۶

۱۰۔ ص ۔ ۱۳

۱۱۔ اقبال ریویو ۔ جولائی ۷۸ صفحہ ۵۸

۱۲۔ زندہ رود صفحہ ۳۲۳ (نوٹ : زندہ رود کے مطابق یادداشت کا مسودہ تیار کرنے والی کمیٹی (مئی ۱۹۲۸ء) میں اقبال بھی شامل تھے لیکن بیماری کے باعث حتمی مسودے کی ترتیب میں شریک نہ ہو سکے (صفحہ ۳۲۲)

۱۳۔ بحوالہ تاریخ احمدیت جلد نمبر۶ ص ۷

۱۴۔ کتاب ۔ مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ ص ۱۴ نیز دیکھئے ہندو مسلم پرابلمز ص ۱۵۔

نوٹ ۔ اس انگریزی کتابچہ میں ۳ر۲ کی جگہ ۴ر۳ حصہ کے الفاظ ہیں۔

۱۵۔ اقبال ریویو ۔ جولائی ۱۹۷۸ء ص ۶۵

۱۶۔ ایضاً ص ۴۷

۱۷۔ پرچہ ہمدرد دہلی ۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء

۱۸۔ پرچہ ۲۲ ستمبر ۱۹۲۷ء

۱۹۔ یہ مطالبات برصغیر کے مسلمانوں کے مستقبل کا خاکہ تیار کرنے میں معاون بنے۔

۔ ان مطالبات سے پژمردہ مسلم قوم میں زندگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

۔ ان مطالبات سے ہندو اکثریت کی غلامی کے امکانات ختم ہونے کی امید پیدا ہوئی۔

۔ ان مطالبات سے مسلمانوں کی "جداگانہ ہستی" واضح ہوئی۔

پھر غیر مسلموں کی طرف سے کئی مخالفانہ ہواؤں اور احرار ۔ خاکسار ۔ جمعیۃ العلماء اور نیشلسٹ مسلمانوں کے پیدا کردہ طوفانوں سے گزرتے ہوئے آہستہ آہستہ ' مطالبات کے اسی شجر کو پاکستان کا شیریں ثمر لگا۔

۲۰۔ مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ پر تبصرہ ۔ ص ۱۱۶

۲۱۔ اخبار سیاست ۳۱ جولائی ۲۹ء

۲۲۔ مسلم کانفرنس کے اجلاس ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۸ تا ۲ر جنوری ۱۹۲۹ دہلی میں منعقد ہوئے۔

۲۳۔ نہرو رپورٹ تبصرہ ص ۶۴

۲۴۔ زندہ رود ص ۳۲۹

۲۵۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۵۷

ار۲۵ = حضرت امام جماعت احمدیہ کا تبصرہ بر نہرو رپورٹ ۲ر اکتوبر ۲۸ سے ۲ر نومبر ۲۸ تک الفضل اخبار قادیان کی سات قسطوں میں شائع ہوا پھر نومبر ۲۸ میں ہی کتابی شکل میں طبع ہوا

۲۶۔ ایضاً ص ۵۹

۲۷۔ ایضاً ص ۶۳

۲۸۔ نہرو رپورٹ تبصرہ ص ۶۴

۲۹۔ زندہ رود ص ۳۲۴

۳۰۔ ماہ نو مارچ ۱۹۶۸ء ص ۹۹

۳۱۔ ایضاً ص ۱۰۸

قائداعظم کے چودہ نکات اور خطبہ الہ آباد کا خلاصہ ہم نے "ماہ نو تحریک پاکستان نمبر" مارچ ۱۹۶۸ء سے نقل کیا ہے۔

۳۲۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۶۵

۳۳۔ ایضاً ص ۷۰

۳۴۔ ایضاً ص ۷۰

۳۵۔ ایضاً ص ۷۱

۳۶۔ زندہ رود ص ۳۲۵

۳۷۔ نہرو رپورٹ تبصرہ ص ۹۹

۳۸۔ زندہ رود ص ۳۲۵

۳۹۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۱۰۵

۴۰ ۔ ایضاً ص ۱۰۴

۴۱ ۔ ایضاً ص ۱۰۵

۴۲ ۔ زندہ رود ص ۳۲۵

۴۳ ۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۱۴

۴۴ ۔ ایضاً ص ۲۵

۴۵ ۔ ایضاً ص ۱۱۰

۴۶ ۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۱۳

۴۷ ۔ ایضاً ص ۱۳

۴۸ ۔ زندہ رود ص ۳۲۹

۴۹ ۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۱۰۸

۵۰ ۔ زندہ رود ص ۳۲۹

۵۱ ۔ نہرو رپورٹ ۔ تبصرہ ص ۵۳

۵۲ ۔ ایضاً ص ۹۸

۵۳ ۔ ایضاً ص ۲۳

۵۴ ۔ ایضاً ص ۶۹

۵۵ ۔ ایضاً ص ۱۰۷

۵۶ ۔ زندہ رود ص ۳۲۵

۵۷ ۔ جناب شورش کاشمیری ۔ گاندھی جی اور پنڈت نہرو کے بارے میں اپنے عقیدہ کا یوں اظہار کرتے ہیں :۔

"۔ مہاتما گاندھی کو واقعی میں اس صدی کا رشی سمجھتا ہوں ۔ اپنے قاتل کے سامنے ہاتھ باندھ کر رام رام کہنا اور شہید ہو جانا معمولی بات نہیں ۔ جواہر لال نہرو ' ہندوستان کے سب سے بڑے ہیرو تھے (کتاب شورش کاشمیری صفحہ ۹۰ از انور عارف)

۵۸ ۔ ص ۴۵۲

۵۹ ۔ بحوالہ سرگذشت اقبال از عبدالسلام خورشید ص ۴۰۷

۶۰ ۔ ص ۴۹۱

۶۱ ۔ مصنف ' اقبال کی کارکردگی پر پردہ ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کانفرنس میں اس لئے نہ بولے کہ اس میں بیشتر مباحث وفاق کے بارہ میں تھے ۔ اور اقبال کو وفاق سے کوئی دلچسپی نہ تھی (صفحہ

۴۹۱) راقم عرض کرتا ہے کہ جہاں قوم کی تقدیروں کے فیصلے ' بولنے یا نہ بولنے پر منحصر ہوں ۔ وہاں جس موقف کو آپ ملک و قوم کے لئے سودمند تصور کرتے ہوں ۔ اس موقف کے حق میں کوئی کلمہ خیر کہنے میں کیا ہرج ہے ؟

۶۲ ۔ منادی ۔ ۲۴ ر اکتوبر ۱۹۳۴ء

۶۳ ۔ بحوالہ الفضل ۷ ر فروری ۱۹۵۲ء

۶۴ ۔ " ادبی دنیا " فروری ۱۹۳۱ء اداریہ از علامہ تاجور نجیب آبادی ۔ ڈائریکٹر آنریبل جسٹس سر عبدالقادر

۶۵ ۔ راقم کی رائے میں " شدید تنقید " کا اصل میدان تو گول میز کانفرنس اور انگلستان کا مقام تھا ۔ جہاں تقدیروں کا فیصلہ ہو رہا تھا ۔ گھر واپس پہنچ کر کسی تبصرہ کو وہ اہمیت نہیں دی جا سکتی جو موقع کی تنقید کو حاصل ہوتی ہے ۔

قارئین کرام ۔ مناسب ہو گا ۔ یہاں ہم چودھری محمد ظفر اللہ خاں کی برموقعہ تنقید ' اس کی عظمت و وقعت اور اس کے اعتراف کی دو ایک جھلکیاں قارئین کرام کے سامنے پیش کریں ۔

مسٹر چرچل پر تنقید

۱۔ گول میز کانفرنسوں کے نتیجہ میں حکومت برطانیہ نے اپنی تجاویز ایک قرطاس ابیض کی شکل میں پارلیمنٹ میں پیش کیں اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی ایک مشترکہ کمیٹی ان پر غور کرنے کے لئے قائم ہوئی ۔ اس کمیٹی کے صدر لارڈ لنتھگو تھے جو بعد میں وائسرائے ہند ہوئے ۔ اراکین میں تین سابق وائسرائے لارڈ ہارڈنگ ۔ لارڈ ریڈنگ اور لارڈ ارون شامل تھے ۔ ان کے علاوہ مارکوئیس آف سالسبری ' آرچ بشپ آف کنٹربری ' سر آسٹن چیمبرلین ' لارڈ ڈاربی ' لارڈ زٹلینڈ اور پارلیمنٹ کے اور بہت سے نمائندے بھی اراکین میں سے تھے ۔ جو اصحاب کمیٹی کے روبرو شہادت دینے کے لئے آئے ۔ ان میں موثر ترین شخصیت مسٹر چرچل کی تھی ۔ مسٹر چرچل کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان نہ آزادی کا طالب ہے نہ اس کے لئے تیار ہے ۔ جب ان پر جرح اور تنقید کا موقع آیا ۔ تو وزیر ہند ۔ سر تیج بہادر سپرو و مسٹر جیکار ' سر ہری سنگھ گاوڑ وغیرہم نے سب جتن کر لئے مگر مسٹر چرچل اپنے موقف سے ذرا بھی ادھر ادھر نہ کئے جا سکے ۔ چودھری صاحب کی باری آئی ۔ تو آپ فرماتے ہیں :۔

" اس دن ان پر میری جرح گھنٹہ بھر جاری رہی اور ختم نہ ہوئی تھی کہ اجلاس دوسرے دن پر ملتوی ہو گیا ۔ دوسرے دن گھنٹہ بھر اور اسی پر صرف ہوا ...... جب چوتھے دن کے آخر میں مسٹر چرچل کی شہادت مکمل ہو چکی تو ساری کمیٹی نے دیر تک چیرز کے ساتھ انہیں خراج تحسین پیش کیا مسٹر چرچل اپنی کرسی سے اٹھ کر میرے پاس تشریف لائے ' مصافحہ کیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا

Your have given me two most difficult hours
before this Committe

آپ کی جرح نے اس کمیٹی کے روبرو دو گھنٹے تک میرا ناک میں دم کئے رکھا (خلاصہ صفحات تحدیث نعمت طبع دوم صفحہ ۳۳۳ تا صفحہ ۳۳۷)

سر فضل حسین کی ڈائری

راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے اجلاسوں میں حصول آزادی اور مسلم مفاد کے لئے چودھری صاحب کی اس نوع کی بیباکانہ اور جرات مندانہ تنقید و جرح سے متاثر ہو کر سر فضل حسین نے اپنی پرائیویٹ ڈائری میں لکھا:

At the Round Table Conference Zafarulla is badly needed

یعنی گول میز کانفرنس میں ظفراللہ (خاں) کی موجودگی اشد ضروری ہے۔

Dairy and Notes of Sir Fazal -e- Hussain Dated 2-5-32 P.132

شائع کردہ ریسرچ سوسائٹی پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور

ب۔ امریکہ کے صدر اور برطانیہ کے وزیراعظم پر تنقید

قیام پاکستان کے بعد فلسطین اور کشمیر کے قضیوں کے ضمن میں امریکہ کے صدر اور برطانیہ کے وزیراعظم کی غیر منصفانہ روش پر تنقید کرتے ہوئے چودھری صاحب نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھا ہے:۔

"۔ انسانی تاریخ میں ان دو پستہ قد اور بظاہر بے اثر شخصیتوں (امریکہ کے صدر) ٹرومین اور (برطانیہ کے وزیراعظم) مسٹر اٹیلی کا شمار ان اشخاص میں ہو گا جن کی انصاف کشی نے امن عالم کو تباہ کر دیا۔" (تحدیث نعمت طبع دوم ص ۵۵۳)

سردار محمد ابراہیم خاں کے تاثرات

ج۔ سردار محمد ابراہیم خاں سابق صدر حکومت آزاد کشمیر، چودھری صاحب کی امریکہ پر نکتہ چینی کے بارے میں اپنے مشاہدہ کو یوں قلمبند کرتے ہیں۔

"۔ ۱۹۴۸ میں سلامتی کونسل میں .... سارا نیویارک اور (اس کے) نمائندے پاکستان کے

خلاف اس لئے ہو گئے تھے کہ سر محمد ظفراللہ خاں صاحب نے فلسطین کے مسلمانوں کی حمایت کی تھی (متاع زندگی۔ سرگذشت ص ۱۱۶)

۶۶۔ ص ۴۸۸

۶۷۔ ایضاً ص ۵۹۷

۶۸۔ حرف اقبال ص ۶۱

نوٹ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم کانفرنس کے انعقاد کے دوران راست اقدام کا پروگرام بنایا گیا تھا مگر مصنف " زندہ رود " کے مطابق علامہ نے ۶ر جولائی کو اس ضمن میں ایک اور اعلان جاری فرمادیا تھا کہ

"۔ میں مسلمانوں کو یہ مشورہ نہیں دوں گا کہ وہ کسی قسم کا راست اقدام محض اس لئے شروع کر دیں کہ حکومت نے ایک مقررہ مدت کے اندر فرقہ وارانہ فیصلے کے اعلان کے نہ کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا ہے (صفحہ ۴۸۳) نیز دیکھئے اقبال کا سیاسی کارنامہ صفحہ ۱۵۹)

بعد میں عاملہ کے بعض دیگر ارکان نے بھی علامہ کے اس اعلان کی حمایت کر دی اور راست اقدام کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا (خلاصہ صفحہ ۴۸۳)

۶۹۔ اداریہ الفضل۔ قادیان ۳ر اپریل ۱۹۳۲ء

۷۰۔ چٹان۔ لاہور ۲۱ دسمبر ۱۹۸۱ء

۷۱۔ تلخیص ماہنامہ انصار اللہ۔ ربوہ نومبر۔ دسمبر ۱۹۸۵ء ص ۵۷۔ ۶۳

۷۲۔ ص ۴۲۱

۷۳۔ ملاحظہ ہو۔ ہمقدم۔ ستمبر ۱۹۸۷ء صفحہ ۲۳ و جنگ کراچی ۳۰ اگست ۱۹۸۷ء

۷۴۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں حکومت پاکستان کی طرف سے " پندرھویں صدی ہجری " بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ جو مجلہ اس موقع پر عالم اسلام کے لئے تیار کیا گیا۔ اس میں زیر عنوان۔ " ابوالاعلیٰ مودودی " کہا گیا ہے کہ جنرل ضیاء الحق جنہوں نے ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کو بھٹو کو ہٹا کر عنان حکومت سنبھالی، جماعت اسلامی کی آئیڈیالوجی پر پورا اترتے دکھائی دیتے ہیں۔ اگست ۱۹۷۸ میں جماعت اسلامی نے ضیاء عبوری وزارت میں شمولیت اختیار کر لی (ص ۴۲)

میاں طفیل محمد صاحب سابق امیر جماعت اسلامی کے نزدیک جہاد افغانستان کی وجہ سے اسلامی تاریخ میں صلاح الدین ایوبی کے بعد جنرل ضیاء الحق کا نمبر ہے۔" (دیکھئے کتاب شہید الاسلام ضیاء الحق از سالم عظام سیکرٹری جنرل اسلامک کونسل لندن مطبوعہ ۱۹۹۰ ص ۵۱) حالانکہ افغانستان میں جہاد کے نام پر مسلمان، مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے اور امریکہ اور روس ایسی غیر اسلامی طاقتوں کی پشت

پناہی کے بغیر یہاں جنگ جاری ہی نہیں رکھی جا سکتی۔ غور طلب امر یہ ہے کہ ایسی جنگ کو جہاد کا نام دینا کس حد تک جائز ہے؟

ضیاء دور کے اس تاریخی مجلہ میں تسلیم کیا گیا ہے کہ جماعت اسلامی نے پاکستان کی مخالفت (Opposed) کی (ص ۳۰) نیز ۴۸-۱۹۴۷ء میں جہاد کشمیر کو جہاد تسلیم کرنے سے انکار کرنے پر مودودی صاحب عوامی ہمدردی کھو بیٹھے (صفحہ ۴۲) (دیکھئے مسلم ورلڈ ٹوڈے۔ شائع کردہ نیشنل ہجرہ کونسل اسلام آباد ۱۹۸۵ء)

عجیب بات ہے کہ جب کشمیر میں غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کی جائے تو یہ جہاد نہیں مگر جب افغانستان میں مسلمان، مسلمان کا گلا کاٹے اور امریکہ کا یہودی سرمایہ پشت پناہی کر رہا ہو تو یہ جہاد ہے۔

۷۵۔ تحریک پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار (تلخیص بادنی تصرف) صفحہ ۵۶

۷۶۔ پاکستان کیسے بنا؟۔ اس عنوان سے بزرگ صحافی جناب زاہد چودھری (مرحوم) نے اپنی بارہ سال کی ریسرچ پیش کی ہے۔ اخبار جنگ لاہور کے فیچر سیکشن نے اس کتاب کے حوالے سے لکھا ہے:۔

کتاب میں بے شمار دستاویزات کے ذریعے یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ جناح ایک کمزور مرکز کے تحت پورے برصغیر کو ایک ڈھیلے ڈھالے وفاق پر مبنی گروپنگ سکیم پر عمل درآمد کے لئے ۱۹۴۶ء کے اواخر تک کوشش کرتے رہے۔ (دیکھئے ایڈیشن جنگ جمعہ میگزین ۱۵-۲۱ ستمبر ۱۹۸۹ء)

چودھری ظفر اللہ خاں کی آزادی ہند کی تجویز پر وار کابینہ کے اجلاسوں میں غور و خوض

۔ٹرانسفر آف پاور کے حوالے سے۔

O وار کابینہ انڈیا کمیٹی ۱۲واں اجلاس۔ مورخہ ۱۶ر مارچ ۴۵ صدارت۔ لارڈ اٹیلی

لارڈ پریذیڈنٹ نے انڈیا کمیٹی کو دعوت دی کہ سر محمد ظفر اللہ خاں کی طرف سے کامن ویلتھ کے اجلاس میں کی جانے والی تقریر (کاغذات ا۔ (۴۵) ۳۲۔ کو زیر غور لایا جائے۔

O وار کابینہ۔ انڈیا کمیٹی۔ اجلاس ۱۹ر مارچ ۴۵ نوٹ ۳۲۶

مسٹر ایمری سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا اینڈ برما کا نوٹ۔۔

"۔ ہندوستان کے لئے عارضی یا وقتی دستور کا مسئلہ۔ سر ظفر اللہ خاں کی تقریر کے حوالے سے

۔۔ انڈیا کمیٹی کے مطالعہ کے لئے (ملخص)

O وار کابینہ۔ انڈیا کمیٹی۔ اجلاس ۲۴ر مارچ ۴۵۔ نوٹ ۳۳۷

زیر غور۔ سر ظفر اللہ خاں کی تجویز کا خاکہ۔ ۔ سیکرٹری آف سٹیٹ کی یادداشت۔

O وار کابینہ۔ انڈیا کمیٹی۔ ۱۵واں اجلاس مورخہ ۲۹ مارچ۔ نوٹ ۳۴۸، صدارت مسٹر اٹیلی

سر ظفر اللہ خاں کی سکیم کی حمایت و مخالفت میں اظہار خیال

War Cabinet

اس موقع پر مناسب ہو گا کہ وار کمیٹی کے ارکان کے اسماء بھی درج کر دیئے جائیں۔ جو آزادی ہند کے بارے میں چوہدری ظفر اللہ خاں کی طرف سے پیش کردہ تجاویز پر مختلف اجلاسوں میں غور کرتے رہے۔

۔ ممبرز آف دی انڈیا کمیٹی آف دی وار کیبنٹ۔

O C.R.Attlee مسٹر سی۔ آر۔ اٹیلی۔ لارڈ پریذیڈنٹ آف دی کونسل ایٹ "وار کیبنٹ" (نائب وزیر اعظم)

O L.S. Amery مسٹر ایل۔ ایس ایمری سیکرٹری آف سٹیٹ فار انڈیا اینڈ برما

O L. Simon لارڈ سائمن۔ مشہور برطانوی سیاستدان۔ جنہوں نے سائمن کمشن کی رپورٹ مرتب کی تھی۔

O John Anderson سر جان اینڈرسن۔ سابق گورنر بنگال

O James Grigg سر جیمز گرگ۔ سابق رکن وائسرائے ہند کونسل۔ نائب وزیر جنگ بعد میں وزیر جنگ

O Stafford Cripps سر سٹیفورڈ کرپس۔ منسٹر آف ائر کرافٹ پروڈکشن ایٹ وار کیبنٹ

O R.A.Butler مسٹر آر۔ اے۔ بٹلر۔ پریذیڈنٹ بورڈ آف ایجوکیشن۔ بعد میں وزیر ہو گئے

حضرت امام جماعت احمدیہ کے نام قائداعظم کا پیغام

"۔ یہی وہ دور ہے جب قائداعظم نے ممتاز سیاستدان سردار شوکت حیات خاں کو حضرت امام جماعت احمدیہ کے پاس بھیجا کہ وہ انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے دعا بھی کریں اور دوا بھی۔۔ سردار شوکت حیات کے مطابق:۔

"۔ ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں قائداعظم کی ہدایت پر میں قادیان گیا تھا۔ وہاں (مرزا) بشیر الدین احمد سے میں نے کہا کہ میں قائداعظم کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ انہوں نے کہا ہے کہ ۔۔۔ ہمارے لئے دعا کریں اور دوا بھی۔ جس پر (مرزا) بشیرالدین احمد نے کہا کہ

"۔ صاحب دعا تو ہم ہروقت کر رہے ہیں اور دوا یہ ہے کہ قادیانی جماعت کا کوئی بھی آدمی مسلم لیگ کے امیدوار کے خلاف کھڑا نہیں ہو گا۔ چنانچہ میاں ممتاز دولتانہ ' نواب محمد دین قادیانی کی نشست پر کامیاب ہوئے۔ اور قادیانیوں نے انہیں ووٹ دیئے۔"

قائداعظم کا یہی پیغام لے کر سردار شوکت حیات خاں صاحب جب مولانا مودودی کے پاس پہنچے ۔ تو بقول ان کے مودودی صاحب نے فرمایا۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ جناب میں پاکستان کے لئے کس طرح دعا کر سکتا ہوں؟ (لندن۔ ریڈیو رپورٹ) بحوالہ ہفت روزہ لاہور ۵ ر ستمبر ۱۹۸۷ء

مسٹر اصفہانی بنام قائداعظم

New York,
January 22, 1948.

My dear Quaid-e-Azam,

I thank you for your letters from Lahore.

We are busy with the Security Council and Government is being kept informed by telegram of the developments. India is obstinate and Inshallah she will be made to learn the lesson of her life. Zafrullah Khan is working like a Trojan; his presentation of our case before the Security Council was masterly and his negotiations across the table with the Indians are a feast for us who sit on his side. Every time he beats the best talent of India arrayed opposite us. There is a deadlock brought about by India. The Security Council meets this afternoon.

I trust you are taking a little more rest these days.

With kind regards to Miss Jinnah and yourself,

Very sincerely yours,
Hassan

علامہ اقبال نے ۱۹۳۵ء میں احمدیت کے متعلق اپنی رائے بدل لی

علامہ کے بیان کردہ وجوہ کا تجزیہ

۱۹۱۰ء میں علامہ اقبال نے اپنے انگریزی مقالہ بعنوان۔ "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں جماعت احمدیہ کے متعلق فرمایا تھا کہ

"پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے "فرقہ قادیانی" کہتے ہیں۔"[1]

۱۹۳۵ء میں جب اخبار زمیندار اور مجلس احرار کی ہمنوائی کرتے ہوئے علامہ نے احمدیہ جماعت کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کا مطالبہ کیا تو پریس کے نمائندہ نے آپ سے انٹرویو لیا اور دریافت کیا کہ ۱۹۱۰ء میں آپ نے جماعت احمدیہ کے متعلق جو کچھ فرمایا۔ اب آپ کی رائے اس سے مختلف ہے۔ اس سے آپ پر تناقض (Inconsisting) کا الزام لگتا ہے۔

علامہ نے جواباً فرمایا۔

"یہ تقریر میں نے ۱۹۱۱ء یا اس سے قبل کی تھی اور مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ اب سے ربع صدی پیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی ..... کسی مذہبی تحریک کی اصل روح ایک دن میں نمایاں نہیں ہو جاتی۔ اسے اچھی طرح ظاہر ہونے کے لئے برسوں چاہئیں ..... ذاتی طور پر میں اس تحریک سے اس وقت بیزار ہوا تھا جب ایک نئی نبوت ۔۔ بانی اسلام کی نبوت سے بھی برتر نبوت ۔ کا حتمی طور پر دعویٰ کیا گیا۔[2] اور تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا گیا۔ بعد میں یہ بیزاری ' بغاوت کی حد تک پہنچ گئی جب میں نے تحریک کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے آنحضرتؐ کے متعلق نازیبا کلمات کہتے سنا۔ درخت جڑ سے نہیں ' پھل سے پہچانا جاتا ہے ۔۔۔ اگر میرے موجودہ رویہ میں کوئی تناقض ہے تو یہ بھی ایک زندہ اور سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل سکے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر

علامہ اقبال کا ابتدائی کلام

احمدیت کے مخالف ایک مولوی کی ہجو

بانی تحریک احمدیہ ۱۸۹۳ء میں " شہادت القران میں اپنے دعوی " مسیح موعود " کے حق میں دلائل بیان کر چکے ہیں۔ " برکات الدعا " میں وحی کی کیفیت اور قبولیت دعا کے ضمن میں اپنے تجربات اور مشاہدات پر مفصل مضمون رقم فرما چکے تھے۔ آپ نے ۱۸۹۳ء میں پادریوں سے " جنگ مقدس " کا آغاز فرمایا۔ پادری آپ کے دلائل کے سامنے عاجز ہو رہے تھے۔ مگر ساتھ ہی بعض علماء نے آپ کے مخالفت شروع کر دی۔ لدھیانہ کے ایک مولوی سعد اللہ سعدی اپنے اشعار کے ذریعہ بانی سلسلہ کی توہین کے مرتکب ہو رہے تھے۔ علامہ اقبال جو ان دنوں ایف اے کے طالب علم تھے یہ توہین ' برداشت نہ کر سکے۔ آپ نے مولوی صاحب کی گالیوں کے جواب میں درج ذیل ہجو لکھی جسے نصرت حق کے سلسلہ میں آپ کی پہلی کاوش کہا جا سکتا ہے۔ اس ہجو میں آپ نے احمدیت کے مخالف مولوی کو " قوم عیسائی کے پگڑی بدل بھائی " اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو **" آفتاب صدق "** قرار دیا۔

واہ سعدی دیکھ لی گندہ دہانی آپ کی
خوب ہوگی مہتروں میں قدردانی آپ کی

بیت ساری آپ کی بیت الخلا سے کم نہیں
ہے پسند خاکروباں شعر خوانی آپ کی

تیلیاں جاروب کی لیتے وہ خامہ کے عوض
کھینچتے تصویر گر بہزاد و مانی آپ کی

راہ اپنی چھوڑ کر نکلے دہن کی راہ سے
ہے مگر باد مخالف نغمہ خوانی آپ کی

ان دنوں کو فصل گل کہیے و یا دن پھول کے
ہر طرف ہوتی ہے سعدی گل فشانی آپ کی

آپ کے اشعار موتی ہیں مگر بے تغیر (الہام نہیں)
گوش عالم تک یہ پہنچے ہیں زبانی آپ کی

گوہر (وہ) آ جھڑتے ہیں آپ کے منہ سے سبھی
جاں ستے تنگ آ گئی ہے مہترانی آپ کی

ہر طرف سے آ رہی ہے یوں جو دُر دُر کی صدا
بھا گئی اہل سخن کو [illegible] آپ کی

آپ سے بڑھ کر ظریف کوئی دنیا میں نہیں
واہ صاحب شعر خوانی شعر دانی آپ کی

خاک کو ہم چاٹ کر یہ بات کہہ دیتے ہیں آج (بیوقوف)
تلخ کامی ہوگی یہ سن کر بد دماغی آپ کی

جب ادھر سے بھی پڑیں گے آپ کو صابن کے ڈلے
آپ پر کھل جائے گی رنگیں بیانی آپ کی

کھاؤ گے فرمائشی سر پلپلا ہو جائے گا
پھر نکل جائے گی سر سے شعر خوانی آپ کی

دین اور ایمان کی دُم میں واہ نمدہ دے دیا
سارے عالم کی زباں پر ہے کہانی آپ کی

آفتاب صدق کی گرمی سے گھبراؤ نہیں
حضرت شیطان کریں گے سائبانی آپ کی

اشتہار آخری اک آفت ہے شیطان کی
سر بسر جن سے عیاں ہے خوش بیانی آپ کی

وہ مثل ہے ہے طویلے کی بلا بندر کے سر
ہوگیا ہم کو یقین شامت ہے آئی آپ کی

خر کمہاروں کا موا دھوبن ستی ہوتی ہے مفت
ہے مگر قوم نصاریٰ یار جانی آپ کی

رانڈ کے چرخے کی صورت کیوں چلے جاتے ہیں آپ
اہل عالم نے سبھی بکواس جانی آپ کی

نیلے پیلے یوں ہو پھر کیا کرو گے اس گھڑی
جب خبر لیوے گا قہر آسمانی آپ کی

بات رہ جاتی ہے دنیا میں نہیں رہتا ہے وقت
آپ کو نادم کرے گی بد زبانی آپ کی

قوم عیسائی کے بھائی بن گئے پگڑی بدل
واہ کیا اسلام پر ہے مہربانی آپ کی

الراقم

شیخ محمد اقبال ایف اے کلاس سکاچ مشن سکول سیالکوٹ

از ص ۲۶۱

اپنے آپ کو نہیں جھٹلا نہیں سکتے۔ ۳۔

۱۹۱۰ء کے مذکورہ بالا انگریزی مقالہ پر ربع صدی بعد آپ نے درج ذیل نوٹ بھی دیا۔

" یہ لیکچر علی گڑھ میں ۱۹۱۱ء (۱۹۱۰ء ۔ ناقل) میں دیا گیا۔ مقالہ میں قادیانیوں کی طرف اشارہ۔ اس تحریک کی ۱۹۱۱ء (۱۹۱۰ء ۔ ناقل) سے بعد کی صورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نظر ثانی کا محتاج ہے ۔۔ قادیانی اب بھی بظاہر مسلمانوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے معاملہ میں خصوصی توجہ بھی دیتے ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جس طرح اس تحریک کا اصلی روپ سامنے آیا ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ وہ کلی طور پر اسلام کی دشمن ہے۔ پس بظاہر قادیانی مسلمان نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں ان کی ذہنیت میگین (مجوسی) ہے۔ عین ممکن ہے اس تحریک کا اختتام بالاخر بہائی مذہب میں ہو جائے۔ جس

سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی تحریک ابتداً اثر قبول کر کے ابھری ہے۔

محمد اقبال ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۵ء

ملت بیضا پر ایک نظر

بانی تحریک احمدیہ کی وفات کے دو سال بعد ' اقبال کے نظریات

it is our aim to secure a continuous life of the community we must produce a type of character which at all costs, holds fast to its own, and while it readily assimilate all that is good in other types, it carefully excludes from its life all that is hostile to its cherished traditions and institutions. A careful observation of the Muslim Community in India reveals the point on which the various lines of moral experience of the community are now tending to converge. In the Punjab the essentially Muslim type of character has found a powerful expression in the so-called Qadiani-sect

۴۵۹

ربع صدی پر ایک امکانی نظر

راقم عرض کرتا ہے کہ اگر اس ربع صدی میں علامہ پر تدریجاً یہ ظاہر ہوتا کہ وہ جماعت جو ۱۹۱۰ء میں "اسلام کا ٹھیٹھ نمونہ" تھی۔ ۱۹۳۵ء تک اسلامی نکتہ نگاہ سے بے عمل، غیر مستعد اور روحانی اعتبار سے مردہ ہو چکی ہے اور اس کے برعکس اسی ربع صدی میں غیر احمدی عامۃ المسلمین کا گروہ دین کی سمجھ رکھنے والا۔ اسلامی روح سے سرشار اور اسلامی سیرت کا بہترین نمونہ بن کر ابھرا ہے تو علامہ کی اس بات میں وزن ہوتا کہ اب وہ جماعت احمدیہ کو "ملت اسلامیہ کے استحکام" کے لئے ایک خطرہ سمجھتے ہیں ۵۔ اور اسے ملت کے وجود سے علیحدہ کر دینے میں ہی ملت کی بقا ہے۔ اور اگر معاملہ کی صورت یہ نہیں تھی تو ظاہر ہے علامہ کا عذر لائق اعتنا نہیں۔

آیئے دیکھتے ہیں اس ربع صدی میں علامہ، اسلامی نقطہ نگاہ سے احمدی و غیر احمدی کردار کی جو دو تصویریں تدریجاً دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔ ان کے نقوش اور خدوخال کیا تھے؟

غیر احمدی مسلمانوں کی حالت

۱۹۱۰ء کے آغاز میں علامہ نے علی گڑھ میں مذکورہ بالا مضمون بزبان انگریزی پڑھا تھا۔ اس میں آپ نے احمدیوں اور غیر احمدیوں کی سیرت کا خاکہ ـــــ الگ الگ پیش کیا ہے۔ غیر احمدی طلبا اور اسلامی تہذیب کے علمبرداروں کی سیرت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"آجکل کے طالب العلماء زندگی سے چونکہ دس بارہ سال کی مدت سے مجھے سابقہ پڑ رہا ہے اور میں ایک ایسے مضمون کا درس دیتا رہا ہوں۔ جس کو مذہب سے قریب کا تعلق رہا ہے۔ لہٰذا میں اس بات کا تھوڑا بہت استحقاق رکھتا ہوں کہ میری باتیں سنی جائیں گی۔ مجھے رہ رہ کر یہ رنج وہ تجربہ ہوا ہے کہ مسلمان طالب علم اپنی قوم کے عمرانی۔ اخلاقی اور سیاسی تصورات سے نابلد، روحانی طور پر بمنزلہ ایک بے جان لاش کے ہے اور اگر موجودہ صورت اور بیس سال تک قائم رہی تو وہ اسلامی روح جو قدیم اسلامی تہذیب کے چند علمبرداروں کے فرسودہ قالب میں ابھی تک زندہ ہے۔ ہماری جماعت کے جسم سے بالکل ہی نکل جائے گی۔" ۶

جماعت احمدیہ کا روپ

علامہ، جماعت احمدیہ کے متعلق اپنے اس مضمون میں اپنے تجربہ کا یوں اظہار فرماتے ہیں

"۔ اگر ہمارا مقصد یہ ہو کہ ہماری قومی ہستی کا سلسلہ ٹوٹنے میں نہ آئے تو ہمیں ایک ایسا اسلوب تیار کرنا چاہیئے جو اپنی خصوصیات مختصہ سے کسی صورت میں بھی علیحدگی اختیار نہ کرے اور خذ ما صفا ودع ماکدر کے زریں اصول کو پیش نظر رکھ کر دوسرے اسالیب کی خوبیوں کو اخذ کرتے ہوئے ان تمام عناصر کی آمیزش سے اپنے وجود کو کمال احتیاط کے ساتھ پاک کر دے جو اس کی روایات مسلمہ، قوانین منضبطہ کے منافی ہوں۔ پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں۔ ۷۔

گویا علامہ کے نزدیک جماعت احمدیہ کسی تحریک کا اثر قبول کر کے نہیں ابھری بلکہ یہی وہ جماعت ہے جو ہر قسم کے غیر اسلامی عناصر کی آمیزش سے اپنے وجود کو کمال احتیاط سے پاک رکھے ہوئے ہے۔

غیر احمدی گروہ کا روپ

ظاہر ہے۔ ۱۹۱۰ء میں علامہ نے دنیا کے سامنے جو دو تصویریں پیش کیں۔ ان میں احمدیوں

کی تصویر " اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ " اور عامتہ المسلمین خصوصا طلبا کی تصویر " بے روح اور بے جان لاش " تھی ۔ اب دیکھنے والی بات یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آنے والی ربع صدی میں اقبال کو اس " بے جان لاش " میں زندگی کی کوئی رمق نظر آئی ؟ بالکل نہیں ۔ چنانچہ آپ نے بعد میں ان کی روحانی مردنی کا یوں رونا رویا ۔

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں   امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں   تھا براہیم پدر اور پسر آزر ہیں

جس طرح احمد مختار ہے نبیوں میں امام   اس کی امت بھی ہے دنیا میں امام اقوام
کیا تمہارا بھی نبی ہے وہی آقائے انام   تم مسلماں ہو ؟ تمہارا بھی وہی ہے اسلام
اس کی امت کی علامت تو کوئی تم میں نہیں
ے جو اسلام کی ہوتی ہے وہ اس خم میں نہیں

اس گروہ سے اسلامی روح کے غائب ہو جانے کا ماتم کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

قلب میں سوز نہیں ' روح میں احساس نہیں   کچھ بھی پیغام محمد ؐ کا تمہیں پاس نہیں
رہ گئی رسم اذاں ' روح بلالی نہ رہی   فلسفہ رہ گیا ' تلقین غزالی نہ رہی

پھر فرماتے ہیں ۔

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود   ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود   یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
(جواب شکوہ)

یہ علامہ کی صرف ایک نظم کے چند اشعار ہیں جن سے عیاں ہے کہ علامہ کے نزدیک وقت گزرنے کے ساتھ ' آنے والے برسوں میں عامتہ المسلمین میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ تو کجا ' ان میں امت محمدیہ ؐ کی علامت کے کوئی بھی آثار باقی نہیں رہے ۔ یہ مسلمان ' مسلمان کہلانے کے بھی حقدار نہیں ۔ ان کے اسلام سے یہود بھی شرم کھاتے ہیں ۔

جہاں تک ۔ " قدیم اسلامی تہذیب کے علمبرداروں کی اسلامی روح " کا تعلق ہے ۔ علامہ یوں واویلا کرتے ہیں ۔

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی   برق طبعی نہ رہی ' شعلہ مقالی نہ رہی

علامہ کے نزدیک پیشہ ور ملا طبقہ ' کیا روپ اختیار کر چکا ہے ؟ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم پی ایچ ڈی لکھتے ہیں ۔

" ۔ علامہ ایک روز مجھ سے فرمانے لگے ۔ اکثر پیشہ ور ملا ' عملاً اسلام کے منکر ' اس کی شریعت سے منحرف اور مادہ پرست دہریہ ہوتے ہیں ۔۸۔

علامہ کے مطابق ۔

دین کافر فکر تدبیر و جہاد   دین ملا ' فی سبیل اللہ فساد

غیر احمدی مسلمانوں کی عمومی کیفیت

" جواب شکوہ " کے بعد بھی علامہ کو عامتہ المسلمین میں ' علماء میں اور صوفیا میں اسلامی سیرت کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی ۔ آپ اس امر کا اظہار فرماتے رہے کہ مسلمان دینی اعتبار سے مردہ ہے ۔

۱۹۱۵ء ۔ علامہ اپنے مکتوب بنام اکبر الہ آبادی میں رقم فرماتے ہیں ۔

" پنجاب میں علماء کا پیدا ہونا بند ہو گیا ہے ۔ اور اگر خدا تعالیٰ نے خاص مدد نہ کی تو آئندہ بیس سال نہایت خطرناک نظر آتے ہیں ۔ صوفیاء کی دوکانیں ہیں مگر وہاں " اسلامی سیرت " کی متاع نہیں بکتی ۔ " ۹۔

۱۹۱۶ء ۔ مکتوب بنام سراج دین صاحب پال میں لکھتے ہیں ۔

" حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے ۔ افسوس ہے ۔ مسلمان مردہ ہے " ۔ ۱۰۔

۱۹۲۶ء ۔ سید سلیمان ندوی کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں ۔

" میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ (دونوں طبقے ۔ ناقل) علوم اسلامی سے بے خبر ہیں ۔ " ۱۱ ۔

۱۹۳۱ء ۔ مسلمانوں کی نئی پود کے بارے میں ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ۔

" مذہبی مسائل کے فہم کے لئے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے ۔ افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے ۔ " ۱۲۔

۱۹۳۳ء ۔ " ۔ اکابر امت یعنی علماء و صوفیہ کا پیشہ اب وہ نہیں جو ان کے اسلاف کا تھا ۔ نئے

تعلیم یافتہ گروہ کے نزدیک منافقت سب سے بڑا اصول زندگی ہے" ۱۳ے

۱۹۳۳ء۔ "۔ علماء کا اختلاف عامتہ المسلمین سے بھی زیادہ ہے اور ان کا وجود (خاص طور پر جو پالسٹیشن ہو گئے ہیں) منصب پرست مسلمانوں سے زیادہ مضر ہے"۔۔۔ ۱۴

احمدیوں کی عمومی کیفیت

اب اسی ربع صدی میں علامہ کی زبانی احمدیوں کی سیرت کا حال سنئے۔

اقبال ' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان مبارکہ اور قوت قدسیہ کے بارے میں کہتے ہیں۔

"مجھے یقین ہے کہ اگر نبی کریمؐ بھی دوبارہ پیدا ہو کر اس ملک میں "اسلام کی تعلیم" دیں تو غالبا اس ملک کے لوگ اپنی موجودہ کیفیات اور اثرات کے ہوتے ہوئے حقائق اسلامیہ کو نہ سمجھ سکیں۔ ۱۴/A

دوسری طرف ۱۹۱۰ء میں بانی تحریک احمدیہ کی قوت قدسیہ کے متعلق آپ کو یہ اعتراف ہے کہ مرزا صاحب نے جو جماعت پیدا کر دی ہے وہ خالصتا مسلم طرز کے کردار کا طاقتور مظہر ہے۔ "گویا وہ نہ صرف "حقائق اسلامیہ" کو سمجھتی ہے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی ہے۔

۱۹۱۱ء

۱۹۱۰ء والے علی گڑھ میں دیئے گئے مندرجہ بالا لیکچر کو مئی ۱۹۱۱ء میں محمڈن ہال لاہور کے ایک جلسہ ء عام میں بھی پڑھ کر سنایا گیا جس میں علامہ خود موجود تھے۔"

۱۹۱۱ء

اولاد کی بہتری کے لئے کون فکرمند نہیں ہوتا۔ علامہ کو نظر آ رہا تھا کہ غیر احمدی مسلمان' نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ علماء صوفیا کے ہاں "اسلامی سیرت" عنقا ہے۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ اس صورت حال میں ' میں اپنے لخت جگر کو جو سیالکوٹ کے ایک مشن اسکول میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ قادیان بھجوا دوں تاکہ وہ وہاں رہ کر اسلامی سیرت کے ٹھیٹھ نمونہ سے کچھ حصہ لے سکے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور چار پانچ سال تک اسے وہاں کے تعلیم الاسلام سکول میں داخل کرائے رکھا۔

۱۹۲۷ء

حضرت امام جماعت احمدیہ نے ۳ر مارچ ۲۷ء کو حبیبیہ ہال لاہور میں ' قرآن و حدیث کو" سائنس اور علوم جدیدہ" کی بعض نئی تحقیقاتوں کے بالمقابل رکھ کر "مذہب اور سائنس" کے موضوع پر ڈھائی گھنٹہ تک لیکچر دیا۔ صدارت کے فرائض علامہ اقبال نے ادا کئے۔ قرآنی علوم سے متعلق آپ کی بصیرت اور اکتشافات اثریہ سے آپ کی آگہی سے ' علامہ اس درجہ متاثر ہوئے کہ آپ نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا۔

"ایسی پر از معلومات تقریر بہت عرصہ کے بعد لاہور میں سننے میں آئی ہے۔ اور خاص کر جو قرآن شریف کی آیات سے مرزا صاحب نے استنباط کیا ہے۔ وہ تو نہایت عمدہ ہے.... میں اپنی تقریر کو زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھ سکتا تا مجھے اس تقریر سے جو لذت حاصل ہو رہی ہے۔ وہ زائل نہ ہو جائے۔ اس لئے میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ ۱۵ے

یہ تھا جماعت کے امام کا وہ روپ جو وقت گزرنے کے ساتھ علامہ کے سامنے آیا۔ اور علامہ پر واضح ہوتا چلا گیا کہ یہ جماعت عاشق قرآن و حدیث ہے اور "بہائی تحریک کے جدید احیاء" (ص ۵۵۱) سے دور کا بھی واسطہ نہیں رکھتی۔

مکتوب اقبال ۱۹۳۰ء

۱۹۲۷ء کے جلسہ عام میں "قرآن و حدیث کے معارف اور امام جماعت احمدیہ" کے بارے میں علامہ کا مندرجہ بالا مختصر مگر جامع خطاب بہت کچھ روشنی ڈالتا ہے جبکہ ۱۹۳۰ء کا درج ذیل مکتوب اس اخوت و محبت اور دلی ہمدردی کے جذبات کا عکاس ہے جو علامہ کے نزدیک افراد جماعت احمدیہ کے دلوں میں مسلم قوم کے لئے پائے جاتے تھے۔

اس دور میں حضرت امام جماعت احمدیہ ' برصغیر میں اسلامی مفادات کے تحفظ کے لئے ایک مسلم بورڈ کے قیام کی تجویز پر غور فرما رہے تھے اور اس کی صدارت کے لئے علامہ کی شخصیت حضور کے ذہن میں تھی۔ علامہ کو جب خبر ہوئی تو علامہ نے حضور (کے پرائیویٹ سیکرٹری) کو درج ذیل خط لکھا۔

۵ ستمبر ۱۹۳۰ء

"۔ چونکہ آپ کی جماعت منظم ہے۔ نیز بہت سے مستعد آدمی اس جماعت میں موجود ہیں اس واسطے آپ بہت "مفید کام" مسلمانوں کے لئے انجام دے سکیں گے۔

باقی رہا بورڈ کا معاملہ سو یہ خیال بھی نہایت عمدہ ہے۔ میں اس کی ممبری کے لئے حاضر ہوں۔ صدارت کے لئے کوئی زیادہ مستعد اور مجھ سے کم عمر کا آدمی ہو تو زیادہ موزوں ہو گا۔ لیکن اگر اس بورڈ کا مقصد حکام کے پاس وفود لے جانا ہو تو ہمیں اس سے معاف فرمایا جائے۔ وفد بے نتیجہ ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھ میں اس قدر چستی اور مستعدی بھی باقی نہیں رہی۔ ۱۶؎

۱۹۳۱ء

علامہ کے اس خط کے قریباً ۱۰ ماہ بعد کشمیری مسلمانوں کے لئے "مفید کام" کرنے کا ایک اہم موقعہ نکل آیا۔ جس کے لئے مستعد قیادت اور چست کارکنوں کی بھی ضرورت تھی۔ بات یہ ہوئی کہ کشمیری مسلمانوں کی حالت زار پر غور کرنے کے لئے مسلم لیڈروں کا ایک اہم اجلاس ۲۵ر جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں ہوا۔ اجلاس میں علامہ اقبال۔ خواجہ حسن نظامی۔ سر میاں فضل حسین۔ نواب صاحب کنج پورہ۔ مولوی میرک شاہ صاحب نمائندہ کشمیر۔ اللہ رکھا صاحب ساغر (نمائندہ جموں) اور بہت سے دیگر لیڈر حاضر تھے۔ کانفرنس کے نامہ نگار کے مطابق حضرت امام جماعت احمدیہ اور علامہ اقبال ایک ہی صوفہ پر بیٹھے تھے۔ طے پایا کہ ایک " آل انڈیا کشمیر کمیٹی" کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔ جب اس کی صدارت کا نازک مرحلہ سامنے آیا۔ تو علامہ چونکہ جانتے تھے کہ "مسلمانوں کے لئے "بہت مفید کام" انجام دینے والی جماعت صرف جماعت احمدیہ ہے اور اس کے سربراہ میرے ساتھ بیٹھے ہیں۔ آپ نے صدارت کے لئے امام جماعت احمدیہ کا نام تجویز کیا اور پھر اس پر اصرار کیا۔ اس کے بعد خواجہ حسن نظامی اور دوسرے ارکان نے بھی علامہ کی مکمل تائید و حمایت کی۔ جب ہر طرف سے یہی آوازیں بلند ہوئیں تو حضور نے بتیس لاکھ مسلمانوں کو بنیادی حقوق دلانے اور انہیں اقتصادی غلامی سے نجات دلانے کے لئے صدارت کی ذمہ داری قبول کرلی۔ ۱۷؎

علامہ، قریباً دو سال (یعنی ۱۹۳۳ء تک) آپ کے ماتحت ایک ممبر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔

۱۹۳۱ء

اسی سال علامہ نے مسلمانوں کی نئی پود کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ یہ مذہبی مسائل کے فہم سے بالکل کوری ہے۔ لیکن اسی سال جب آپ احمدیہ بیت الصلوۃ

انگلستان تشریف لے گئے تو وہاں آپ کو خالص اسلامی ماحول نظر آیا۔ آپ نے نومسلم انگریزوں کی نئی پود سے قرآن مجید کی تلاوت، نماز اور دیگر مذہبی مسائل سنے تو اتنے متاثر ہوئے کہ انہیں مخاطب کرکے اپنی تقریر میں فرمایا۔

"۔ میں نومسلموں سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں کہ آپ اپنی قلت تعداد سے دل شکستہ نہ ہوں۔ دنیائے اسلام کے چالیس کروڑ فرزندان توحید آپ کے بھائی ہیں۔" ۱۸؎

اس صورت حال میں علامہ کا یہ دعویٰ کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے کہ قادیانی بظاہر مسلمان ہیں۔ اور دیگر مسلمان، حقیقی مسلمان' یا یہ کہ قادیانی تحریک بہائی اثر حاصل کرکے ابھری ہے۔

۱۹۳۲ء

اپریل ۱۹۳۲ء میں چودھری محمد احسن صاحب نے علامہ کو اطلاع دی کہ ان کے بڑے بھائی نے جن کا تعلق "جماعت احمدیہ لاہور" سے ہے، انہیں جماعت میں شمولیت کی دعوت دی ہے۔ احسن صاحب نے علامہ سے دریافت کیا کہ آپ کی "تحریک احمدیہ" کے بارہ میں کیا رائے ہے اور کیا میں اس جماعت میں شامل ہو جاؤں؟ علامہ نے دونوں امور کا تفصیلی جواب دیا۔ اس جواب میں کہیں اشارہ تک نہیں کہ یہ جماعت وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام دشمن جماعت کے روپ میں سامنے آئی ہے۔ یا یہ کہ میں ان کی تبلیغ کو "اشاعت اسلام" کا درجہ نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے برعکس آپ نے فرمایا۔

ا۔ میرے نزدیک لاہور کی جماعت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جن کو میں غیرت مند مسلمان جانتا ہوں اور ان کی اشاعت اسلام کی مساعی میں ان کا ہمدرد ہوں۔

۲۔ کسی جماعت میں شریک ہونا یا نہ ہونا انسان کی ذاتی افتاد طبیعت پر بہت کچھ انحصار رکھتا ہے۔ تحریک میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ آپ کو خود کرنا چاہئے۔

۳۔ اشاعت اسلام کا جوش جو ان (یعنی بانی سلسلہ احمدیہ) کی جماعت کے اکثر افراد میں پایا جاتا ہے۔ قابل قدر ہے"۔ ۱۹؎

۱۹۳۳ء

۱۹۳۳ء میں جماعت احمدیہ میں شمولیت کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں استفسار کرنے والے کو علامہ نے جو مشورہ دیا اس کا مفہوم یہ تھا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ الہام و وحی اور دعویٰ مامور من اللہ ایسا امر نہیں کہ جماعت میں شمولیت کے لئے روک بنے آپ صرف اپنی افتاد طبع

گابا صاحب کے اسلام قبول کرنے پر آپ کا اسلامی نام علامہ اقبال نے تجویز کیا۔

کرسیوں پر (دائیں سے بائیں)

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب ۔ مسٹر خالد لطیف گابا ۔ بیرن عمر ۔ مولانا محمد علی صاحب

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب ۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب ۔

چوہدری شاہ نواز صاحب ۔ چوہدری بشیر احمد صاحب

(چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی صاحبزادی

امتہ الحی کے ساتھ)

کو مد نظر رکھیں اگر آپ کی افتاد طبع جماعت میں شمولیت کی اجازت دیتی ہے تو آپ بے شک شامل ہو جائیے ۔ پس ظاہر ہے ۔ اگر اس کے بعد آپ نے جماعت کی مخالفت کی تو اس کی بنیاد "مذہبی" نہ تھی ۔ بلکہ سراسر سیاسی تھی اور وہ بھی بالخصوص احرار کے زیر اثر ۔

یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو لاہور کے ایک بہت بڑے ہندو رئیس لالہ ہرکشن لال گابا کے بڑے لڑکے کنہیا لال گابا' یا کے ایل گابا نے بمعہ اپنی اہلیہ کے مولانا محمد علی صاحب (امیر جماعت احمدیہ لاہور شاخ) کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا ۔ اور ان کا اسلامی نام "خالد لطیف گابا" رکھا گیا ۔ اس تقریب میں لاہور کے غیر احمدی عمائد بھی شامل ہوئے ۔ یعنی علامہ عبداللہ یوسف علی ۔ علامہ اقبال ۔ نواب ممدوٹ ۔ ملک فیروز خاں نون ۔ مولانا سید ممتاز علی وغیرہ ۲۰ ۔

راقم اس ضمن میں چند مزید امور بیان کرنا چاہتا ہے :۔

(۱) مسٹر کے ایل گابا کا اسلامی نام علامہ اقبال نے خود تجویز کیا K کی جگہ خالد اور L کی جگہ لطیف

(۲) مولانا ظفر علی خاں نے موچی دروازہ لاہور میں اپنی پر جوش مخالفانہ تقریر میں کہا کہ "مسٹر گابا مرزائی ہونے کی بجائے اگر ہندو ہی رہتے تو یہ زیادہ بہتر تھا ("مسلم پریس" کا موقف تھا کہ وہ ایک احمدی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں ۔ فرقوں سے واسطہ نہیں)

(۳) ۱۰ / مارچ جمعہ کے روز تاریخی بادشاہی مسجد لاہور میں "اپنے نئے اسلامی بھائی" کا خطاب سننے کے لئے ۱۰ ہزار مسلمانوں کا جم غفیر جمع ہوا ۔ دروازہ پر انجمن حمایت اسلام اور خاکساروں کے رضاکاروں نے مسٹر گابا کو خوش آمدید کہا ۔ مولوی ظفر علی کے موقف کو غلط سمجھتے ہوئے ان دس ہزار مسلمانوں کی قیادت علامہ اقبال اور ملک فیروز خان نون نے کی ۲۱ ۔

یہ اس ربع صدی کے تدریجی حقائق ہیں ۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے کوئی بھی غیر جانبدار محقق یہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ' تحریک احمدیہ ' علامہ کے سامنے ' "اسلام دشمنی" کے روپ میں ظاہر ہوئی یا علامہ کو اس میں بہائیت کے اثرات دکھائی دینے لگے یا علامہ احمدیوں کو صرف ظاہراً مسلمان سمجھنے لگے تھے ۔ دونوں

نکلے ہوئے نازیبا الفاظ سے دنیا یہ سمجھ لے کہ بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی ہے اور پھر کیا اسی بنیاد پر کسی کے لئے جائز ہو گا کہ وہ تحریک اسلام سے بیزاری و بغاوت کا اعلان کر دے۔

جو شاعر آج رب العالمین کے حضور عالم تصورات میں گستاخی کا مرتکب ہے۔ کیا یہ قیاس کر لیا جائے کہ اس کی یہ گستاخی کل کو حقیقی طور پر خدا اور اس کے رسول ؐ کی گستاخی کی " طرح " ڈالنے کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر اسے ابھی سے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائے؟

دیکھئے مصنف اس پیش بندی کے بارے میں کس رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے

اپنے انٹرویو میں علامہ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ ہر سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل لے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ کے سب اعتقادات بہ سلسلہ نبوت و ختم نبوت اور دعاوی بہ سلسلہ مسیح و مہدی کے باوصف علامہ جماعت احمدیہ کو سیرت اسلامی کا ٹھیٹھ نمونہ اور اشاعت اسلام کا قابل قدر کام کرنے والی جماعت قرار دیتے رہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۳۵ء میں وہ کونسی **قیامت ٹوٹ پڑی** تھی جس نے علامہ کو اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا ہمیں کوئی معقول جواب نہیں مل سکا۔۔ باقی رہا پتھروں کے نہ بدلنے کے متعلق علامہ کی طرف سے ایمرسن کے قول کا سہارا لینا تو یہ کوئی مستحسن امر نظر نہیں آتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ باقی دنیا بھی ایمرسن کے قول کی تائید کرے۔۔ قرآن میں تو لکھا ہے۔

"۔ اور پتھروں میں سے تو یقیناً بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے دریا بہتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں تو ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اللہ کی خشیت سے گر جاتے ہیں۔ ۳۶ ؎

بہرحال علامہ کا جواب بہت ناکافی ہے۔ علامہ کے بیانات میں معمولی اختلاف نہیں بلکہ کفر و اسلام کا فرق ہے۔ کچھ دن قبل وہ جس تحریک کی اشاعت اسلام کی کاوشوں کو قابل قدر

کہتے تھے چند دن بعد اسے دائرہ اسلام سے ہی خارج قرار دیتے ہیں اور اس کی معقول وجہ بتانے سے قاصر ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ بنیادی طور پر " علامہ " ایک شاعر ہیں اور قرآن نے شعراء دنیا کی جو تعریف کی ہے اس نقطہ نظر سے ہم انہیں دیکھیں گے۔ لہٰذا ان کے خیالات میں تغیر اور ان کے موقف میں تناقض ایک قدرتی امر ہے۔ علامہ کی شاعری میں تناقضات کا ایک ڈھیر لگا ہوا ہے۔ لہٰذا جماعت احمدیہ کے بارہ میں اگر تناقض ہے تو اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں بلکہ شعراء کے ہاں یہ ایک **قدرتی عمل** ہے۔

مولوی چراغ علی اور براہین احمدیہ

علامہ نے اپنے انٹرویو میں بانی تحریک احمدیہ کی شہرہ آفاق کتاب " براھین احمدیہ " کے متعلق فرمایا ہے۔ " جہاں تک مجھے معلوم ہے کتاب موسومہ " براھین احمدیہ " میں مولوی چراغ علی صاحب نے بانی تحریک کو بیش قیمت مدد بہم پہنچائی "

راقم عرض کرتا ہے اس ضمن میں علامہ کی معلومات صحیح نہیں۔ حضرت امام جماعت احمدیہ فرماتے ہیں .. "۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی چراغ علی صاحب کو کیا ہو گیا تھا کہ انہیں جو اچھا نکتہ سوجھتا وہ حضرت بانی سلسلہ کو لکھ کر بھیج دیتے اور ادھر ادھر کی معمولی باتیں اپنے پاس رکھتے۔ آخر مولوی چراغ علی صاحب مصنف ہیں۔ براھین احمدیہ کے مقابلہ میں ان کی کتابیں رکھ کر دیکھ لیا جائے کہ آیا کوئی بھی ان میں نسبت ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرے کو تو ایسا مضمون لکھ کر دے سکتے ہیں۔ جس کی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی ۔۔۔۔ اور جب اپنے نام پر کوئی مضمون شائع کرنا چاہتے تو اس میں وہ بات ہی پیدا نہ ہوتی ...... انہوں نے تو اپنی کتابوں میں صرف بائبل کے حوالے جمع کیے ہیں اور حضرت بانی سلسلہ نے قرآن حکیم کے وہ معارف پیش کئے جو تیرہ سو سال میں کسی مسلمان کو نہیں سوجھے اور ان معارف اور علوم کا سینکڑوں بلکہ ہزارواں حصہ بھی ان کی کتابوں میں نہیں۔ ۳۷ ؎

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت امام جماعت احمدیہ نے فرمایا۔

"۔ سر محمد اقبال صاحب کو کچھ عرصہ سے میری ذات سے خصوصاً اور جماعت احمدیہ سے عموماً بغض پیدا ہو گیا ہے۔ اور اب ان کی حالت یہ ہے کہ یا تو کبھی وہ انہی عقائد کی موجودگی میں جو ہماری جماعت کے اب ہیں۔ جماعت احمدیہ سے تعلق موانست اور مواخات رکھنا برا نہیں سمجھتے تھے یا اب کچھ عرصہ سے وہ اس کے خلاف، خلوت و جلوت میں آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ میں ان وجوہ کے اظہار کی ضرورت محسوس نہیں کرتا جو اس تبدیلی کا سبب ہوئے ہیں جس نے ۱۹۱۰ء کے اقبال کو جو علی گڑھ میں مسلمان طلبا کو تعلیم دے رہا تھا کہ ۔۔ "پنجاب میں اسلامی سیرت کا ٹھیٹھ نمونہ اس جماعت کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے فرقہ قادیانی کہتے ہیں" ۳۵ میں ایک دوسرے اقبال کی صورت میں بدل دیا جو یہ کہہ رہا ہے کہ۔ "میرے نزدیک قادیانیت سے بہائیت زیادہ ایماندار ہے ......" یعنی ۱۹۱۰ء کی احمدیہ جماعت آج ہی کے عقائد کے ساتھ صحابہؓ کا خالص نمونہ تھی لیکن ۳۵ کی احمدیت، بہائیت سے بھی بدتر ہے۔ اس بہائیت سے جو صاف لفظوں میں قرآن مجید کو منسوخ کہتی ہے۔ جو واضح عبارتوں میں بہاء اللہ کو ظہور الٰہی قرار دیتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کو فضیلت دیتی ہے۔ گویا ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب کے نزدیک اگر ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو منسوخ قرار دیتا ۔۔۔ قرآن مجید سے بڑھ کر تعلیم لانے کا مدعی ہوتا ۔۔۔ نمازوں کو تبدیل کر دیتا اور قبلہ کو بدل دیتا ہے ۔۔ اور نیا کلمہ بناتا اور اپنے لئے خدائی کا دعویٰ کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی قبر پر سجدہ کیا جاتا ہے تو بھی اس کا وجود ایسا برا نہیں ۔۔۔ مگر جو شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیتا ۔۔۔ آپ کی تعلیم کو آخری تعلیم بتاتا ۔۔۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ، ایک ایک حرکت کو آخر تک خدا تعالیٰ کی حفاظت میں سمجھتا ہے۔ اسلامی تعلیم کے ہر حکم پر عمل کرنے کو ضروری قرار دیتا ہے اور آئندہ کے لئے سب روحانی ترقیات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور غلامی میں محصور سمجھتا ہے۔ وہ برا اور بائیکاٹ کرنے کے قابل ہے ...... ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا" ۲۲/۸

بہائی عقائد کی ایک جھلک

"۔ محفل روحانی ملی بہایان پاکستان" کی طرف سے شائع کردہ بہائی عقائد کے مطابق۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے انجینئر اور مالک نہیں تھے۔ وہ تو بہاء اللہ (ظہور خداوندی) کی بشارت دینے والے تھے۔ بہائی عقیدہ کے مطابق، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، نے بہاء اللہ کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔ ۔

جو ہے قصر نبوت، اس کی خشت آخری میں ہوں
مکمل اور مرتب آج وہ ایوان اعظم ہے
بشارت ہو بشارت، مالک قصر آنے والا ہے
وہی ہے میزباں سب کا وہی مہمان اعظم ہے

بہائیوں کے نزدیک محمد رسول اللہ صلعم کا دین "پرانی روشنی" تھی۔ بہاء اللہ "دین جدید" کی بشارت لایا ہے (نعوذ باللہ) چنانچہ اپنے عقائد کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

اب "پرانی روشنی" کچھ کام دے سکتی نہیں
اس نئی ظلمت میں بے شک چاہئے تنویر نو
آج "آئین کہن" بیکار ہو کر رہ گئے
اب نئے حالات میں لازم ہے اک تدبیر نو
حق تعالیٰ نے ہمیں بخشا ہے وہ "دین جدید"
جو زمانے کے لئے لایا ہے اک تبشیر نو۲۳؎

راقم عرض کرتا ہے کہ اس کے مقابل حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے فرمایا۔

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دیں، دین محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے
تیرے منہ کی ہی قسم ہے میرے پیارے احمدؐ
تیری خاطر سے یہ سب بار اٹھایا ہم نے
چھو کے دامن ترا ہر دام سے ملتی ہے نجات
لاجرم در پہ ترے سر کو جھکایا ہم نے
مصطفیٰ پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے۲۴؎

غرض دور حاضر میں تو بہائیت کا توڑ ہی احمدیت ہے۔

مولانا عبدالحلیم شرر کا تبصرہ

یہی وجہ ہے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر نے جب "بہائیت اور احمدیت" کے عقائد کا تقابلی جائزہ لیا تو وہ دیانتداری کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچے کہ

"بابیت۔ اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے۔ اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ والے، اسلام کی جیسی سچی اور پرجوش

خدمت ادا کرتے ہیں۔ دوسرے مسلمان نہیں کرتے۔" [۲۵]

راقم عرض کرتا ہے کہ کسی دباؤ کے تحت یا محاذ آرائی کے شوق میں علامہ نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ قادیانیت' میں بہائی اثرات موجود ہیں۔ آپ نے اس قیاس کا اظہار فرمایا کہ ممکن ہے۔ احمدیت کا اختتام بہائی مذہب میں ہو جائے۔ ورنہ اس سے قبل بہائیت کے بارہ میں علامہ کے بھی وہی نظریات تھے جس کا اظہار شرر کے ہاں ملتا ہے۔ چنانچہ علامہ' صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"…. ایران میں مجتہدین شیعہ کی تنگ نظری اور قدامت پرستی نے بہاء اللہ کو پیدا کیا جو سرے سے احکام قرآنی کا ہی منکر ہے۔" [۲۶]

غرض اقبال کے ہاں' احمدیت کی مخالفت کی کہانی' زیادہ تر امکانات و قیاسیات کے تانے بانے سے بنی ہوئی ملتی ہے۔

بانی اسلام سے برتر نبوت کے دعویٰ کا اتہام

بانی سلسلہ احمدیہ پر بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے بھی برتر نبوت کا اتہام لگاتے ہوئے علامہ اقبال اور مصنف زندہ رود کا فرض تھا کہ وہ بانی سلسلہ احمدیہ یا امام جماعت احمدیہ کی ایسی تحریریں پیش کرتے جن میں برتری کا دعویٰ موجود ہوتا مگر انہوں نے ایسا کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ اتہام ہے اور اس کے رد میں بانی سلسلہ کی بیسیوں تحریریں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصار کی خاطر یہاں دو ایک حوالے درج کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

بانی سلسلہ اپنی کتاب "توضیح مرام" میں فرماتے ہیں۔

"۔ اگر اس جگہ یہ استفسار ہو کہ …. جناب سیدنا و مولانا سید الکل افضل الرسل خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کون سا درجہ باقی ہے۔ سو واضح ہو کہ وہ ایک اعلیٰ مقام اور برتر رتبہ ہے جو اس کی ذات کامل الصفات پر ختم ہو گیا جس کی کیفیت کو پہنچنا بھی کسی دوسرے کا کام نہیں چہ جائیکہ وہ کسی اور کو حاصل ہو سکے۔" [۲۷]

پھر اپنی جماعت کو مخاطب کر کے یہ تعلیم دیتے ہیں۔

"عقیدہ کی رو سے جو خدا تم سے چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم اس کا نبی ہے اور وہ خاتم الانبیاء ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔" [۲۸]

بانی سلسلہ کی اس تعلیم کی روشنی میں امام جماعت احمدیہ نے ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء کو سپیشل مجسٹریٹ گورداسپور کی عدالت میں مرزا صاحب کے مقام نبوت کے متعلق بیان دیتے ہوئے کہا

"۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا رتبہ رکھنا تو درکنار وہ ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔" [۲۹]

حیرت ہے کہ اس عدالتی بیان کی اشاعت کے قریباً ڈیڑھ ماہ بعد علامہ اقبال نے مئی ۳۵ء میں اپنے انٹرویو میں فرمایا کہ میں تحریک احمدیہ سے اس وقت بیزار ہوا تھا جب بانی سلسلہ احمدیہ (وفات ۱۹۰۸ء) نے بانی اسلام کی نبوت سے برتر نبوت کا دعویٰ کیا۔

شیخ اعجاز احمد صاحب کا نوٹ

"زندہ رود" میں اشاعت کے لئے شیخ اعجاز احمد صاحب نے جو نوٹ بھجوایا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا۔

"۔ بانی سلسلہ احمدیہ نے کبھی حضور رسالت مآبؐ کی نبوت سے برتر نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ کوئی احمدی بانی سلسلہ احمدیہ کو سرکار دو عالمؐ سے برتر یقین کرتا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم میں خاتم النبیین کہا گیا ہے اور انہیں خاتم النبیین تسلیم کرنا ہر احمدی کا جزو ایمان ہے۔" یہ تہمت احراریوں اور اقبال کے حاشیہ نشینوں نے اقبال کو احمدیت کے خلاف بھڑکانے کے لئے تراشی تھی۔ علامہ نے اس افترا کو سچ سمجھ لیا حالانکہ اس کی تحقیق کچھ مشکل نہ تھی اور تحقیق کے لئے گھر سے باہر جانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔" [۳۰]

مصنف "زندہ رود" کو شاید' بانی سلسلہ احمدیہ اور احمدیوں کے عقیدہ سے آگاہی حاصل ہے کہ وہ ہرگز برتر نبوت کے قائل نہیں اس لئے وہ "ممکن ہے" کے پردے میں اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔۔ مگر ساتھ ہی بجائے بحث کو ختم کرنے کے ایک دور کی کوڑی لائے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"ممکن ہے۔ بقول شیخ اعجاز احمد' بانی سلسلہ احمدیہ نے کبھی حضور رسالت مآب کی نبوت

سے برتر نبوت کا دعویٰ نہ کیا ہو اور نہ کوئی احمدی ' بانی سلسلہ احمدیہ کو سرکار دوعالمؐ سے برتر یقین کرتا ہو۔ مگر کسی بھی مفہوم میں ختم نبوت کے عقیدے کو تسلیم نہ کرنے میں یہی تو قباحت ہے کہ یوں بعد کی نئی نبوت کی برتری کے اظہار کی "طرح" ڈالی جا سکتی ہے۔ یا ایسے حتمی انداز فکر کے لئے دروازہ کھل جانے کا امکان ہے۔" ۳۱

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ امر مصنف کے سامنے ہے کہ احمدیوں نے ایک صدی گزرنے کے باوجود بانی سلسلہ احمدیہ کی نبوت کی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے برتری چھوڑ برابری کی طرح بھی نہیں ڈالی -- اب انہیں یہ اندیشہ لاحق ہے کہ ہو سکتا ہے' بعد میں آنے والی صدیوں میں احمدی ایسی طرح ڈال دیں۔ اس قیاس و اندیشہ کی بنیاد پر وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پیش بندی کے طور پر ابھی سے احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

راقم کی رائے میں مصنف کو اتنا بوجھ اپنے کندھوں پر نہیں ڈالنا چاہئے۔ آنے والی صدیوں میں بھی کوئی احمدی انشاء اللہ ' برتری چھوڑ برابری کی طرح ڈالنے کی بھی مذموم حرکت نہیں کرے گا اور اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو ہمارا مشورہ ہے کہ اس سے نمٹنے کے لئے تکفیری شغل آنے والے علماء پر چھوڑ دیا جائے۔

آپ فی الحال "اقبال اور سواد اعظم" کے باہمی تکفیر کے مسئلہ کو نمٹا لیں تو یہی بہت غنیمت ہے۔ اقبال کے عقیدہ کے مطابق۔ "آمد مسیح کے متعلق جو احادیث ہیں ان کا قرآن کریم کی صحیح سپرٹ سے کوئی سروکار نہیں ۳۲۔ اور مسلمانوں کے سواد اعظم کے عقیدہ کے مطابق جو شخص نزول مسیح یا ان کی آمد ثانی کا قائل نہ ہو۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے ۳۳۔

یہ بدبخت کون تھا؟

جماعت احمدیہ سے بیزاری ' بغاوت کا اظہار کرتے ہوئے علامہ اپنے انٹرویو کے آخر میں فرماتے ہیں۔

میں نے تحریک احمدیہ کے ایک رکن کو اپنے کانوں سے پیغمبر اسلام کے بارے میں نازیبا زبان استعمال کرتے ہوئے سنا۔

یہ بدبخت رکن کون تھا؟ جماعت احمدیہ میں اس کا مقام و مرتبہ کیا تھا؟ اس کا نام و پتہ؟ علامہ ان تمام ضروری کوائف کے بارے میں خاموش ہیں۔

راقم کو یقین ہے کہ ٹھیٹھ اسلامی نمونہ کی حامل اور اشاعت اسلام کا جوش و جذبہ رکھنے والی جماعت کا کوئی فرد اس قسم کی نازیبا حرکت کا مرتکب نہیں ہو سکتا اور اگر بفرض محال کسی بدبخت سے یہ مکروہ فعل سرزد ہوا تھا تو علامہ کا فرض تھا کہ اس کے نام و پتہ سے امام جماعت احمدیہ یا لاہور کے احمدی اکابرین میں سے کسی کو مطلع کرتے تا جماعت اس کے متعلق تحقیقات کرتی اور ثبوت مہیا ہو جانے پر جماعت سے فوراً خارج کر کے اسے غیر احمدی حلقے میں دھکیل دیا جاتا جہاں کئی "رشدی" دندناتے پھرتے ہیں۔

علامہ خود بھی اسے یہ کہہ کر اس کا منہ بند کر سکتے تھے کہ میرے نزدیک جماعت احمدیہ کے اکثر افراد میں اشاعت اسلام کا قابل قدر جوش پایا جاتا ہے جو ان کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے تم مجھے ان کی جماعت کے رکن معلوم نہیں ہوتے۔

اس ضمن میں جس پہلو کی طرف راقم توجہ دلانا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی بین الاقوامی جماعت کی اکثریت کے عشق رسولؐ کو نظرانداز کر کے ' اس کے ٹھیٹھ اسلامی نمونہ سے صرف نظر کر کے صرف ایک گمنام شخص کے انفرادی فعل کو پوری عالمگیر جماعت کا عقیدہ قرار دینا اور پھر اس بنیاد پر اس جماعت سے بیزاری و بغاوت کا اظہار کرنا۔ اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دینا۔ کہاں کا اصول ہے؟ -- کیا اتنے بڑے فیصلے ایسے ہی کمزور اور بودے سہاروں پر کئے جاتے ہیں۔ اور یہ دیکھا ہی نہیں جاتا کہ بانی تحریک کی تعلیم کیا ہے؟ جماعت میں داخلہ کے لئے شرائط بیعت کیا ہیں؟ اس کے جانشینوں اور خلفاء کے بیانات کیا ہیں؟ تحریک میں شامل افراد کا انداز فکر و عمل کیا ہے؟ کتنا انوکھا معیار ہے جسے بار بار سامنے لایا جاتا ہے۔

علامہ کی خدا سے گستاخی

مصنف زندہ دور کا کہنا ہے کہ۔ "اقبال (اپنے تصورات کے عالم میں) خدا سے گستاخی کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔" ۳۴، ۳۵

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ حرکت ہر مسلمان کے نزدیک نازیبا ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا موجب۔ لیکن قطع نظر اس کے کیا صرف ایک شاعر کی زبان سے

نکلے ہوئے نازیبا الفاظ سے دنیا یہ سمجھ لے کہ بانی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی ہے اور پھر کیا اسی بنیاد پر کسی کے لئے جائز ہو گا کہ وہ تحریک اسلام سے بیزاری، بغاوت کا اعلان کر دے۔

جو شاعر آج رب العالمین کے حضور عالم تصورات میں گستاخی کا مرتکب ہے۔ کیا یہ قیاس کر لیا جائے کہ اس کی یہ گستاخی کل کو حقیقی طور پر خدا اور اس کے رسول ؐ کی گستاخی کی "طرح" ڈالنے کا موجب ہو سکتی ہے۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر اسے ابھی سے دائرہ اسلام سے خارج کر دیا جائے؟

دیکھئے مصنف اس پیش بندی کے بارے میں کس رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے

اپنے انٹرویو میں علامہ نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ ہر سوچنے والے انسان کا حق ہے کہ وہ اپنی رائے بدل لے۔ بقول ایمرسن صرف پتھر ہی اپنے آپ کو نہیں بدلتے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ گذشتہ صفحات میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ کے سب اعتقادات بہ سلسلہ نبوت و ختم نبوت اور دعاوی بہ سلسلہ مسیح و مہدی کے باوصف علامہ جماعت احمدیہ کو سیرت اسلامی کا ٹھیٹھ نمونہ اور اشاعت اسلام کا قابل قدر کام کرنے والی جماعت قرار دیتے رہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۳۵ء میں وہ کونسی قیامت ٹوٹ پڑی تھی جس نے علامہ کو اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا ہمیں کوئی معقول جواب نہیں مل سکا۔۔ باقی رہا پتھروں کے نہ بدلنے کے متعلق علامہ کی طرف سے ایمرسن کے قول کا سہارا لینا تو یہ کوئی مستحسن امر نظر نہیں آتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ باقی دنیا بھی ایمرسن کے قول کی تائید کرے۔۔ قرآن میں تو لکھا ہے۔

"۔ اور پتھروں میں سے تو یقیناً بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے دریا بہتے ہیں اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں تو ان میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اللہ کی خشیت سے گر جاتے ہیں۔ ۳۶ ؎

بہرحال علامہ کا جواب بہت ناکافی ہے۔ علامہ کے بیانات میں معمولی اختلاف نہیں بلکہ کفر و اسلام کا فرق ہے۔ کچھ دن قبل وہ جس تحریک کی اشاعت اسلام کی کاوشوں کو قابل قدر

کہتے تھے چند دن بعد اسے دائرہ اسلام سے ہی خارج قرار دیتے ہیں اور اس کی معقول وجہ بتانے سے قاصر ہیں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ بنیادی طور پر "علامہ" ایک شاعر ہیں اور قرآن نے شعراء دنیا کی جو تعریف کی ہے اس نقطہ نظر سے ہم انہیں دیکھیں گے۔ لہٰذا ان کے خیالات میں تغیر اور ان کے موقف میں تناقض ایک قدرتی امر ہے۔ علامہ کی شاعری میں تناقضات کا ایک ڈھیر لگا ہوا ہے۔ لہٰذا جماعت احمدیہ کے بارہ میں اگر تناقض ہے تو اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں بلکہ شعراء کے ہاں یہ ایک قدرتی عمل ہے۔

مولوی چراغ علی اور براہین احمدیہ

علامہ نے اپنے انٹرویو میں بانی تحریک احمدیہ کی شہرہ آفاق کتاب "براھین احمدیہ" کے متعلق فرمایا ہے۔ "جہاں تک مجھے معلوم ہے کتاب موسومہ "براھین احمدیہ" میں مولوی چراغ علی صاحب نے بانی تحریک کو بیش قیمت مدد بہم پہنچائی"

راقم عرض کرتا ہے اس ضمن میں علامہ کی معلومات صحیح نہیں۔ حضرت امام جماعت احمدیہ فرماتے ہیں۔۔ "۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مولوی چراغ علی صاحب کو کیا ہو گیا تھا کہ انہیں جو اچھا نکتہ سوجھتا وہ حضرت بانی سلسلہ کو لکھ کر بھیج دیتے اور ادھر ادھر کی معمولی باتیں اپنے پاس رکھتے۔ آخر مولوی چراغ علی صاحب مصنف ہیں۔ براھین احمدیہ کے مقابلہ میں ان کی کتابیں رکھ کر دیکھ لیا جائے کہ آیا کوئی بھی ان میں نسبت ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ دوسرے کو تو ایسا مضمون لکھ کر دے سکتے ہیں۔ جس کی کوئی نظیر ہی نہیں ملتی ۔۔۔۔ اور جب اپنے نام پر کوئی مضمون شائع کرنا چاہتے تو اس میں وہ بات ہی پیدا نہ ہوتی ...... انہوں نے تو اپنی کتابوں میں صرف بائبل کے حوالے جمع کیے ہیں اور حضرت بانی سلسلہ نے قرآن حکیم کے وہ معارف پیش کئے جو تیرہ سو سال میں کسی مسلمان کو نہیں سوجھے اور ان معارف اور علوم کا سینکڑوں بلکہ ہزارواں حصہ بھی ان کی کتابوں میں نہیں۔ ۳۷ ؎

اقبال نئے مسیحا کی آمد کے متمنی تھے

مسیح و مہدی و مجددیت کی احادیث کے متعلق اقبال کا عقیدہ اپنی جگہ لیکن ان کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کسی روحانی مصلح کی آمد کے منتظر نہ سہی لیکن اس کی ضرورت ضرور محسوس کرتے تھے اور ایسے مصلح کے آنے کی خواہش کرتے تھے۔ اصل میں عقل و دل کی کشمکش میں ان کی راتیں ہی نہیں ' دن بھی گزرتے تھے۔ عقل مسیح و مہدی کے آنے کی احادیث کو عجمی تخیلات کا نتیجہ قرار دیتی لیکن ان کا دل امت محمدیہ کی اصلاح کی فکر میں --.... جب دیکھتا کہ --- "وضع میں یہ ہیں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود۔ "یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود" -- اور جب اس دور کے ملا انہیں "ننگ مسلمانی" نظر آتے تو پکار اٹھتا۔ "۔ کاش کہ مولانا نظامی کی دعا اس زمانے میں مقبول ہو اور رسول اللہ صلعم پھر تشریف لائیں اور ہندی مسلمانوں پر اپنا دین بے نقاب کریں۔ " [۳۸]

جب دیکھتے کہ۔ "موجودہ زمانہ روحانیت کے اعتبار سے بالکل تہی دست ہے۔ " تو فرماتے ۔ " لیکن تاریکی کا انجام سفید ہے۔ کیا عجب اللہ تعالیٰ جلد اپنا فضل کرے اور بنی نوع انسان کو پھر ایک دفعہ "نور محمدی" عطا کرے۔ بغیر کسی بڑی شخصیت کے اس بدنصیب دنیا کی نجات نظر نہیں آتی" [۳۹]

ایک مغربی دانشور پروفیسر میکنزی نے اپنی کتاب "انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" کے آخری دو پیراگرافس میں درج ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے۔

"۔ کامل انسانوں کے بغیر سوسائٹی معراج کمال تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور اس غرض کے لئے محض عرفان اور حقیقت آگاہی کافی نہیں بلکہ ہیجان اور تحریک کی قوت بھی ضروری ہے۔ .... ہمیں معلم بھی چاہئے اور پیغمبر بھی.... غالباً ہمیں ایک نئے مسیحا (A New Christ) کی ضرورت ہے۔ اس عہد کے پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس ہنگامہ زار میں وعظ و تبلیغ کرے۔"

.... علامہ نے اپنے خط محررہ ۲۴ر جنوری ۱۹۲۱ء بنام ڈاکٹر نکلسن (جس نے "اسرار خودی"

"کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا) میں پروفیسر میکنزی کے ان دو پیراگرافس کو لفظ بہ لفظ نقل کر کے لکھا ہے۔

How very true are the last two paragraphs of prof: Mackenzees introduction to social philosophy.

یعنی پروفیسر میکنزی کی کتاب انٹروڈکشن ٹو سوشیالوجی" کے یہ دو آخری پیراگرافس کس قدر صحیح ہیں۔ "[۴۱]

غیر شرعی نبی کے الہامات

مصنف زندہ رود نے سرسید کا مکتوب ۹ر دسمبر ۱۸۹۱ء پیش کیا ہے۔ ایک استفسار کے جواب میں سرسید لکھتے ہیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے کیوں لوگ پیچھے پڑے ہیں۔ اگر ان کے نزدیک ان کو الہام ہوتا ہے تو بہتر۔ ہم کو اس سے کیا فائدہ ..... دینیات میں کسی کا الہام جب تک اس کو شارع تسلیم نہ کرلیا جائے۔ کسی کام کا نہیں۔ ۵۔

راقم عرض کرتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیر شرعی نبی تھے۔ کیا آپ کے الہامات کسی کام کے نہیں تھے؟

ماہنامہ ترجمان القرآن (مرتبہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی) میں سید قطب شہید" کی کتاب "المستقبل لہذا الدین" کے ایک باب کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔ لکھا ہے۔

"حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ انہیں شریعت موسوی کی تجدید کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔"

اس کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"حضرت مسیح نے دیکھا کہ شریعت موسوی اپنی جگہ پر موجود ہونے کے باوجود یہودیوں کی زندگی پر کوئی پاکیزہ اثرات مرتب نہیں کر رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام کے دلوں سے محبت الٰہی ختم ہو گئی تھی اور وہ باطنی پاکیزگی جاتی رہی تھی جو کسی شریعت کی پیروی کے لئے بنیادی ضرورت ہے۔ چنانچہ مسیح علیہ السلام نے اپنا زور لوگوں کے اندر یہی چیز پیدا کرنے پر صرف کیا [۴۲]

گویا قوم میں بگاڑ ہو جائے تو صرف اصلاح کے لئے غیر شرعی نبی آ سکتا ہے۔

اسماعیلیت اور احمدیت

جماعت احمدیہ کو آغا خانی مسلک اپنانے کی تلقین کرتے ہوئے مصنف زندہ رود فرماتے ہیں کہ اقبال کو "تحریک احمدیہ" سے یہ توقع تھی کہ یہ تحریک:

"۔ ممکن ہے عامتہ المسلمین کی تکفیر کے جوش و خروش سے نکل کر اپنی میں واپس آ جائے ... اس کے رہنما بھی آغا خاں (اسمعیلی فرقہ کے روحانی رہنما۔ ناقل) کی طرح اپنی جماعت کے اراکین کو ہدایت دیں کہ تم مسلمان ہو۔ مسلمانوں ہی کے ساتھ مل کر رہو اور سب مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھو۔ اپنے کردار کو اسلامی سیرت کا نمونہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرو تاکہ اشاعت اسلام کے لئے تمہارے جوش سے ہر کوئی متاثر ہو۔ بہرحال اس خوش فہمی کا وجود بھی اقبال کی ملت اسلامیہ کے ساتھ گہری وابستگی اور ناقابل بیان محبت کا آئینہ دار تھا" (صفحہ ۵۸۵)

مصنف کے نزدیک یہ "اچھے نتائج" ظاہر نہ ہوئے۔ یا اقبال کی یہ توقع پوری نہ ہوئی۔ اس لئے آپ کی احمدیت سے بے زاری حق بجانب تھی۔

راقم عرض کرتا ہے جماعت احمدیہ کی مخالفت سے پہلے علامہ اقبال، اسماعیلی تحریک اور اس کے عقائد اور طرز فکر و عمل سے بیزار نظر آتے ہیں اور اسے اسلامی ممالک کے لئے ایک خطرہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"۔ میں نے سنا ہے کہ البانیا کے مسلمانوں نے وضو اڑا دیا ہے .... ایران کو بابیت سے اندیشہ ہے --- مجھے اندیشہ ہے کہ "اسمعیلی تحریک" کہیں پھر زندہ نہ ہو جائے (اقبال نامہ نمبر ۱، صفحہ ۱۴۴)

آغا خانیوں (اسمعیلیوں) کے ہاں اسلام کا کیا تصور ہے جس کے باعث علامہ کو خدشہ لاحق ہے کہ اس کا کہیں پھر احیاء نہ ہو جائے۔ امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی زبانی اس فرقہ کے عقائد سنئے۔ فرماتے ہیں۔

اسماعیلی عقائد

اصل اسماعیلی۔ دنیا کے مختلف علاقوں کے علاوہ پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ یہ اب "آغا خانی" بھی کہلاتے ہیں۔ پرنس آغا عبدالکریم صاحب، ان کے حاضر امام ہیں۔ وہ ان کے نزدیک معصوم عن الخطاء ہیں۔ وہ مامور من اللہ ہیں۔ قرآن کا حقیقی مفہوم وہی جانتے ہیں .... نماز۔ روزہ ان کے ہاں فرض عبادات سے اب خارج ہے (صفحہ ۸۵)

.... آغا خانی شیعوں کے ہاں سرے سے مسجد کا تصور ہی نہیں ہے۔ ان کے ہاں عبادت خانے ہوتے ہیں۔ (صفحہ ۸۵) آغا خاں کی تصویر سامنے رکھ کر اسماعیلی سجدے کرتے ہیں (صفحہ ۷۰، ماہنامہ میثاق مئی ۸۵)

اسماعیلی کتاب کے حوالے سے

اب اسماعیلی نصاب کی کتاب کے حوالے سے چند اسماعیلی عقائد ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ ہمارا حقیقی کلمہ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ و اشہد ان امیر المومنین علی اللہ ہے۔ (آخری حصہ یعنی علی اللہ کا ترجمہ یہ لکھا گیا ہے کہ علی اللہ ہیں۔ یا علی، اللہ میں سے ہیں)

۲۔ ہمارا امام حاضر، بولتا قرآن ہے۔

۳۔ نبی محمد، گرو برہما کے اوتار ہیں۔ ست گرو برہما اور محمد ایک ہی ہیں (ایضاً صفحہ ۷۰۔۷۱)

قارئین کرام! یہ ہیں وہ عقائد جن پر مصنف زندہ رود نہ جانے کیوں فریفتہ ہیں۔ اور یہ ہے وہ اسلام جس پر عمل پیرا ہو کر ایک انسان، مصنف زندہ رود کے نزدیک "اسلامی سیرت کا نمونہ" بن سکتا ہے پھر جماعت احمدیہ کو یہ تلقین کی جا رہی ہے کہ اس اسلامی کردار کو دنیا کے سامنے پیش کرو تاکہ تمہارے اشاعت اسلام کے جوش سے ہر کوئی متاثر ہو۔ یہ تمنا خواہ کسی جانب سے ہو۔ ظاہر ہے جماعت احمدیہ پوری کرنے سے قاصر ہے۔

مصنف کی طرف سے یہ تاثر کہ احمدی تو عامتہ المسلمین کی تکفیر میں جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ مصنف کے علم میں ہے کہ اب تو علماء چھوڑ، حکومتی سطح پر بھی احمدیوں کے خلاف تکفیری جوش و خروش کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے --- پھر یہ تاثر کہ عقائد کے اعتبار سے احمدی اور عامتہ المسلمین میں بُعد ہے اور عامتہ المسلمین اور آغا

خانی باہم شیر و شکر ہیں ۔ حقائق کے خلاف ہے ۔ اسمعیلی عقائد کا نمونہ اوپر پیش کیا جا چکا ہے ۔
سواد اعظم علماء کرام کے فتاویٰ جس طرح احمدیوں کے خلاف ہیں اسی طرح آغا خانیوں کے بھی خلاف ہیں اور " آغا خاں فاؤنڈیشن نامی کتابچہ " میں مطالعہ کئے جا سکتے ہیں ۔ مدیر " بینات " کراچی مولانا محمد یوسف لدھیانوی کا فتویٰ ہے ۔

" آغا خانی ' قادیانی جماعت کی طرح زندیق و مرتد ہے ۔ " (صفحہ ۷)

علماء کے کم ازکم ۵۰ فتوے جن میں اسماعیلیوں کو کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے اس وقت ہمارے سامنے پڑے ہیں ۔ علاوہ ازیں دیکھئے ہفت روزہ " ندا " لاہور پرچہ ۲۰ر اپریل ۸۹ صفحہ ۴۲)

راقم عرض کرتا ہے ۔ جب علامہ نے جماعت احمدیہ کی مخالفت شروع کی ۔ جماعت کو استحکام اسلام کے لئے خطرہ گردانا ۔ ان کے ساتھ اتحاد عمل سے انکار کردیا ۔ تو مسلم پریس میں یہ سوال اٹھایا گیا ۔ کہ

" ۔ اگر توحید ' رسالت سے بالاتر ہے تو علامہ اقبال ' خدائی کے دعویدار آغا خاں کے ساتھ اتحاد عمل کرتے ہوئے کس طرح مرزائیوں سے اتحاد عمل کو ناروا قرار دے سکتے ہیں ۔ "
(اخبار سیاست ۱۴ ۔ ۱۵ مئی ۱۹۳۵ء)

اقبال اور سر آغا خاں کا وظیفہ

راقم عرض کرتا ہے ۔ جس دور میں علامہ نے آغا خاں یا اسمعیلی فرقہ کو مسلمان اور امام جماعت احمدیہ یا جماعت احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیا ۔ اس دور میں علامہ شدید مالی پریشانیوں میں مبتلا تھے ۔ سر راس مسعود کی کاوشوں سے نواب بھوپال نے علامہ کے لئے پانچ سو روپیہ ماہوار تاحیات وظیفہ مقرر کردیا (زندہ رود صفحہ ۵۵۰)۱۔
اس کے بعد سر راس مسعود کوشاں تھے کہ اسمعیلی فرقہ کے سربراہ سر آغا خاں سے بھی اقبال کے لئے ایسا ہی کوئی وظیفہ مقرر کرا دیں ۔
علامہ نے اپنے مکتوب (محررہ ۱۸ر ستمبر ۳۵ء) میں نواب بھوپال کے عطا کردہ وظیفہ یا پنشن کے متعلق سر راس مسعود کو لکھا ۔ " اخباروں میں اس (پنشن) کا چرچا مناسب نہیں اور اس کی ادائیگی بھی معرفت اعلیٰ حضرت (نواب بھوپال) ہی ہونی چاہئے (مکاتیب اقبال صفحہ

۳۶۷)
جہاں تک سر آغا خاں سے وظیفہ کے متعلق سر راس مسعود کی کاوشوں کا تعلق ہے ۔ علامہ نے اپنے خط (محررہ ۱۱ر دسمبر ۳۵) میں راس مسعود کو لکھا کہ میں ایک سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کرنے والا ہوں ۔ اب اگر اس تجویز کو ڈراپ کرنا قرین مصلحت نہیں ہے تو پھر

" ۔ میں ایک اور تجویز پیش کرتا ہوں اور وہ یہ کہ ہزہائی نس (سر آغا خاں) یہ پنشن جاوید (اب مصنف زندہ رود ۔ ناقل) کو عطا کردیں .... بعض پرائیویٹ وجوہ کی بنا پر جن کا کچھ نہ کچھ حال آپ کو معلوم ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی تعلیم کی طرف سے بھی اطمینان ہو جائے ۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہزہائی نس آغا خاں میری اس تجویز کی نسبت کیا خیال کریں گے ۔ .... آخری فیصلے تک اس بارے میں پریس میں جانا مناسب نہیں ہے ۔ " (۱۱ر دسمبر ۳۵) ۴۴ سے
علامہ اس کے بعد ایک اور خط میں سر راس مسعود کو لکھتے ہیں ۔

" ۔ کیا تم نے سر آغا خاں والے معاملہ (وظیفہ طلبی ۔ ناقل) کا اعلیٰ حضرت (نواب بھوپال ۔ ناقل) سے ذکر کیا تھا ؟ ۔ ۔ یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے ۔ معلوم نہیں اعلیٰ حضرت کیا خیال کریں ۔ زیادہ کیا لکھوں ۔ " (مکاتیب اقبال صفحہ ۳۷۷)
راقم عرض کرتا ہے کہ سر آغا خاں سے جاوید اقبال کی تعلیم کی تکمیل کے لئے پنشن والی تجویز کا حامل خط ۱۱ر دسمبر ۳۵ء کا ہے ۔ اسی دور میں علامہ نے آغا خاں یا اسماعیلیوں کے عقائد کا تحفظ کرتے ہوئے پنڈت نہرو کو لکھا :۔

اسماعیلی ' اسلام کے بنیادی اصولوں پر ایمان رکھتے ہیں ۔ قادیانی اور اسماعیلی ایک ہی زمرے میں شامل نہیں کئے جا سکتے ۔ میرے لئے اس امر کا معلوم کرنا دشوار ہے کہ آپ نے سر آغا خاں (کے عقائد پر ۔ ناقل) کیوں حملہ کیا (مضمون علامہ اقبال ۲۲ر جنوری ۱۹۳۶ء)

پنڈت جواہر لال نہرو کے مضامین اور علامہ اقبال کے خطوط

۔ بہ سلسلہ احمدیت ۔

احمدیت کے خلاف علامہ اقبال کے مضامین پر پنڈت جواہر لال نہرو نے زیادہ تر سیاسی رنگ میں تبصرہ کیا (رسالہ ماڈرن ریویو کلکتہ (دسمبر ۱۹۳۵ء) ۔۔ مصنف زندہ رود لکھتے ہیں ۔ کہ پنڈت نہرو "احمدیت کی حمایت کی خاطر اس بحث میں آکودے (صفحہ ۵۹۶)

حالانکہ علامہ کے اپنے مکتوب بنام پنڈت جواہر لال نہرو سے اس حمایت و ہمدردی کی تردید ہو رہی ہے علامہ لکھتے ہیں :۔

میرے محترم پنڈت جواہر لال نہرو۔

"..... آپ کے مضامین پڑھ کر آپ کے مسلمان عقیدت مند خاصے پریشان ہوئے۔ ان کو یہ خیال گزرا کہ آپ کو احمدیہ تحریک سے ہمدردی ہے ..... بہر حال مجھے خوشی ہے کہ میرا یہ تاثر غلط ثابت ہوا ("کچھ پرانے خطوط" مرتبہ پنڈت جواہر لال نہرو صفحہ ۲۹۳ خط محررہ اقبال ۲۱ ر جون ۱۹۳۶ء ناشر کتاب مکتبہ جامع لمیٹڈ ۔ نئی دہلی)

پنڈت نہرو نے یہ مضامین کیوں لکھے ؟۔ مولانا عبد المجید سالک کی تحقیق یہ ہے کہ

"پنڈت نہرو کے مضامین کا اصل مقصد، محض فتنہ خیزی اور افتراق انگیزی تھا۔" (ذکر اقبال ص ۲۱۱)

۔۔۔ جماعت احمدیہ نے ترک موالات کی تحریک کی مخالفت کی تھی ۔۔۔ نہرو رپورٹ کے خلاف ملک گیر مہم چلائی تھی ۔ مخلوط انتخاب کے خلاف زبردست محاذ قائم کیا تھا۔ اس لئے یہ تاثر کہ پنڈت نہرو احمدیوں کے حامی تھے ۔ وزن دار نہیں سمجھا جا سکتا۔

پنڈت نہرو کے تبصرہ کا ایک نکتہ

گذشتہ سطور میں ہم نے اسماعیلیوں کے عقائد درج کیے ہیں ۔ پنڈت نہرو نے علامہ کے احمدیت کے خلاف مضامین پر اپنے رنگ میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا ۔ کہ سر آغا خاں کے متبعین ان کی طرف خدائی یا نیم خدائی اوصاف منسوب کرتے ہیں ۔ اور ان کی جماعت کے بعض مبلغ انہیں اوتار یعنی خدائی صفت کا مظہر مجسم قرار دیتے ہیں ۔ ان کے غسل کا پانی نہایت

احتیاط سے رکھا جاتا ہے ۔ اور ہر سال آگرہ ہال بمبئی میں منعقد ہونے والے جشن کے موقعہ پر اسے فروخت کیا جاتا ہے ۔ اس مقدس پانی کی قیمت لحیم و شحیم آغا خاں کے جسم کے مساوی الوزن سونے کی قیمت کے برابر ہوتی ہے ۔۔۔ خدائی صفات کے حامل وجود کے غسل کے پانی کا استعمال ان کے پیروکاروں کے اخلاص و ایمان میں زیادتی کا موجب سمجھا جاتا ہے ۔۔

پنڈت نہرو نے علامہ اقبال سے پوچھا ۔ بتائیے ! اگر احمدیہ تحریک سے "استحکام اسلام" کو خطرہ لاحق ہے تو اسماعیلی نظریات سے "استحکام اسلام" کو کس زاویہ سے تقویت ملتی ہے ۔۔۔ علامہ ' اپنے جوابی مضمون میں پنڈت نہرو کے اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکے ۔ صرف یہ کہنے پر اکتفا کی کہ آغا خاں نے "اپنے مریدوں کو ہدایت کی تھی کہ تم سب مسلمان ہو" ۔ ۵۴ھ

مطلب یہ تھا کہ جب کسی جماعت کا سربراہ اپنے پیروکاروں کو مسلمان کہہ رہا ہے تو کسی اور کا کیا حق ہے کہ وہ انہیں غیر مسلم قرار دے ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بانی سلسلہ احمدیہ نے کیا اپنے مریدوں کو یہ کہا تھا کہ تم سب غیر مسلم ہو ؟

مصنف زندہ رود کے بیان سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ احمدیت کے موضوع پر علامہ کے جوابی مضمون کے نتیجہ میں علامہ اور پنڈت نہرو کے درمیان شدید اختلاف یا دوری پیدا ہو گئی تھی ۔ راقم عرض کرتا ہے کہ علامہ نے اس مضمون کے بعد اپنائیت کا انداز اختیار کرتے ہوئے پنڈت جی کو اپنے قریب ۴۶ھ کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ اگر ان کی طبیعت پر کوئی ناخوشگوار اثر ہو تو وہ دور ہو جائے ۔ علامہ ' پنڈت جی کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں :۔

"۔ دراصل آپ کے مضامین کے جواب میں میری بنیادی غائت یہ تھی کہ اس امر پر روشنی ڈالی جائے ۔ بطور خاص آپ کے لئے کہ (ہندوستان میں انگریزوں کے ساتھ ۔ ناقل) مسلمانوں کی وفاداریاں ۔ اول اول کس طرح پیدا ہوئیں اور ان وفاداریوں نے بالآخر کس طرح احمدیت کی شکل میں اپنے لئے ایک "الہامی اساس" فراہم کر لی ۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ لاہور میں آپ کی ملاقات سے محروم رہا ..... مجھے مطلع کیجئے کہ آئندہ آپ کب پنجاب آرہے ہیں" ۔ ۴۷ھ

یہ بات توجہ طلب ہے کہ انگریزی حکومت کے عدل و انصاف کی وجہ سے اول اول ' علامہ اور علامہ کے استاد مولانا میر حسن اور دیگر مسلم زعماء ' قرآن و حدیث کے حوالوں یا

الہامی اساس پر انگریزوں کی اطاعت و وفاداری کو مذہبی فریضہ قرار دیتے رہے لیکن جب ۳۶-۱۹۳۵ء میں علامہ نے احمدیت کے خلاف محاذ آرائی میں شرکت کی تو علامہ کی جانب سے یہی "الہامی اساس" اپنوں میں "ذریعہ ء تمسخر" اور غیروں کے سامنے بطور "علامت نفرت" پیش کی جانے لگی۔

اسماعیلی لٹریچر سے حاصل کردہ فوٹو۔

علامہ نے احمدیوں کے خلاف ۱۹۳۵ء سے قبل زبان کیوں نہ کھولی؟

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں۔

"برصغیر کے بیشتر علماء نے تو ابتدا ہی سے مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور .... ان کا مطالبہ تھا کہ احمدیوں کو ایک علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دے دیا جائے .... علاوہ ازیں عام مسلمان بھی احمدیوں کو غیر مسلم سمجھنے لگے تھے ..... یہ سب حقائق اقبال کے علم میں تھے ---- لیکن اس کے باوجود وہ خاموش کیوں رہے" [8]

مصنف کے نزدیک اس خاموشی کا کیا جواز ہے؟ ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں۔

"۔اقبال، سرسید کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے اور چونکہ سرسید، مولانا سید میر حسن اور اقبال کے والد شیخ نور محمد کے نزدیک احمدیوں سے متنازعہ مسائل پر جھگڑا یا تکرار یا مناظرہ کرنا، ملت اسلامیہ میں مزید انتشار کا سبب بن سکتا تھا اس لئے اقبال نے کم از کم مولانا سید میر حسن (وفات ۱۹۲۹ء) یا شیخ نور محمد (وفات ۱۹۳۰ء) کی زندگی میں احمدیوں سے کسی بھی قسم کا مناظرہ کرنے سے احتراز کیا۔ [9]

راقم عرض کرتا ہے کہ مصنف کی طرف سے پیش کردہ جواز کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اقبال، اتحاد اسلامی کے ان علمبرداروں سے خائف تھے اور منتظر تھے کہ کب بزرگوں کا یہ قافلہ دنیا سے رخصت ہو تو میں خاموشی کی مہر توڑ کر انتشار کے اسی میدان میں کود پڑوں جس میں علماء، ابتداء سے اپنے جوہر دکھا رہے ہیں --- لیکن راقم کی رائے میں یہ عذر پھر بھی تشنہ رہ جاتا ہے کیونکہ اس قافلہ کے آخری فرد شیخ نور محمد تو ۱۹۳۰ء میں رخصت ہو گئے۔ اور علامہ نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی مناظرانہ مہم میں ۱۹۳۵ء میں شرکت کی۔ جب بقول ایڈیٹر "سیاست" چوہدری ظفر اللہ خاں وائسرائے کونسل کے رکن بنا دیئے گئے -- سوال پیدا ہوتا ہے علامہ ۵ سال کیوں خاموش رہے اور اس سارے عرصہ میں انہوں نے احمدیوں کے غیر مسلم ہونے کے متعلق زبان کیوں نہ کھولی۔

مصنف نے اس سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ اس عرصہ میں بعض سیاسی امور (مثلاً

مسلم لیگ کا احیاء - صوبائی خود مختاری - یونی نسٹ پارٹی کا پروگرام وغیرہ ۵۰ پیش آگئے۔ مصنف کے نزدیک اقبال کے احمدیت کے خلاف پہلے بیان کا محرک پنجاب میں "مسلم سیاست" کا مستقبل تھا۔ (ص ۵۹۳)

راقم عرض کرتا ہے کہ سیاسی امور یا سیاسی اختلافات خواہ کیسے ہی شدید نوعیت اختیار کر جائیں - کسی فرد یا جماعت کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ مخالف فرد یا جماعت کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دے - علامہ کا یونی نسٹ پارٹی کے سلسلہ میں قائداعظم سے اختلاف تھا۔ بقول مصنف " - اقبال کی رائے میں " سکندر جناح میثاق " صوبائی لیگ کے لئے ایک نقصان دہ معاہدہ تھا ۵۱ ۔ جمعیتہ العلماء احرار خاکسار اور جماعت اسلامی کی قائداعظم سے برسوں آویزش رہی - آجکل (۱۹۹۰ء میں) مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کی سیاست میں بعد المشرقین ہے۔ مگر اس نوع کے سیاسی امور کی بنا پر کسی پارٹی کے لئے مخالف فریق کو کافر ٹھہرا کر اسے دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا جائز ہے؟ اگر نہیں تو پھر علامہ کے لئے ۱۹۳۵ء میں یہ فعل کیوں کر روا ہو گیا؟

خاموشی اختیار کرنے کا ایک اور عذر

احمدیوں کی تکفیر کے معاملہ میں علامہ نے علماء اور دیگر مسلمانوں کا ساتھ ۳۵ء سے قبل کیوں نہ دیا - مصنف ایک اور عذر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" - آل انڈیا کشمیر کمیٹی (قیام ۱۹۳۱ء) سے پیشتر چونکہ احمدی، مسلمانان برصغیر کی تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی ترقی کے لئے جدوجہد میں شامل تھے - اس لئے اقبال نے ان پر کوئی اعتراض نہ کیا - ۵۲ "

فرض کیجئے ۱۹۳۱ء کے بعد احمدیوں نے فی الواقعی مسلمانان برصغیر کی "تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی ترقی" کے لئے جدوجہد میں حصہ لینا ترک کر دیا تھا تو یہ امر علامہ کے لئے احمدیوں کو "غیر مسلم" قرار دینے کا جواز بن سکتا ہے؟ ظاہر ہے اس کا جواب نفی میں ہے - پھر یہ بات کہ ۱۹۳۱ء یا اس کے بعد احمدیوں نے مسلم ترقی کی جدوجہد سے ہاتھ کھینچ لیا تھا - واقعات و حقائق سے بھی مطابقت نہیں رکھتی۔

واضح رہے کہ خود کشمیر کمیٹی کے قیام کا ایک مقصد کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمی اور معاشرتی بہبود تھا - علامہ نے اس کی سربراہی کے لئے حضرت امام

جماعت احمدیہ کا نام تجویز کیا کیونکہ علامہ سمجھتے تھے کہ کشمیری مسلمانوں کی معاشرتی، تعلیمی اور سیاسی ترقی کے لئے آپ موزوں ترین شخصیت ہیں۔

"مسلم لیگ" اور "مسلم کانفرنس" کی تنظیموں کی بھی یہی غرض تھی کہ مسلمانان برصغیر کی تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی ترقی کو فروغ دیا جائے - جماعت احمدیہ ۱۹۳۱ء سے پیشتر اور ۱۹۳۱ء کے بعد بھی ان ہر دو مسلم جماعتوں کی بھرپور مدد کرتی رہی - چنانچہ ۹ر جولائی ۱۹۳۳ء کے الفضل اخبار میں علامہ ہی کے ایک بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا گیا کہ۔

" - ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب خود آل انڈیا مسلم پارٹیز کانفرنس کے صدر ہیں اور اس حیثیت میں انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس باڈی کے وہ صدر ہیں اس کے کام کو کامیاب بنانے کے لئے سب سے زیادہ مالی امداد حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ نے دی ہے - یعنی ۱۹۳۰ء سے اس وقت (جولائی ۱۹۳۳ - ناقل) تک آپ اس مجلس کے لئے تین ہزار روپے دے چکے ہیں - اگر احمدی (مسلمانوں کی ترقی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ناقل) دوسروں کے ماتحت کام کرنا، ناپسند کرتے تو اس قدر مالی امداد جو دوسرے (قریباً آٹھ کروڑ - ناقل) مسلمانوں کی امداد کے غالباً برابر ہو گی وہ اس انجمن کو کیوں دیتے جس کے صدر سر محمد اقبال صاحب ہیں - مسلم لیگ کے رجسٹرات سے بھی یہ امر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس کی امداد میں ۵۳ بہت بڑا حصہ حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ کا ہے - "

راقم عرض کرتا ہے کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے ان مسلم تنظیموں کی مدد اتنی آشکارا تھی کہ ہندو اس پر برہمی کا اظہار کرتے تھے - اور یہ امداد ان کو بہت ناگوار گزرتی تھی - چنانچہ اخبار "پرتاپ" یہ لکھے بغیر نہ رہ سکا -

" - مسلم کانفرنس اور مسلم لیگ نے جو روش اختیار کر رکھی ہے - اس کے لئے جماعت احمدیہ کا روپیہ ذمہ دار ہے - " ۵۴ -

یہ مضمون اس امر کا متحمل نہیں کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے بعد جماعت احمدیہ کی طرف سے مسلم بہبود کے کاموں میں شرکت کی تفاصیل بیان کی جا سکیں - البتہ دو ایک مزید حقائق بیان کرنے پر اکتفا کی جاتی ہے -

مسلم کیس، وائسرائے کی خدمت میں

۲۴ر مارچ ۱۹۳۴ء کو جماعت احمدیہ کا ۲۳ر ارکان پر مشتمل وفد وائسرائے ہند لارڈ ارون

سے ملا اور ان کی خدمت میں ایک ایڈریس پڑھا گیا۔ جس میں انہیں ، مسلمانوں کے اقتصادی ، سیاسی اور تعلیمی حقوق کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ نیز تحریک کی گئی تھی کہ سرکاری ملازمتوں اور نئی مالی تجاویز کے اجراء کے وقت ، مسلمانوں کا خاص خیال رکھا جائے۔ ۵۵ ے

۱۹۲۷ء سے ۱۹۴۴ء تک کا دور

مسلم پرچہ انقلاب ' جماعت احمدیہ کی اس مسلسل جدوجہد کا جو اس نے مسلمانان برصغیر کی ہر نوع کی ترقی کے لئے جاری رکھیں ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

" سائمن کمشن (۱۹۲۷ء ۔ ناقل) سے لے کر اب تک (۱۹۴۴ء ۔ ناقل) انہوں (یعنی امام جماعت احمدیہ) نے مسلمانوں کے سیاسی حقوق اور جداگانہ حیثیت کے قیام میں ملت اسلامی کے ساتھ جس کامل ہم آہنگی کا ثبوت دیا ہے اس کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں۔ ۵۶

۱۹۶۵ء تک کا دور

۱۹۶۵ء میں حضرت امام جماعت احمدیہ کی وفات ہوئی تو کشمیر کے مورخ جناب کلیم اختر صاحب نے لکھا۔

" ۔ میرزا صاحب نے .... اپنی زندگی میں ہندی مسلمانوں کی سماجی ، تعلیمی اور معاشرتی زندگی سنوارنے کے لئے جو کچھ کیا وہ لائق صد تحسین ہے۔ ۵۷

ان حقائق سے عیاں ہے کہ مصنف زندہ رود کا یہ عذر کہ جماعت احمدیہ صرف کشمیر کمیٹی (۱۹۳۱ء) کے قیام سے پیشتر ہی مسلمانان برصغیر کی بہبودی کے لئے جدوجہد کرتی تھی۔ (اس لئے علامہ نے احمدیوں کے خلاف زبان نہ کھولی) ایک بے بنیاد عذر ہے۔

خاموشی کا عرصہ ۲ سال یا ۳۲ سال

مصنف کا کہنا ہے کہ اقبال ختم نبوت کے مسئلہ پر احمدی عقائد کو ۱۹۰۲ء سے اپنی تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے۔ ۵۸ ے

اس مرحلہ پر راقم یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ جب ختم نبوت کا منکر علامہ کے نزدیک قطعی طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہے تو علامہ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۳۴ء تک یعنی ۳۲ سال کا عرصہ احمدیوں کے بارے میں کیوں خاموش رہے اور کیوں انہیں ۱۹۳۵ء میں جا کر احمدیوں کو دائرہ اسلام سے

خارج قرار دیئے جانے کا خیال آیا۔

مصنف زندہ رود نے علامہ پر اس وزنی سوال کا بوجھ کم کرنے کے لئے ۳۲ سال کے عرصہ ء خاموشی کو کم کر کے اسے صرف دو سال تک محدود کر دینے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

" ۔ اقبال ' احمدیوں سے من حیث الجماعت ۱۹۳۳ء میں مایوس ہوئے لیکن انہوں نے تحریک احمدیہ کے خلاف اپنا پہلا بیان دو سال بعد ۱۹۳۵ء میں جاری کیا۔ ۵۹

راقم عرض کرتا ہے یہاں سوال دو برس کا نہیں ۳۲ برس کا ہے اور یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اقبال نے ۳۲ برس انتظار کے بعد اپنی رائے کیوں بدلی؟

" ۔ بقول مصنف ' اقبال ' " مظاہر الٰہی " میں سے تھے اور ایسے نوابغ روزگار خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدیہ کے طور پر ہی انسانوں میں نمودار ہوتے ہیں اور وہ آرڈر دے کر نہیں بنوائے جا سکتے۔ " ۶۰ ے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ہر صدی کے سر پر ایک یا ایک سے زائد " مجددین " کے آنے کی بشارت دی ہے۔ اس حدیث کا حوالہ دے کر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی لکھتے ہیں کہ اقبال ۔ چودھویں صدی کے میدان تجدید و اصلاح کے شاہسوار تھے " ۶۱ ے بقول مصنف زندہ رود

" ۔ برصغیر کے بیشتر علماء نے تو ابتداء سے ہی .... احمدیوں کو علیحدہ مذہبی فرقہ قرار دیئے جانے کا مطالبہ کیا ۶۲ ے مگر یہ کیا بات ہوئی کہ " ہدیہ کے طور پر نمودار ہونے والا مظہر الٰہی " اور میدان تجدید و اصلاح کا شاہسوار ۳۲ برس تک خاموشی سے " سیاسی مصلحت " یا " پنجاب کی مسلم سیاست کے مستقبل " (ص ۵۹۳) کا منہ تکتا رہا اگر زبان کھولی تو جماعت کی تعریف و تحسین کے لئے۔ بلکہ اس عرصہ میں اپنے لخت جگر کو بھی " شرک فی النبوت " کے گڑھ میں دینی تعلیم کے حصول کے لئے بھجوا دیا۔

زندہ رود میں بیان کردہ یہ صورت حال حلقہ اقبال کے لئے قابل فکر ہے۔

بانی تحریک کا دعویٰ ء نبوت

اپنے انٹرویو میں علامہ نے سلسلہ احمدیہ کے بانی کے دعویٰ نبوت کی بات کی ہے۔ واضح

رہے کہ آپ کا دعویٰ محض نبی کا نہیں بلکہ بروزی نبی کا ہے سلسلہ احمدیہ کے بانی نے دنیا کو بتایا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ۔ اور آپ کا ارشاد ہے ۔ لا نبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں) اس لئے آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت کوئی نیا یا پرانا نبی نہیں آسکتا ۔ فرماتے ہیں ۔

بروزی نبوت

" ۔ خاتم النبیین کا لفظ ایک الٰہی مہر ہے ۔ اب ممکن نہیں کہ کبھی یہ مہر ٹوٹے ۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ایک دفعہ بلکہ **ہزار دفعہ دنیا میں بروزی رنگ** میں آجائیں ... یہ بروز خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک قرار یافتہ عہدہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ **وآخرین منھم لما یلحقوا بھم (الجمعہ ۔ ۴)** ۶۳

(اور ان کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی وہ اس (رسول) کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے ملی نہیں ۔) اور انبیاء کو اپنے بروز پر غیرت نہیں ہوتی کیونکہ وہ انہی کی صورت اور انہی کا نقش ہے لیکن دوسرے پر ضرور غیرت ہوتی ہے ... غرض بروزی رنگ کی نبوت سے ختم نبوت میں فرق نہیں آتا اور نہ مہر ٹوٹتی ہے لیکن کسی دوسرے (مثلاً حضرت عیسیٰ ۔ ناقل) کے آنے سے اسلام کی بیخ کنی ہو جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں سخت اہانت ہے کہ عظیم الشان کام دجال کشی کا عیسیٰ سے ہو نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔ " ۶۴

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ **ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** (یہ مٹھی جب تو نے پھینکی تو اسے تو نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا) اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو بروزی رنگ میں خدا تعالیٰ کا ہاتھ قرار دیا گیا ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں ۔

" ۔ عوام سمجھتے ہیں کہ مسیح محمدی جب زمین پر نزول فرما ہو گا تو وہ محض ایک امتی ہو گا بلکہ وہ تو اسم جامع محمدی کی پوری تشریح اور اس کا (دوسرا) نسخہ ہو گا ۔ ۶۵

یہ بروز محمدی کا عارفانہ تخیل ہے ۔

۔ " غرض عارف اور بزرگان دین ' بروز کے قائل ہیں " ۶۶

راقم عرض کرتا ہے کہ احمدیت کے خلاف محاذ آرائی سے قبل علامہ اقبال ' بروز محمدی '

کے امکان کو تسلیم کرتے تھے ۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں ۔

" ۔ حال کے ہیئت دان کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق کی آبادی ممکن ہے اگر ایسا ہو تو رحمۃ للعالمین کا ظہور وہاں بھی ضروری ہے ۔ اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لئے ... بروز لازم آتا ہے ۔ " ۶۷

علامہ اپنے تئیں " حافظ " کا بروز سمجھتے تھے ۔ فرماتے ہیں ۔

" جب میرا ذوق جوش پر آتا ہے تو حافظ کی روح مجھ میں حلول کر جاتی ہے اور میں خود حافظ بن جاتا ہوں ۔ " ۶۸

احمدیت کی مخالفت کے جوش میں علامہ نے ۳۶-۱۹۳۵ء میں بغیر پوری تحقیق کئے مسئلہ بروز کو

" ۔ اسلام سے منحرف تحریکوں کی اختراع " قرار دے دیا ۶۹ مگر جب احمدیہ لٹریچر میں اس کا معقول جواب دیا گیا تو علامہ کو فکر لاحق ہوئی ۔ آپ نے محسوس کیا کہ آپ کو جماعت احمدیہ کے عقائد اور دلائل کے جوابات سیکھنے چاہئیں ۔ آپ نے علماء سے رابطہ پیدا کیا ۔ ۷ / اگست ۳۶ء کے مکتوب میں سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں کہ لفظ " بروز " کے متعلق اگر کوئی نقطہ آپ کے ذہن میں ہو یا کہیں صوفیا کی کتابوں میں اس پر بحث ہو تو اس کا پتہ ۔۔۔۔۔ دیجئے ۔ نہایت شکر گزار ہوں گا ۔ ۷۰ پروفیسر الیاس برنی کا نام لکھتے ہیں ۔

قادیانی تحریک یا یوں کہئے کہ بانی تحریک کا دعویٰ سلسلہ " بروز پر مبنی ہے ۔ مسئلہ مذکور کی تحقیق تاریخی لحاظ سے ازبس ضروری ہے ۔ " ۷۱

ظاہر ہے علامہ کا ذہن " بروز " کے مسئلہ میں آخر تک صاف نہ تھا ۔ ان کے نزدیک یہ مسئلہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا خود احمدیوں کا ایجاد کردہ نہ تھا ۔

علامہ نے مندرجہ بالا خط میں سید سلیمان ندوی کو یہ بھی لکھا کہ ۔۔۔ " میں تیسرا بیان انشاء اللہ جلد لکھوں گا اس کا موضوع ہو گا ۔ " بروز " ۸/۷۲ مگر شاید وفات تک آپ اس موضوع پر اپنی تحقیق مکمل نہ کر سکے یا شاید آپ پر واضح ہو گیا ہو کہ " بروز " اسلامی تعلیم سے ثابت ہے ' اسلام سے منحرف تحریکوں کی اختراع نہیں ' اس لئے آپ تیسرا بیان جاری نہ کر سکے ۔

اقبال کی وفات کے بعد اب تک نصف صدی کے عرصہ میں تحریک احمدیہ کی مخالفت میں

کئی طوفان اٹھے ۔ مارشل لاء کے نفاذ تک کی نوبت آئی مگر افسوس کہ حلقہ اقبال کے کسی فرد کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ اس مسئلہ پر تسلی بخش تحقیق پیش کرے ۔ حالانکہ اقبال کے نزدیک ۔ " بروز کے مسئلہ کی تاریخی تحقیق ' قادیانیت کے خاتمہ کے لئے کافی ہے ۔ " ۲۰؎

راقم کی تجویز

راقم کی تجویز ہے کہ مصنف زندہ رود اور اقبال اکادمی وغیرہ کوشش کریں کہ اپریل ۹۱ء اور نومبر ۹۱ء کے یوم اقبال کے مواقع پر اقبالیات کے ماہروں اور دانشوروں سے صرف انہی دو موضوعات پر کتب لکھوائی جائیں ۔ جن کی تحقیق اقبال کے نزدیک ' قادیانیت کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے ۔ یعنی اول **" بروز "** کے مسئلہ کی تاریخی تحقیق اور دوسرے قرآن کو معیار قرار دے کر مرزا صاحب کے الہامات کی تحلیل ۔۔ اور اگر کسی اقبال شناس کو فرصت ہو تو ایک تیسرے موضوع پر بھی کام کرنے کی شدید ضرورت ہے ۔ اور وہ یہ کہ سید حبیب صاحب ایڈیٹر " سیاست " کی تجویز کے مطابق علماء پر ثابت کر دیا جائے کہ اقبال کا یہ عقیدہ کہ بعثت مسیح و مہدی محض ایک ڈھکوسلہ ہے ۔ اس سے علماء اور اقبال ایک دوسرے کے قریب آ جائیں گے اور اقبال کی پیشانی سے فتوئ کفر کا داغ بھی دھل جائے گا ۔ نیز مرزا صاحب کے دعاوی مسیح و مہدی کی عمارت از خود زمیں بوس ہو جائے گی ۔

امید ہے مصنف زندہ رود اور اقبال اکادمی والے راقم کی اس تجویز پر مثبت انداز میں غور فرمائیں گے ۔

مسیح کے پاس ختم نبوت کا پاور ہو گا

واضح رہے کہ علماء اسلام آمد مسیح کے قائل ہیں ۔ ان کے نزدیک دجال کا اصل مقابلہ مسیح سے نہیں بلکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس لئے آنے والا مسیح " ختم نبوت کا پاور " لے کر آئے گا ۔ اس صورت میں اگر اس کا نام بروز محمدؐ ۔ ظل محمدؐ یا عکس محمدؐ ہو تو یہ ہر لحاظ سے موزوں نام ہے ۔ حافظ قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں ۔

" ۔ دجال اعظم کا اصل مقابلہ ذات بابرکات نبویؐ سے ہے کہ آپ تمام قرون دنیا کے خاتم کمالات اور وہ خاتم فسادات .... پھر سوال یہ ہے کہ .... اس مقابلہ کے لئے نہ حضور کا دنیا میں دوبارہ تشریف لانا مناسب نہ صدیوں تک باقی رکھا جانا شایان شان ..... ادھر اس ختم

دجالیت کے استحصال کے لئے چھوٹی موٹی روحانیت تو کیا بڑی سے بڑی ولایت بھی کافی نہ تھی ... جب تک نبوت کی روحانیت مقابل نہ آئے (بلکہ) جب تک اس کے ساتھ ختم نبوت کا پاور شامل نہ ہو تو پھر شکست دجالیت کی صورت بجز اس کے اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس دجال اعظم کو نیست و نابود کرنے کے لئے امت میں ایک ایسا خاتم المجددین آئے جو خاتم النبیینؐ کی غیر معمولی قوت اپنے اندر جذب کئے ہوئے ہو ۔... اور اس کا مقابلہ خاتم النبیین کا مقابلہ ہو .... اس انعکاس کے لئے ایک ایسے نبوت آشنا قلب کی ضرورت تھی جو فی الجملہ خاتمیت کی شان بھی اپنے اندر رکھتا ہو تاکہ خاتم مطلق کا عکس اس میں اتر سکے اور ساتھ میں اس خاتم مطلق کی ختم نبوت میں فرق بھی نہ آئے ۔ ۳؎

راقم کو حیرت ہے کہ علامہ بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ انگریز ملکہ کو " سایہء خدا " ۴؎ یا دوسرے لفظوں میں " ظل اللہ " یا عکس الہٰی قرار دیتے ہیں ۔ لیکن اگر ۔ " موجودہ دور کے سب سے بڑے دینی مفکر " ۵؎ کو ظل محمدؐ یا بروز محمدؐ یا عکس محمدؐ کہہ دیا جائے تو برافروختہ ہو جاتے ہیں ۔

سب مسلمانوں کو کافر قرار دینا

علامہ نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ میں تحریک احمدیہ سے اس وقت بیزار ہوا ۔ جب بانی تحریک نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا ۔

حقیقت یہ ہے کہ بانی تحریک نے کسی شخص کو کافر کہنے میں ابتدا نہیں کی ۔ آپ فرماتے ہیں ۔

" اس جھوٹ کو تو دیکھو کہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ گویا ہم نے بیس کروڑ مسلمان کلمہ گو کو کافر ٹھہرایا ۔ حالانکہ ہماری طرف سے تکفیر میں کوئی سبقت نہیں ہوئی خود ہی ان کے علماء نے ہم پر کفر کے فتوے لکھے اور تمام پنجاب اور ہندوستان میں شور ڈالا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور نادان لوگ ان کے فتووں سے ایسے ہم سے متنفر ہو گئے کہ ہم سے سیدھے منہ سے کوئی نرم بات کرنا بھی ان کے نزدیک گناہ ہو گیا ۔ کیا کوئی مولوی یا کوئی اور مخالف یا کوئی سجادہ نشین یہ ثبوت دے سکتا ہے کہ پہلے ہم نے لوگوں کو کافر ٹھہرایا تھا ۔ ۶؎ "

بانی تحریک بارہ سال تک مخالفین کی منت سماجت کرتے رہے کہ یہ تعدی نہ کرو ۔ مجھے غیر

مسلم نہ کہو اور بارہ سال تک ان کی مساجد میں احمدی نمازیں پڑھتے رہے۔ لیکن علماء نہ مانے اور وہ برابر یہی لکھتے چلے گئے کہ

" مرزا (قادیانی) کافر ہے۔ چھپا مرتد ہے ملحد ہے۔ دجال ہے۔ (فتویٰ ۱۸۹۲ء) ۷۷

بارہ سال تک ان فتووں کو سننے کے بعد اگر بانی سلسلہ نے ان مخالفوں یا ان سے متفقین کے متعلق کوئی فتویٰ دیا تو کیا غضب ہو گیا۔

نئی امت کا قیام

پھر یہ نکتہ بھی پیش نظر رہے کہ نئی امت 'نئی شریعت کے ظہور سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت بانی سلسلہ کا دعویٰ شرعی نبوت کا نہیں بلکہ بروزی نبوت یا امتی نبوت کا ہے۔ امتی نبوت کو ماننے والے الگ امت نہیں ہوتے۔ اور نہ امتی نبوت کے انکار سے کوئی مسلمان' امت محمدیہ سے خارج ہو سکتا ہے۔ بانی تحریک کی کتب میں سب مسلمانوں کو جو جماعت احمدیہ میں شامل نہیں۔ مسلمان کہہ کر ہی خطاب کیا گیا ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے۔

من ترک الصلوہ متعمدا فقد کفر جھرا ۷۸۔

"۔ جو شخص جانتے بوجھتے ہوئے نماز کو چھوڑتا ہے وہ اپنے کفر کا خود اعلان کر دیتا ہے"

علماء کو تسلیم ہے کہ یہاں لفظ کفر سے' دائرہ اسلام سے اخراج مراد نہیں کہ ایسا شخص ہندو۔ عیسائی یا یہودی یا زرتشتی کھاتے میں شامل ہو گیا اور قومی اسمبلی لسٹ تیار کر کے ایسے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ ٹانک دے۔ بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ گو وہ ملت میں ہی شامل ہے لیکن حقیقی دائرہ اسلام میں نہ رہا۔ جب کہا جائے کہ۔ "ملا کی اذاں اور ہے غازی کی اذاں اور" تو مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ ملا اذان کے رسمی الفاظ دہراتا ہے اور غازی کی اذان میں حقیقی روح جلوہ گر ہوتی ہے اسی طرح اگر شاذ و نادر کے طور پر احمدیہ لٹریچر میں غیر احمدیوں کے لئے کافر کے الفاظ آ گئے ہوں تو اس سے یہی مراد ہے کہ وہ مسلمانوں کے عام شیرازہ یا امت محمدیہؐ میں شامل ہیں مگر حقیقی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ جس طرح بے نماز یا ظالم مسلمان کو حقیقی دائرہ اسلام سے تو خارج کیا جا سکتا ہے مگر انہیں امت محمدیہ سے خارج کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

علامہ کا کہنا ہے کہ میں اس وقت تحریک احمدیہ سے بیزار ہوا جب تمام مسلمانوں کا کافر۔

قرار دیا گیا۔ مرزا صاحب تو ۱۹۰۸ء میں وفات پا گئے۔ انہوں نے اگر سب مسلمانوں کو کافر (بہ معنے دائرہ اسلام سے خارج) قرار دیا ہو گا تو ۱۹۰۸ء سے قبل ہی قرار دیا ہو گا۔ مصنف زندہ رود کا فرض تھا کہ وہ ۱۹۰۸ء سے پیشتر سے لے کر ۱۹۳۵ء تک سن وار علامہ کی تحریک احمدیہ سے بیزاری ثابت کرتے اور شیخ اعجاز احمد صاحب نے اس کے مقابل ۱۹۰۰ء سے ۱۹۳۲ء تک سن وار علامہ کی موانست و مواخات اور عقیدت کے جو واقعات ۷۹ درج کئے ہیں۔ ان کی تردید کرتے۔ مگر مصنف زندہ رود تو جماعت سے گہری وابستگی کے ان واقعات یا بیانات میں سے کسی ایک کی بھی تردید نہیں کر سکے۔

تکفیری جوش و خروش

مصنف کے نزدیک علامہ کو توقع تھی کہ جب احمدیہ جماعت سن بلوغ کو پہنچے گی تو عامتہ المسلمین کی تکفیر کے جوش و خروش سے باز آ جائے گی۔ مگر علامہ کی یہ توقع پوری نہ ہو سکی (ص ۵۸۵)

واضح رہے کہ احمدیوں نے کبھی بھی تکفیری غیض و غضب کی مہم کا آغاز نہیں کیا۔ ۳۶-۱۹۳۵ء میں بھی علامہ نے احراریوں کے ساتھ مل کر احمدیت کے لئے برگ حشیش۔ غارت گر اقوام۔ فتنہ ملت بیضا۔ یہودیت کا ثنی۔ قوت فرعون کی درپردہ مرید۔ سٹہ باز وغیرہ الفاظ استعمال کئے۔ پھر ایک طرف احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کی مہم میں شرکت کر کے اس میں اور بھی شدت پیدا کر دی۔ دوسری طرف پنڈت نہرو کی خدمت عالیہ میں لکھا۔

مائی ڈیر نہرو! احمدی 'اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔

اس کے مقابل احمدیوں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں علامہ کی تحریروں کا جواب ضرور دیا۔ مگر اس جواب میں نہ تو انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کی کوئی مہم چلائی نہ ان پر وطن کی غداری کا الزام لگایا۔

اس صورت حال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ غیض و غضب کا دھارا ۸۰ کس جانب سے کس جانب بہہ رہا تھا اور اس غیظ و غضب میں پہل کس نے کی؟

حضرت امام جماعت احمدیہ مخالفین کو بار بار سمجھاتے رہے کہ سیاسی معاملات میں کفر و

اسلام کا سوال اٹھانا غیر متعلق بات ہے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۳۵ء میں ہی فرمایا۔

"۔ تمدن اور معاشرت کا اس سے کیا تعلق کہ ہم تمہیں کیا سمجھتے ہیں اور تم ہمیں کیا سمجھتے ہو۔ ہمیں تو یہ دیکھنا چاہئے کہ جس حد تک ہم آپس میں تعاون کر سکتے ہیں۔ اس حد تک کریں اور عقائد کے سوال کو باہمی معاشرت کے وقت نہ چھیڑیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ جب کوئی ہم سے لڑکی کا رشتہ مانگنے آئے یا لڑکی کا رشتہ دینے آئے تو ہم اس سے پوچھ لیں کہ تمہارے کیا عقائد ہیں۔ لیکن سیاسیات میں ان امور کا کیا تعلق کہ تم ہمیں کافر سمجھتے ہو یا نہیں۔ پس یہ سوال پیدا ہی ان (یعنی مخالفین احمدیت۔ ناقل) کی وجہ سے ہوا ہے ورنہ ہمیں یہ سوال اٹھانے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی"۔ ۸۱

احمدیوں کے مخالفوں نے احمدیوں کو مسجدوں سے نکالا۔ قبرستانوں سے نکالا۔ انجمن حمایت اسلام سے نکالا۔ مسلم لیگ سے نکالا۔۔ اور پھر اسلام سے نکالا۔ یہ تو آپ کے نزدیک اتحاد کے علمبردار ہیں اور احمدیہ جماعت انتشار پسند۔ یہ منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

ہائیڈل برگ میں علامہ اقبال، عطیہ بیگم فیضی سے مصروف گفتگو ہیں (فوٹو ۱۹۰۷ء)

بروزی کیفیت

مکاتیب اقبال کے مطابق، اقبال نے عطیہ فیضی کو لکھا:۔

" جب میرا ذوق، جوش پر آتا ہے۔ تو حافظ کی روح مجھ میں حلول کر جاتی ہے۔ اور میں خود حافظ بن جاتا ہوں۔" (مکاتیب حصہ نمبر ۲ ص ۱۰۶)

باب نمبر ۷ — فصل نمبر ۵

احمدی صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کی تھوڑی اکثریت کو شدید نقصان پہنچا سکتے تھے!

احمدیوں کے سیاسی عزائم

مصنف زندہ رود کے مطابق ایک طبقہ فکر کی رائے ہے کہ جب احمدیوں کے سیاسی عزائم واضح طور پر سامنے آگئے تو اقبال نے احمدیت سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ آخر احمدیوں کے سیاسی عزائم تھے تو کیا تھے؟

مصنف لکھتے ہیں:۔

"۔ پنجاب میں غیر مسلموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اکثریت تھوڑی سی تھی اور اس اکثریت کے بل بوتے پر یہاں کسی مستحکم وزارت تشکیل دے سکنے کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا" ۸۲۔

"۔ اقبال کو خدشہ تھا کہ اگر احمدیوں کی تعداد میں خاطر خواجہ اضافہ ہو گیا تو وہ انگریزی حکومت کے اشارے پر یا یونی نسٹ کے اثر و رسوخ کے ذریعہ مسلمانوں کی تھوڑی سی اکثریت کو صوبائی لیجسلیچر میں "شدید نقصان" پہنچا سکتے تھے۔" ۸/۸۲

راقم عرض کرتا ہے کہ ۳۵ء سے ۴۷ء تک ۱۲ سال کے طویل عرصہ میں احمدیوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا۔ مصنف کو بتانا چاہئے تھا کہ احمدیوں نے اس عرصہ میں لیجسلیچر میں مسلمانوں کو کس نوعیت کا "شدید نقصان" پہنچایا۔ اس عرصہ میں بے شمار غیر احمدی مسلمانوں نے کانگریس یا غیر مسلموں کے اشارہ ءابرو پر کام کیا۔ مگر احمدیوں نے کبھی کسی مرحلہ پر بھی کانگریس یا غیر مسلموں کا ساتھ نہیں دیا۔ اس لئے یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ علامہ کے خدشات ایک موہوم بنیاد پر قائم تھے۔

واضح رہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد کانگریس کے نقیب بن کر ابھرے۔ یو پی میں کانگریس نے رفیع احمد قدوائی کو وزارت کا منصب سونپ دیا۔ مدراس میں سیٹھ یعقوب حسن کو، بہار میں سید محمود کو وزیر بنا دیا گیا۔۔۔۔ بمبئی اور صوبجات متوسط میں نیتین نوزی اور یوسف شریف کو لیگ سے توڑ کر کانگریس میں شامل کر کے وزیر بنا لیا گیا۔ اب وہی جداگانہ انتخاب جسے مسلمان

اپنی قومی ہستی کو برقرار رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے تھے۔ کانگریس کی ایک شاطرانہ ضرب
سے پارہ پارہ ہو گیا۔ ۸۳ ؎

مصنف زندہ رود تو "صوبائی لیجسلیچر" کی چند سیٹوں کی بات کر رہے ہیں۔ تقسیم ہند کے
موقع پر جماعت احمدیہ کو غیر مسلموں کی جانب سے قادیان اور اس کے ماحول میں نیم آزاد
حکومت کی آفر بھی کی گئی۔ مگر جماعت کے یہاں قومی اور ملی مفاد کی خاطر ہر پیشکش کو نفرت
سے ٹھکرا دیا جاتا ہے۔

۱۹۴۶ء میں ایک سکھ لیڈر سردار وریام سنگھ نے حضرت امام جماعت احمدیہ کے بھائی اور
جماعت کے نمائندے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سے کہا۔

"۔ اب ملک بٹ رہا ہے اور آپ کی پوزیشن بہت نازک ہے۔ مسلمان آپ کو اپنانے
کے لئے تیار نہیں۔ پس آپ ان کی وجہ سے سکھوں اور ہندوؤں سے نہ بگاڑیں۔ میں آپ کی
ہمدردی کے خیال سے کہتا ہوں کہ آپ مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر ہمارے ساتھ سمجھوتہ کر لیں
۔ ہم آپ کی جماعت کو قادیان اور اس کے ماحول میں ایک قسم کی نیم آزاد حکومت دینے کو تیار
ہیں۔"

آپ نے اس پیش کش کے جواب میں فرمایا:۔

"۔ سردار صاحب! آپ ہمیں معاف فرمائیں۔ ہم دوسرے مسلمانوں کے ساتھ غداری
کر کے آپ کے ساتھ جوڑ نہیں ملا سکتے۔ پس میرا مشورہ آپ کو یہ ہے کہ آپ اس ناکام
کوشش پر مزید اصرار نہ کریں۔" ۸۴ ؎

ایک اور سکھ اخبار "شیر پنجاب" نے جماعت احمدیہ کو ہشیار کیا۔ کہ مسلمان "گذشتہ
زمانہ میں آپ پر بہت ظلم کرتے رہے ہیں۔ اس لئے اب آپ کو سکھوں کے ساتھ اتحاد کر لینا
چاہئے۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے جماعت احمدیہ کی طرف سے اس کو جواب دیا:۔

"۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ مسلمانوں کا ایک حصہ احمدیوں کی مخالفت میں پیش پیش
رہا ہے ...... مگر باوجود اس کے مجھے افسوس ہے کہ آپ کا یہ داؤ ہم پر نہیں چل سکتا۔ کیونکہ
ہماری گھٹی میں یہ تعلیم پڑی ہوئی ہے کہ مخالفت میں فرد کی طرف نہ دیکھو بلکہ اصول کی طرف
دیکھو اور دشمنی انسانوں کے ساتھ بھی نہ رکھو۔ بلکہ صرف برے خیالات کے ساتھ رکھو۔
کیونکہ کل کو یہی مخالف لوگ اچھے خیالات اختیار کر کے دوست بن سکتے ہیں۔ چنانچہ احمدیوں

کا ۹۵ فی صد حصہ دوسرے مسلمانوں میں سے ہی نکل کر آیا ہے۔" ۸۵ ؎

قارئین کرام! یہ کیسی عجیب و غریب صورت حال ہے کہ یونینسٹ پارٹی جس میں
مسلمانوں کی اکثریت تھی وہ تو "مسلمان" تھی اور اس کے ساتھ تعاون کرنے والی چھوٹی سی "
احمدیہ جماعت" تعاون کی وجہ سے "غیر مسلم" ہو گئی۔ پھر جن مسلم رہنماؤں نے کانگریس
سے ملی بھگت کر کے عملاً مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کیا وہ بھی مسلمان تھے مگر احمدی، جنہوں نے کبھی
اس گٹھ جوڑ میں شرکت نہ کی وہ "غیر مسلم" ہو گئے۔

غیر مسلم اپنی شیرازہ بندی کی فکر میں تھے

ہم پھر ۱۹۳۵ء کے دور کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب ہندو اپنی شیرازہ
بندی کی فکر میں تھے۔ ان کے نزدیک مذہبی اعتبار سے "اچھوت" ان میں سے نہیں تھے۔ وہ
اچھوتوں کے سایہ تک کو ناپاک سمجھتے تھے۔ ہندو پہلے ہی اکثریت میں تھے۔ انہیں 'اچھوتوں کو
اپنے ساتھ ملانے کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ مگر پھر بھی اس خیال سے کہ ممکن ہے۔
مسلمان یا کوئی اور اقلیت انہیں اپنے ساتھ ملا لے یا اس خیال سے کہ ہمیں اور بھی بھاری
اکثریت حاصل ہو جائے انہوں نے۔ "شدید بنیادی مذہبی اختلافات۔" کے باوجود اچھوتوں کو
اپنے ساتھ ملائے رکھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ایک طبقہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ وہ "احمدی
جماعت" ایسی فعال جماعت کو مذہبی اختلاف کی آڑ میں اپنے سے الگ کر دیں۔

بنیادی مذہبی اختلاف

ہندوؤں اور شودریوں کا آپس میں اتنا بنیادی مذہبی اختلاف ہے کہ ستیارتھ پرکاش کی رو
سے۔۔۔ "شودروں کو مقدس منتر پڑھنے تک سے مذہبی طور پر روک دیا گیا ہے" (صفحہ ۴۹)

اوروں کی عیاری

ہندوؤں نے کبھی ان کو اس جاتی کے بچے نہ سمجھا۔ مگر اس دور میں ان کی عیاری ملاحظہ
ہو۔ وہ اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے کیا کیا جتن کرنے لگے تھے۔

ہندو اخبار "ملاپ" لکھتا ہے۔

"ہندوستان کے اچھوت یک زبان ہو کر اعلان کر دیں کہ ہم ہندوؤں سے الگ کسی قسم

کے خاص حقوق نہیں چاہتے۔ ہم اپنے لئے جداگانہ انتخاب اور جداگانہ نشستیں نہیں چاہتے۔ ہم ہندوؤں کے رنگ سنگ رہیں گے ہم اسی جاتی کے بچے ہیں۔ اسی جاتی میں پیدا ہوئے۔ اسی جاتی میں مرجائیں گے" ۸۶ ؎

احمدیوں کے خلاف مشترکہ محاذ

مگر احمدیوں کو علیحدہ حیثیت دینے کے مطالبہ کے بارے میں ہندو۔ سکھ اور عیسائی سب نے مشترکہ محاذ قائم کرلیا۔ چنانچہ سکھوں کے اخبار "شیر پنجاب" نے لکھا:۔

سکھ اخبار "شیر پنجاب" کی تائید

"۔ ہم اس کی بزور تائید کرتے ہیں۔ اور گورنر صاحب بہادر سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے کر پنجاب میں کم ازکم ۵ فی صدی نشستیں کونسل میں اور دو نشستیں مرکزی اسمبلی میں دی جائیں۔ اس سے کئی پولیٹکل پیچیدگیاں سلجھ جائیں گی" ۸۷ ؎

ہندو اخباروں کی تائید

ہندوؤں کے اخبار "ملاپ" اور "آریہ گزٹ" نے لکھا۔

"۔ چونکہ احمدی، مسلمانوں میں سے ہیں اس لئے ان ---- کیلئے مسلمانوں کی نشستوں میں سے کچھ نشستیں مخصوص کردی جائیں۔ ۸۸ ؎

ہندوؤں، سکھوں کی اس منطق پر اخبار "الفضل" نے یہ تبصرہ کیا:۔

الفضل کا تبصرہ

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جماعت احمدیہ جداگانہ اقلیت بن کر مسلمانوں میں سے ہی اپنا حصہ لے گی۔ کیونکہ مسلمانوں کی نیابت کی جو نسبت قرار دی گئی ہے وہ مشمول جماعت احمدیہ قرار دی گئی ہے اور خواہ وہ حصہ کتنا ہی قلیل ہو اس کی وجہ سے مسلمانوں کی نشستوں میں یقیناً کمی واقع ہوگی۔۔ اس میں جماعت احمدیہ کا تو فائدہ ہی ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ بھی چکے ہیں اور خود "ملاپ" نے بھی اپنے مندرجہ بالا الفاظ میں تسلیم کیا ہے۔ مگر مسلمانوں کے لئے سخت نقصان رساں ہے۔ پنجاب میں مسلمانوں کو ناخنوں تک زور لگانے کے بعد جو اکثریت حاصل

ہوئی ہے اور وہ بھی اس لئے کہ تمام مسلمانوں نے متحد ہو کر اس کا مطالبہ کیا وہ نہایت ہی قلیل ہے اور جماعت احمدیہ کے جداگانہ اقلیت قرار پا جانے کی صورت میں وہ قطعاً قائم نہ رہ سکے گی ۔۔۔ یہی غرض ان لوگوں کے مدنظر ہے جو احراریوں کی تائید کر رہے ہیں۔" ۸۹ ؎

مسلم اخبار "سیاست" نے براہ راست بھی علامہ کو یہ نکتہ سمجھانے کی کوشش کی اور لکھا کہ احمدیوں کے سیاسی لحاظ سے علیحدہ ہو جانے کے بعد پنجاب کی وہ (تھوڑی سی) مسلم اکثریت جس کے لئے ہم گذشتہ دس سال سے لڑ رہے ہیں۔ برباد ہو جائے گی ۹۰ ؎

اسی طرح روزنامہ "حق" لکھنؤ نے علامہ کی خدمت میں گذارش کی:۔

"۔ احمدیوں کو اپنے حلقہ سے جدا کرنے کے بعد ہم کو سب سے پہلا نقصان تو یہ پہنچے گا کہ ہماری جماعت کا ایک عنصر گویا ہم سے علیحدہ ہوگیا۔ ہماری اقلیت اور بھی اقل ہو کر رہ جائے گی ..... حکومت نے ایک نشست کی زیادتی سے مسلم اکثریت تسلیم کی ہے ..... اب مسلمانوں کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ احمدیوں کو ان سے علیحدہ کر کے ان کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے .... کیا مسلمان اپنے پیر پر خود کلہاڑی نہیں مار رہے۔" ۹۱ ؎

ظاہر ہے احمدیوں کو مسلمانوں میں شامل رکھنے سے ہی مسلمانوں کی تھوڑی سی اکثریت قائم رکھی جا سکتی تھی اور اسی طریق پر، صوبائی لیجسلیچر کو کسی متوقع نقصان سے بچایا جا سکتا تھا۔ مگر افسوس کہ علامہ اس تجویز کی ہمنوائی کرنے لگے۔ جس سے صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کی معمولی سی اکثریت کو شدید نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ علامہ کے اس نوع کے سیاسی عزائم سے ملت کے بہی خواہ طبقہ اور جماعت احمدیہ کو دکھ پہنچنا ایک طبعی امر تھا۔

مسلم کی سادگی

قارئین کرام! نومبر ۳۴ء میں اخبار "زمیندار" کے ایڈیٹر مولانا ظفر علی خاں نے ایک مکتوب مفتوح کے ذریعہ جارج پنجم شہنشاہ ہند و تاجدار انگلستان کو احمدیہ جماعت کے خلاف ایکشن لینے کی ترغیب دی تھی۔ (صفحہ ۶۴) اور عذر یہ تراشہ تھا کہ بانی سلسلہ احمدیہ انگریزی حکومت کا دراصل غیر وفادار تھا اور مسیح ابن مریم کی عظمت کو داغدار کرنے والا تھا (نعوذ باللہ) اور اس کا بیٹا (مرزا بشیر الدین محمود) حکومت پنجاب سے دست و گریباں ہے۔۔

"زمیندار" نے مزید لکھا تھا کہ ---- ... (احمدیوں کو علیحدہ کرنے کے) سلسلہ میں جو

تدابیر عمل میں لائی جائیں۔ مسلمان بہ دل و جان سپاس گزار ہوں گے۔" ۹۲ ے

ہندوؤں، سکھوں کے علاوہ عیسائی، بھی ان کاروائیوں سے بڑے خوش ہو رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے مقابلہ میں احمدیت کی یہ مخالفت، عیسائیت کے لئے تقویت کا باعث ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کے ایک ذمہ دار اور خاص نمائندہ پادری احمد مسیح نے لکھا:۔

عیسائیوں کی تائید

"زمیندار" اور اس کے ہمنواؤں نے مرزا جی اور قادیانیوں کے بالمقابل وہ کام کیا اور کر رہے ہیں۔ جو قابل ستائش ہے۔ خداوند کے نام کی بڑائی ہو جس نے مسلمانوں میں اپنے کام کے لئے کام کرنے والے کو چن لیا۔ قادیان کی دل کھول کر تردید کرنا۔ "زمیندار" اور اس کے ہمنواؤں کا نہایت اچھا کام ہے۔ ہم زمیندار اور اس کے معاونین کی اس کام میں قدر کرتے ہیں... مبارک ہیں ایڈیٹر زمیندار اور ان کے معاون جو میرے خداوند (یسوع مسیح) کے بالمقابل کسی کو نہیں دیکھ سکتے۔" ۹۳ ے

یہ تھے حالات جن میں علامہ اقبال نے بھی زمیندار کی ہمنوائی کا اعلان کر دیا۔ اور مطالبہ شروع کر دیا کہ احمدیوں کو ملت اسلامیہ سے علیحدہ کر کے الگ فرقہ قرار دے دیا جائے اور اس امر کا کوئی خیال نہ کیا کہ اس اقدام سے صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کو نقصان پہنچے گا۔

جس طرح سکھوں کو علیحدہ سیاسی یونٹ تصور کر لیا گیا

...... اقبال

مصنف "زندہ رود" رقمطراز ہیں:۔

اقبال نے اسٹیٹسمین کے لیڈنگ آرٹیکل میں اپنے بیان پر تبصرہ کا جواب ایک خط کے ذریعہ دیا جو ۱۰ر جون ۱۹۳۵ء کو اسٹیٹسمین میں شائع ہوا۔ جواب کا اہم نکتہ یہ تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی طرف سے کسی رسمی یادداشت کی وصولی کا انتظار کئے بغیر برٹش گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں اور احمدیوں کے عقائد میں بنیادی اختلاف کا انتظامی طور پر نوٹس لے۔ اِ جیسے کہ سکھوں کو ۱۹۱۹ء تک انتظامی اعتبار سے ایک علیحدہ سیاسی یونٹ نہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر بعد میں بغیر، ان کی طرف سے کسی رسمی عرض داشت کی وصولی کے، انہیں ایسا تصور کیا گیا۔" ۹۴ ے

راقم عرض کرتا ہے کہ بقول آپ کے سکھوں کو تو "انتظامی طور پر علیحدہ سیاسی یونٹ" قرار دیا گیا تھا مگر احمدیوں کے بارے میں آپ کا مطالبہ "علیحدہ مذہبی جماعت" کا ہے۔ اس لئے سکھوں کی مثال یہاں چسپاں نہیں ہوتی۔ پھر سکھ موحد قوم ہے اور ہندو غیر موحد--- حضرت بابا نانک "مسلمان تھے۔ حقیقتاً مذہبی اعتبار سے سکھ، ہندوؤں سے کہیں دور ہیں۔ گرنتھ کی رو سے بابا نانک الہام کے بھی مدعی تھے۔ وہ ہندو مذہب اور اسلام میں صلح کرانا چاہتے تھے۔ مگر پنڈتوں نے ان کی مخالفت کی۔

دراصل سکھوں کو اپنی زبردست عسکری اور سیاسی اہمیت کا احساس ہو چکا تھا۔ ان کی اپنی خواہش تھی کہ ان کا علیحدہ تشخص قائم ہو۔ اور وہ ہندوؤں کے ساتھ یا ان میں مدغم ہو کر نہ رہیں۔ ہندوؤں کی ان کو اپنے ساتھ ملانے کی کاوشیں سکھوں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں---- چنانچہ ۱۹۱۰ء کا اخبار اس صورت حال کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"۔ سکھوں میں اپنے علیحدہ قومیت قائم کرنے کی زوردار لہر بہ رہی ہے۔ اور وہ اپنی جداگانہ شخصیت اور ہستی کو محسوس کرنے لگے ہیں۔ ہندو قوم کے لیڈر کوشش کر رہے ہیں کہ سکھوں کو اپنے ساتھ ملائے رکھنے کی ہر تجویز اور تدبیر کو ہاتھ سے نہ دیں مگر خالصہ قوم کے رتن اور فہیم لوگ یقین کر چکے ہیں کہ وہ علیحدہ قوم ہیں..... گورنمنٹ نے اعلان کر دیا ہے کہ "سکھ ہندو نہیں"۔ ۹۵ ے

اسی طرح "انڈین اینویل رجسٹر" لکھتا ہے :-

"- سکھ جو صوبے کی مجموعی آبادی کا گیارہ فی صد ہیں - ابھی تھوڑا عرصہ ہوا - ہندوؤں کا ہی ایک فرقہ سمجھے جاتے تھے - لیکن گذشتہ دس بارہ سال سے ان میں ایک زبردست انقلاب آ گیا ہے جس سے وہ اپنے آپ کو ایک "جداگانہ قوم" تصور کرنے لگے ہیں - اس کے علاوہ ان میں اپنی سیاسی اور عسکری اہمیت کا شعور بھی بیدار ہو گیا ہے -" ۹۶ ے

راقم عرض کرتا ہے کہ سکھوں نے اس دور میں "خالصہ ایڈووکیٹ، خالصہ سماچار، پنجاب درپن اور لائل گزٹ" کے ذریعہ اپنی قوم کے لئے ہندوؤں سے مذہباً علیحدہ قرار دئے جانے کی نہیں بلکہ separate electorates یعنی اسمبلی کے علیحدہ انتخابات یا علیحدہ نشستوں کے حصول کے لئے زبردست مہم چلا رکھی تھی "خالصہ ایڈووکیٹ" نے لکھا کہ سکھ اپنی اہمیت، فوجی بھرتی اور برٹش گورنمنٹ سے لامتناہی (وفاداری) کے باعث اسمبلیوں میں اپنے لئے Loin share کے حقدار ہیں - علیحدگی کی اتنی زبردست لہر اور جدوجہد اور اپیلوں کے باوجود علامہ فرماتے ہیں کہ سکھوں نے تو کوئی رسمی یادداشت تک پیش نہیں کی - اور انہیں ہندوؤں سے علیحدہ کر دیا گیا -

مصنف زندہ رود کے مطابق علامہ کا خصوصی اہمیت کا حامل نکتہ یہ تھا کہ ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی سیاسی علیحدگی کے نوٹ کی روشنی میں بلاتاخیر احمدیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا جائے (زندہ رود ص ۵۵۲) حالانکہ یہی نوٹ علامہ کے مطالبہ کو رد کرنے کے لئے کافی ہے کیونکہ حکومت پنجاب کے اس نوٹ میں کہا گیا تھا - کہ جو امیدوار اپنے آپ کو جس مذہب (مسلمان - ہندو - سکھ) کی طرف منسوب کرے گا - اس کا وہی مذہب تسلیم کیا جائے گا - اور اس سلسلہ میں کوئی سرکاری جانچ پڑتال نہیں کی جائے گی - بتایئے اس نوٹ کے تحت احمدیوں کو "غیر مسلم" کیسے قرار دیا جا سکتا تھا - حکومت کے نوٹ کے چند فقرات ملاحظہ ہوں -

separate electorates —— Punjab government note

It would of course be necessary to maintain three separate electoral rolls ... where Muhammadans, Hindus and Sikhs have separate representation. Anyone claiming to be a Sikh, a Hindu or a Muhammadan, and being prima facie what he represents himself to be, would if possessed of the other qualifications be entered in the appropriate roll . . . . It is not proposed that there should be any official inquisition into a candidate's claim to belong to a particular religion.

بحوالہ سکھ سیپریشن - ص ۷۹ - راجیو اے کپور

ALLEN & UNWIN London

Boston Sydney

باب نمبر ۷

فصل نمبر ۶

جماعت احمدیہ اور یونینسٹ پارٹی

مصنف زندہ رود فرماتے ہیں'

"اقبال نے سر فضل حسین (بانی یونینسٹ پارٹی) کی سیاست کو کبھی بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا (ص ۵۱۴) --- نیز لکھتے ہیں کہ'

"سر ظفر اللہ خاں نے مرزا بشیر الدین محمود کی ہدایت کے تحت یونینسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کی اور یہ تعلق آخر تک قائم رہا (صفحہ ۵۹۱)

یونینسٹ پارٹی کے تین ادوار

راقم عرض کرتا ہے کہ یونینسٹ پارٹی کے دور کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں

اول - سر فضل حسین کا دور

اس دور میں علامہ اقبال ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء تک یونینسٹ پارٹی کے معزز ممبر رہے اور اس کے پروگراموں کو فروغ دینے کی کاوش کرتے رہے - علامہ کے اس تعلق کو پیش نظر رکھنا چاہئے -

دوئم - سر سکندر حیات خاں کا دور

اس دور میں "سکندر جناح پیکٹ" ہوا --- بعد میں قائداعظم محمد علی جناح نے اس پارٹی سے اس حد تک گہرا تعلق قائم کر لیا کہ --- "یونینسٹ پارٹی کے ارکان کے ہاتھوں میں صوبائی مسلم لیگ پنجاب کی باگ ڈور دے دی"

مصنف زندہ رود کے نزدیک یہ "دانشمندانہ فیصلہ" تھا - (صفحہ ۶۴۷)ا-

سوئم - سر خضر حیات خاں کا دور

یہ دور یونینسٹ پارٹی کا آخری دور تھا - جب ان کی پارٹی پالیسی سے مسلم مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ پیدا ہوا تو امام جماعت احمدیہ نے جماعت احمدیہ کے افراد کو ہدایت فرمائی کہ'

ا ۔ " ۔ آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید ' کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے ۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی احمدی کو یونسنٹ ٹکٹ پر کھڑا نہیں ہونا چاہئے ۔ " (۲۱ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

سر خضر حیات خاں کا استعفیٰ

ب ۔ قیام پاکستان کے اعلان کے وقت یعنی ۱۹۴۷ء میں خضر حیات خاں ہی پنجاب کے وزیر اعظم تھے ۔ آپ یونسٹ پارٹی کے لیڈر بھی تھے ۔ اس پارٹی میں خاصی تعداد میں غیر مسلم تھے ۔ اگر یہی پارٹی برسراقتدار رہتی تو مسلم لیگ اور قیام پاکستان کی راہ میں ایک بڑی روک پیدا ہو جاتی ۔ قائداعظم اس صورت حال سے سخت پریشان تھے ۔ قائداعظم اور مسلم لیگی ارکان کی کاوشوں کے باوجود سر خضر حیات خاں نہ تو مسلم لیگ میں شامل ہوئے نہ اپنے عہدہ سے فوری مستعفی ہوئے ۔

تاریخ قیام پاکستان کا یہ انتہائی اہم واقعہ ہے جس نے ہندوستان کی سیاست کا رخ پلٹ کے رکھ دیا کہ سر خضر حیات خاں نے گورنر پنجاب کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا ۔ انگریز گورنر نے اسی روز وائسرائے ہند فیلڈ مارشل ویول کو اس تاریخی واقعہ کی اطلاع دی ۔ گورنر کا یہ سرکاری مکتوب ' حکومت برطانیہ کی جانب سے " ٹرانسفر آف پاور " نامی جلدوں میں شائع ہو چکا ہے ۔

گورنر پنجاب سر ای جینکز نے لارڈ ویول کو خضر حیات خاں کے فوری استعفیٰ کے محرک کے بارے میں اطلاع دیتے ہوئے لکھا '

گورنر پنجاب کا نوٹ

Para.4-On the morning of 2nd March (1947)...he (Khizar) said (to me) that he had consulated Zafrulla...and had come to the conclussion that the Muslim League must be brought up against reality without delay..."

یعنی خضر (حیات خاں) نے مجھے بتایا کہ وہ ظفر اللہ خاں سے مشورہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مجھے (استعفیٰ دے کر) بلاتاخیر مسلم لیگ کو حقائق کا سامنا کرنے کا موقعہ دینا چاہئے " ۔ ۹۷ ے

قائداعظم کا اظہار تشکر

" ۔ ۲ مارچ ۱۹۴۷ء بروز اتوار صبح ۹ بجے حضرت امام جماعت احمدیہ لاہور سے سندھ تشریف لے جا رہے تھے ۔ آنریبل چودھری ظفر اللہ خاں صاحب بھی حضور کو الوداع کہنے کے لئے تشریف لائے اور یہ خوشخبری سنائی کہ آج انشاء اللہ ملک خضر حیات خان صاحب کے استعفیٰ کا اعلان ہو جائے گا ۔ چنانچہ اوکاڑہ یا کسی اور ریلوے اسٹیشن سے حضور نے قائداعظم محمد علی جناح کو تار دلوایا کہ آج شام آپ ایک خوشخبری سنیں گے ۔ اور اسی روز استعفیٰ کا اعلان ہو گیا ۔ ۹۸ ے

ہفت روزہ " پیسہ اخبار " لاہور لکھتا ہے

" اطلاع ملی ہے ..... کہ موجودہ خوشگوار صورت حالات پیدا کرنے میں سر ظفر اللہ خاں نے بہت بڑا پارٹ ادا کیا ہے ۔ لاہور کے مسلمان بے حد خوشی کا اظہار کر رہے ہیں ۔ شہر اور نواحی بستیوں میں پٹاخے چھوڑے جا رہے ہیں ۔ " ۹۹ ے

اور یوں " قیام پاکستان " کی راہ کا ایک سنگ گراں ہٹا دیا گیا ۔ مولانا عبدالرحیم صاحب درد ناظر امور خارجہ جماعت احمدیہ کو قائداعظم نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ۔ ۔ " آپ کی جماعت نے نہایت آڑے وقت میں ہماری مدد کی ہے اور کہا

I can never forget it یعنی میں (قیام پاکستان کے ضمن میں جماعت احمدیہ کی ۔ ناقل) اس خدمت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا ۔ ۲

پنتھک پارٹی کی قرارداد

ماسٹر تارا سنگھ اور ان کی پنتھک پارٹی کے لئے یہ خبر سخت حیرت و پریشانی کا موجب بنی ۔ بارہ بجے پنجاب اسمبلی چیمبر میں پنتھک پارٹی کے اجلاس میں درج ذیل قرارداد پاس کی گئی ۔

" ہم نے وزارت کے استعفے کی خبر کو زبردست تعجب سے سنا ہے ۔ ملک خضر حیات خاں وزیر اعظم نے ایسے وقت میں استعفیٰ داخل کیا ہے جبکہ کولیشن پارٹی (یونی نسٹ پارٹی) کو کہ جس کے وہ رہنما تھے اس ایوان میں واضح اکثریت حاصل تھی ۔ اور ہماری پارٹی پوری قوت کے ساتھ ان کی حمایت پر تلی ہوئی تھی ..... ہمارے احساسات یہ ہیں کہ وزیر اعظم نے اس ارادے

سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عنان حکومت ' انگریز کے ہاتھ سے ہندوستانیوں کے ہاتھ میں منتقل ہونے سے پہلے پہلے مسلم لیگ کو بر سر اقتدار آجانے کی سہولت بہم پہنچائیں۔ " ۱۰۰

یونینسٹ پارٹی کے خلاف سر ظفراللہ خاں کے اس تاریخی معرکہ کے بعد جب نواب ممدوٹ (جنہوں نے بعد میں مسلم لیگ کی وزارت عظمیٰ سنبھالی) قائداعظم سے ملاقات کے لئے نئی دہلی گئے۔۔۔ تو قائد نے فرمایا'

پاکستان کی منزل اب بالکل ہمارے سامنے ہے اور پنجاب پاکستان کا دل ہے۔ ۱۰۱

پاکستان کی منزل کو قریب تر لانے والے اور یونینسٹ پارٹی کا جنازہ نکالنے والے احمدی کے متعلق مصنف زندہ رود کی تحقیق کہ

"۔ سر ظفراللہ خاں نے یونینسٹ پارٹی سے تعلق آخر تک قائم رکھا" ۱۰۲

راقم کی رائے میں نظر ثانی کے لائق ہے۔

اسی طرح اقبال کے خدشہ کو دہرانے کی بجائے مصنف زندہ رود کے لئے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ قارئین کو بتاتے کہ احمدیوں کے طرز عمل سے اقبال کا یہ خدشہ بے حقیقت ہو کر رہ گیا کہ

"۔ احمدی یونینسٹ پارٹی کے اثر و رسوخ کے ذریعہ 'مسلمانوں کی تھوڑی سی اکثریت کو 'صوبائی لیجسلیچر میں (یا کسی اور موقعہ پر ۔ ناقل) شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔" ۱۰۳

۔ حواشی ۔

۱۔ زندہ رود ص ۔ ۵۷۶

۲۔ Superior even to the prophethood of the Founder of Islam was definately put forward.

۳۔ کتابچہ " احمدیت اور اسلام " ختم نبوت ۔ ادارہ طلوع اسلام مطبوعہ ۱۹۵۲ء

۴۔ زندہ رود ص ۲۹۶ (حیات اقبال کا وسطی دور) ۔ مقالہ کے اصل مسودہ پر اقبال کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نوٹ ۔ اصل مسودہ "مسلم کمیونٹی ۔ ایک معاشرتی مطالعہ " کے عنوان سے اقبال میوزیم میں محفوظ ہے۔

۵۔ زندہ رود ص ۵۵۱

۶۔ ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر ص ۹۳

۷۔ ایضاً ص ۹۳

۸۔ اقبال اور ملا ص ۱۳

۹۔ کلیات مکاتیب اقبال خط مورخہ ۲۵ ر اکتوبر ۱۵ء

۱۰۔ اقبال نامہ حصہ اول ص ۳۴

۱۱۔ ایضاً ص ۱۳۶

۱۲۔ ایضاً ص ۲۵۸ خط بنام نیاز الدین ۱۱ فروری ۱۹۳۱ء

۱۳۔ مکتوب بنام راغب صاحب ۳۰ ر مئی ۱۹۳۳ء جہان دیگر ۔ کراچی ۱۹۸۳ء ص ۴۳

۱۴۔ ایضاً ص ۴۹ مکتوب ۱۵ ستمبر ۱۹۳۳ء

۱۴/۱ مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین ص ۲۷ خط ۲۰ ر جنوری ۲۵ ناشر پروفیسر محمد منور ۔ اقبال اکادمی پاکستان

۱۵۔ الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۲۷ء

۱۶۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر۶ ص ۴۶۵ مولفہ مولانا دوست محمد صاحب شاہد مطبوعہ ۱۹۶۵ء۔ ربوہ

۱۷۔ ایضاً ص ۴۶۵

۱۸۔ روزنامہ انقلاب ۲۹ر اکتوبر ۳۱ء

۱۹۔ اقبال نامہ ص ۲۳۰

۲۰۔ مجاہد کبیر ص ۱۹۰ مطبوعہ دسمبر ۱۹۶۲ء

۲۱۔ K.L.Gauba 'Friends and Foes P.103 (People Publishing House. LHR.)

۲۲۔ خط بنام اکبر الٰہ آبادی کلیات مکاتیب اقبال ص ۴۲۱

۲۲/A۔ الفضل ۱۸ر جولائی ۱۹۳۵ء

علامہ کی تبدیلی رائے پر اخبار سیاست کا تبصرہ

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت امام جماعت احمدیہ نے ان وجوہ کے اظہار سے گریز کیا ہے جو احمدیت کے بارہ میں علامہ کی تبدیلی رائے کا موجب ہوئے مگر مسلم پریس میں ان وجوہ کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ مسلم اخبار "سیاست" لکھتا ہے۔

۱۔ "۔ علامہ سرڈاکٹر محمد اقبال صاحب امت مرحومہ کے ایسے فرد ہیں۔ جن کے وجود پر ہر مسلمان فخر و ناز کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے احتیاج اور اس سے زیادہ حاشیہ نشینوں کے گمراہ مشورہ نے سر موصوف کو ایسے راستہ پر لگا دیا ہے جو ڈاکٹر صاحب کو کعبہ مفاد ملت کے خلاف لے جا رہا ہے۔ (پرچہ ۱۴ر مئی ۱۹۳۵ء)

یہی پرچہ لکھتا ہے:۔

۲۔ "۔ شیعہ اور سنی اور حنفی اور وہابی اسی طرح یکجا نماز نہیں پڑھتے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات ازدواج قائم نہیں کرتے جیسے احمدی اور غیر احمدی۔ تاہم اس دلیل کو ترک کر کے میں علامہ ممدوح سے استصواب کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ کیوں چودھری ظفر اللہ خاں کے (وائسرائے کونسل میں۔ ناقل) تقرر کے بعد ان کی محبت ختم رسل (فداہ ابی و امی) میں جوش آیا اور کیوں اس سے پہلے وہ میدان میں نہ اترے۔ حالانکہ اس فتنہ کی عمر "کشمیر کمیٹی" اور "چودھری صاحب" کے تقرر سے کوئی تیس سال کے قریب زیادہ ہے" (پرچہ سیاست بحوالہ الفضل ۱۸ر مئی ۱۹۳۵ء)

۳۔ "۔ سیاست اخبار نے یہ بھی لکھا کہ جب علامہ بعثت مسیح اور ظہور مہدی علیہ السلام کو ڈھکوسلہ قرار دیتے ہیں۔ اور اسے مجوسیوں' یہودیوں اور نصرانیوں کا خیال ظاہر فرما رہے ہیں تو کیوں علماء احناف وغیرہ کو بلوا کر ان کے سامنے اپنا نظریہ پیش نہیں کرتے اگر علماء کا آپ کے ساتھ اتفاق ہو

جائے تو تحریک قادیان کو اس قدر ضرر پہنچے گا جو احرار کی فتنہ آرائی اور افتراق پروری اور دشنام طرازی سے ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ تعجب ہے سالہا سال سے احمدیوں غیر احمدیوں میں عقائد کی جنگ جاری ہے اور علامہ ایک رسالہ تک اس موضوع پر نہیں لکھ سکے۔"

"سیاست" نے منت درخواست کی کہ علامہ اس طرف توجہ کریں۔ مگر افسوس کہ علامہ وفات تک اس طرف راغب نہ ہوئے۔ دیکھئے سیاست بحوالہ الفضل ۱۸ مئی ۱۹۳۵۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۸ صفحہ ۱۷۶

جس تقرر کا اوپر ذکر ہے اخبارات میں وائسرائے کونسل میں اس تقرری کے لئے علامہ اقبال اور سر ظفر اللہ خاں کا نام بھی لیا جا رہا تھا۔ مگر حکومت نے سر ظفر اللہ خاں کا تقرر کر دیا۔ آپ نے مئی ۳۵ میں چارج لے لیا۔ "مئی ۳۵ میں ہی علامہ کی طرف سے احمدیت کے خلاف پہلا بیان جاری ہوا" (زندہ رود ص ۵۹۸)

۲۳۔ صور اسرافیل ملی بہایان ص ۱۵۰۔ (نغمات علمی)

۲۴۔ آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۲۴ مطبوعہ ۱۸۹۳ء

۲۵۔ رسالہ دلگداز جون ۱۹۲۶ء

۲۶۔ خط نمبر ۱۹ محررہ ۲ ستمبر ۱۹۲۵ مکاتیب اقبال نمبر ۱ ص ۵۱

۲۷۔ ص ۲۰

۲۸۔ کشتی نوح ص ۲۰

۲۹۔ الفضل ۳۰ مارچ ۱۹۳۵ء

۳۰۔ مظلوم اقبال ص ۲۰۸۔ شیخ اعجاز احمد صاحب کا اشارہ اپنے والد یعنی علامہ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد صاحب کی طرف ہے جو ان دنوں علامہ کے ہاں مقیم تھے۔ آپ احمدی تھے۔ آپ سے باآسانی دریافت کیا جا سکتا تھا۔

۳۱۔ زندہ رود ص ۵۸۷

۳۲۔ اقبال نامہ نمبر۲ ص ۲۳۰

۳۳۔ رسالہ تحفظ ختم نبوت ملتان

۳۴۔ ص۔ ۲۶۶

۳۵۔ نوائے وقت لاہور۔ (۲۳ جون ۱۹۹۰ء) کے کالم نویس میاں عبدالرشید نے اپنے کالم "نور بصیرت" میں بھی اسی قسم کے نظریہ کا اظہار کیا ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہنامہ "دعوت" لکھتا ہے۔ "کالم نویس میاں عبدالرشید اور ان جیسے لوگوں کے بارہ میں حضرت نوح نے فرمایا تھا۔"

تمہیں کیا ہو گیا ہے ۔ تم اللہ کے وقار کا کوئی خیال نہیں کرتے ۔ حالانکہ اس نے کئی اطوار سے تمہیں پیدا فرمایا ہے ۔" (ماہنامہ "دعوت" ستمبر ۱۹۹۰ء ص ۳۶)

۳۶ ۔ البقر آیت ۷۵

۳۷ ۔ لیکچر فضائل القرآن ص ۳۶۸

۳۸ ۔ اقبال نامہ حصہ اول مکتوب ۱۹ ر جولائی ۱۹۱۶ ص ۴۱

۳۹ ۔ مکتوب اقبال بنام والد صاحب محررہ ۳ ر جنوری ۱۹۲۰ء مظلوم اقبال

۴۰ ۔ علامہ کا خط ۔ تھاٹس اینڈ ری فلیکشن ز آف اقبال ص ۹۳ تا ۱۰۲ (مطبوعہ ۱۹۷۳ء)

۴۱ ۔ مظلوم اقبال ص ۱۹۲

۴۲ ۔ زندہ رود ص ۵۷۴

۴۳ ۔ ترجمان القرآن اپریل ۱۹۶۷ ص ۸۳ ۔ ۸۶ مضمون نگار جناب عبدالحمید صدیقی ۔

۴۴ ۔ وظیفہ کے حصول کی خواہش ---- علامہ کے مکتوب محررہ ۱۲ ر مئی ۱۹۳۵ء میں ہے (زندہ رود صفحہ ۵۵۰) انہی ایام میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں احمدی ۔ غیر احمدی کا سوال اٹھا کر چوہدری ظفر اللہ خاں کے خلاف ریزولیوشن پاس کرایا گیا تھا ۔

اس پر مسلم پرچہ "سیاست" نے لکھا : ---- "افسوس ہے کچھ عرصہ سے احتیاج اور اس سے زیادہ حاشیہ نشینوں کے گمراہ کن پروپیگنڈا نے سر موصوف (علامہ اقبال) کو ایسے راستہ پر لگا دیا ہے جو علامہ کو کعبہ مفاد ملت کے خلاف لے جا رہا ہے ۔ (اقبال ۔ انجمن کے صدر تھے (پرچہ سیاست ۱۴ ر مئی ۳۵)

۴۵ ۔ زندہ رود ص ۵۵۳ ۔

۴۶ ۔ مصنف زندہ رود کی چشم دید گواہی ہے کہ --- "اقبال ' نہرو خاندان بالخصوص پنڈت جواہر لال نہرو سے تو واقعی محبت کرتے تھے ۔ راقم نے اپنی آنکھوں سے انہیں پنڈت جواہر لال نہرو سے شفقت کا اظہار کرتے دیکھا ہے (زندہ رود ص ۴۱۸)

۴۷ ۔ بحوالہ خطوط اقبال ص ۲۵۶ ۔ مرتبہ رفیع الدین ہاشمی ۔ خط محررہ ۲۱ ر جون ۱۹۳۶ء

نوٹ ۔ اس خط سے تو قاری کی طبیعت میں یہ تاثر پیدا ہوتا ہے جیسے علامہ کا مخاطب "اسلام اور ہندوستان" دونوں کا زبردست موید و محافظ ہے ۔ اور ایک کلمہ گو جماعت کی بیخ کنی کے لئے علامہ کو اس کی مدد اور تعاون درکار ہے ۔

۴۸ ۔ ص ۵۷۵ و ۵۸۴

۴۹ ۔ ص ۵۸۴

۵۰ ۔ ص ۵۸۹

۵۱ ۔ ص ۶۳۰

۵۲ ۔ زندہ رود ص ۵۸۵ ۔

۵۳ ۔ آج کل تین ہزار روپے کی امداد شاید قابل تذکرہ نہ ہو ۔ لیکن ۱۹۳۰ء میں یہ رقم خاصی اہم تھی ۔ اس دور میں مسلم لیگ کی آمد و خرچ کا حساب کچھ یوں تھا ۔

During the year 1931-3
Muslim League's annual expenditure did not exceed Rs.3000/-. In 1933 with a total income of Rs.1319/- its annual expenditure showed deficit of Rs.564/-.
(A history of Indian people. P.374 By D.P.Singhal 1983 Published in Great Britian).

۵۴ ۔ پرچہ ۳۰ جون ۱۹۳۳ء بحوالہ الفضل ۹ ر جولائی ۱۹۳۳ء

۵۵ ۔ تاریخ احمدیت جلد نمبر ۷ ص ۱۶۷

۵۶ ۔ اداریہ ۲۹ ر جون ۱۹۴۴ء

۵۷ ۔ ہفت روزہ لاہور بحوالہ فاروق سوونیئر مجلس خدام الاحمدیہ لاہور دسمبر ۱۹۶۵ ص ۵۲

۵۸ ۔ زندہ رود ص ۵۷۳

۵۹ ۔ ایضاً ص ۵۸۹

۶۰ ۔ ایضاً ص ۶۵۷

۶۱ ۔ جنگ کراچی ۲۱ فروری ۸۶

۶۲ ۔ زندہ رود ص ۵۸۴

۶۳ ۔ اس آیت کے ذریعہ آخرین میں بھی محمد رسول اللہؐ کے بروزی رنگ میں آنے کی پیشگوئی کی گئی تھی جس کی تفسیر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کہ ۔ "اگر کسی زمانہ میں ایمان ثریا پر بھی چلا گیا تو اہل فارس کی نسل سے ایک یا ایک سے زیادہ لوگ اسے واپس لے آئیں گے اور ایمان کو از سرنو دنیا میں قائم کر دیں گے (بخاری کتاب التفسیر)

۶۴ ۔ ایک غلطی کا ازالہ مطبوعہ ۱۹۰۱ء ص ۱۴

۶۵ ۔ الخیرا کثیر

۶۶ ۔ ماہنامہ فکر و نظر جنوری ۸۴ صفحہ ۱۵ ۔ ۳۹ ادارہ تحقیقات اسلامی ۔ اسلام آباد

۶۷۔ مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۱۱۷
۶۸۔ اقبال نامہ حصہ دوئم ص ۱۰۶
۶۹۔ زندہ رود ص ۵۵۱
۷۰۔ مکاتیب اقبال حصہ اول ص ۴۱۹
۷۱۔ مکاتیب حصہ اول ص ۱۹۹۔ خط ۷ر اگست ۱۹۳۷ء ۔ A/۷۱
۷۲۔ دیکھئے مکتوب ۲۷ر مئی ۱۹۳۷ء
۷۳۔ کتاب تعلیمات اسلام بحوالہ مسیحی اقوام ص ۲۲۸۔ ۲۳۰
۷۴۔ سرود رفتہ
۷۵۔ رسالہ انڈین اینٹی کویری ستمبر ۱۹۰۰ ص ۲۳۹
۷۶۔ حقیقتہ الوحی ص ۱۲۰
۷۷۔ از مولوی عبدالحق غزنوی اشاعۃ السنہ جلد نمبر ۱۳ ص ۷ و ص ۱۰۴
۷۸۔ جامع الصغیر سیوطی جلد نمبر ۲ ص ۱۵۱
۷۹۔ زندہ رود صفحہ ۵۷۵ تا ۵۷۸
۸۰۔ ایضاً ص ۵۷۹
۸۱۔ الفضل یکم مئی ۱۹۳۵ء
۸۲۔ ص ۵۹۰، A/۸۲ ص ۵۹۶
۸۳۔ اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۴۲۸
۸۴۔ الفضل ۲۱ر اپریل ۱۹۵۵ء
۸۵۔ الفضل ۲۰ جون ۱۹۴۷ء بحوالہ حیات بشیر از مولانا شیخ عبدالقادر صاحب مربی مرحوم (ص ۸۸)
۸۶۔ پرچہ ۲۷ فروری ۱۹۳۲ء
۸۷۔ بحوالہ زمیندار ۱۴ر مئی ۱۹۳۵ء ص ۳
۸۸۔ بحوالہ الفضل ۲۴ر مئی ۱۹۳۵ء
۸۹۔ ایضاً
۹۰۔ الفضل ۱۸ مئی ۳۵ء ص ۹

۹۱۔ بحوالہ الفضل یکم جولائی ۱۹۳۵ء ص ۸
۹۲۔ ظفر علی خاں اور ان کا عہد ص ۴۷۵
۹۳۔ الفضل ۱۴ر فروری ۱۹۳۵ء
۹۴۔ زندہ رود ص ۵۵۲
۹۵۔ الحکم ۲۸ نومبر ۱۹۱۰ء ص ۶
۹۶۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۱۵۲
۹۷۔ ٹرانسفر آف پاور جلد ۹ ص ۸۳۰
۹۸۔ لاہور تاریخ احمدیت ص ۵۲۵ مصنفہ مولانا شیخ عبدالقادر مربی مرحوم سابق سوداگر مل ناشر شیخ عبدالشکور (مطبوعہ ۱۹۶۶ء)
۹۹۔ ہفتہ روزہ پیسہ اخبار لاہور ۱۰ر مارچ ۱۹۴۷ء
۱۰۰۔ ایضاً
۱۰۱۔ ایضاً ۲۴ اپریل ۱۹۴۷ء
۱۰۲۔ زندہ رود ص ۵۹۱
۱۰۳۔ زندہ رود ص ۵۹۶

Hazra. Al-Haj Hakim Moulvi Noor uddin

1908 - 1914 A.D

بانی سلسلہ احمدیہ کے پہلے جانشین حضرت الحاج مولوی حکیم نور الدین صاحب

آپ ہی کے دور میں علامہ اقبال نے علی گڑھ میں اعلان کیا تھا کہ :-

"قادیانی جماعت، خالصتا" مسلم کردار کا طاقتور مظہر ہے"

مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح سے روابط

اقبال اور جماعت احمدیہ

زندہ رود کے مطالعہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے - کہ اقبال اپنے تئیں مسلم لیگ اور قائداعظم کا ایک ادنیٰ سپاہی سمجھتے تھے - اقبال اور جناح کی یہ کوشش تھی کہ مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کیا جائے --- مگر جماعت احمدیہ کی روش اس کے برعکس تھی -

راقم کے نزدیک یہ تو درست ہے کہ "اقبال اور جناح" کے نظریات میں کچھ عرصہ ہم آہنگی رہی مگر مورخین کے نزدیک اسے عمر بھر کی ہم آہنگی قرار نہیں دیا جا سکتا -

مؤرخ پاکستان جناب عاشق حسین بٹالوی "اقبال، جناح" روابط پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :-

" - ڈاکٹر اقبال اور مسٹر جناح کے درمیان اس (۱۹۳۵ء) سے قبل کبھی گہرا ربط و ضبط قائم نہیں ہوا تھا - ڈاکٹر صاحب ۱۹۲۷ء تک سیاسیات میں عملی حصہ لینے سے ہمیشہ گریزاں رہے - یہاں تک کہ تحریک عدم تعاون کے زوال کے بعد جب آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا اور اس دور کا پہلا اجلاس مئی ۱۹۲۴ء میں لاہور کے گلوب تھیٹر میں منعقد ہوا تو علامہ اقبال کے مکان واقعہ میکلوڈ روڈ اور گلوب تھیٹر کی دیواریں ساتھ ساتھ تھیں لیکن اس قرب مکانی کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے مسلم لیگ کے جلسے میں قدم رکھنا بھی گوارا نہ کیا -" [۱]

یہ وہ دور ہے جب شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں نے ملک کا امن برباد کر دیا تھا - اور مسلمانوں کا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے یکجا ہونا بہت ضروری تھا - اس نازک مرحلہ پر حضرت امام جماعت احمدیہ مضطرب ہو کر میدان عمل میں آئے اور آپ نے قادیان سے لاہور تشریف لا کر

۱۴ر نومبر ۱۹۲۳ء کو بریڈلا ہال کے ایک پبلک لیکچر میں مسلمانوں کو آمادہ عمل ہونے کی ترغیب و تلقین کرتے ہوئے سب سے پہلی نصیحت یہ فرمائی کہ

مسلمان اپنے تئیں مضبوط کریں۔ جس کے لئے مسلم لیگ جیسی تنظیموں کا زندہ و قائم رکھنا ضروری ہے تا مسلمانوں کے قومی حقوق کا تحفظ ہو۔ (ریویو آف ریلیجنز جون ۱۹۲۴ء)

۱۹۲۷ء میں حضور کی شملہ میں مسٹر جناح سے ملاقات ہوئی اور آپ کو ان کے ساتھ گھنٹوں مل کر کام کرنے کا موقع ملا۔ تو حضور نے فرمایا:۔

"۔ میں مسٹر جناح کو ایک بہت ہی زیرک۔ قابل اور مخلص خادم قوم سمجھتا ہوں۔"[۲]

ادھر علامہ اقبال کا جو ربط و ضبط ۱۹۳۵ء میں قائم ہوا۔ اس کی ۱۹۳۸ء میں کیا کیفیت ہو چکی تھی ؟ اگلی سطور میں ملاحظہ ہوں

اقبال کی بستر مرگ سے اپنے قائد کے خلاف جنگ

گذشتہ سطور میں بیان شدہ حقائق سے ظاہر ہے کہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے علامہ اقبال کی عملی سیاست یا ان کی قائدانہ صلاحیتوں کو خراج تحسین ادا کرنا بڑے دل گردہ کا کام ہے۔ علامہ کے سیاسی اثر و رسوخ کا یہ حال تھا کہ ۔۔۔ "پنجاب کے مسلمانوں میں کانگریس کی موافقت کے جذبات' سرعت کے ساتھ بڑھنے لگے۔"[۳]

علامہ کی وفات کے قریب اقبال جناح کشمکش کے سلسلہ میں علامہ کی آخری تحریر کو پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں کہا گیا تھا کہ ۔۔۔ "سکندر جناح میثاق کو کالعدم سمجھا جائے۔ مسٹر جناح نے علامہ کی وفات سے ۱۷ دن پیشتر بذریعہ تار اس کی اشاعت رکوا دی۔ مولانا عبدالمجید سالک لکھتے ہیں۔ " یہ چیز علامہ کے لئے بہت مایوس کن تھی (ذکر اقبال ص ۲۰۹) اس کشمکش کی دوسری شق یہ تھی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے دفتر سے مسٹر جناح کے دستخطوں سے سرکلر جاری ہوا کہ ۱۵ر مارچ ۱۹۳۸ء سے پیشتر تمام صوبائی لیگوں کی طرف سے مرکز میں الحاق کی درخواستیں بھجوائی جائیں ۔۔۔ درخواستیں پہنچیں۔ تو پنجاب لیگ کے متعلق بعد از غور فیصلہ ہوا کہ مرکز اس کا الحاق کرنے سے معذور ہے۔ یہ خط ۵ر اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ تک پہنچا دیا گیا (علامہ کی جگہ اب نواب ممدوٹ صدر ہو چکے تھے مگر علامہ روزمرہ کے کاموں میں دلچسپی لے رہے تھے) بستر علالت پر یہ خبر' علامہ کے لئے بہت صدمہ کا موجب بنی اور علامہ پیچ و تاب کھا کر

رہ گئے۔ کیونکہ قائداعظم اور آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکز نے وہی کچھ کیا۔ جو یونینسٹ پارٹی چاہتی تھی۔ اس پر علامہ کے دست راست ملک برکت علی نے قائداعظم مسٹر جناح کے نام ایک ناملائم خط روانہ کیا۔ جس میں لکھا:۔

"۔ ہم یہ تو برداشت نہیں کر سکتے کہ ہماری اس لیگ کا الحاق نامنظور کر دیا جائے جو گذشتہ ربع صدی سے آل انڈیا مسلم لیگ کی ایک ملحقہ شاخ چلی آ رہی ہے اور جس کے ممبران کی فہرست میں ڈاکٹر سر محمد اقبال ایسے عظیم المرتبت اور ہندوستان گیر شہرت کے آدمی کا نام نامی بھی موجود ہے"[۴]

مگر قائداعظم کے پیش نظر مسلم مفاد تھا۔ " ہندوستان گیر شہرت کے آدمی" کا حوالہ آپ کو قائل کرنے کے لئے ناکافی ثابت ہوا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا خصوصی اجلاس ۱۸،۱۹ اپریل کو کلکتہ میں ہونے والا تھا۔ ۱۴ر اپریل کو علامہ نے اپنے رفقاء (ملک برکت علی' خلیفہ شجاع الدین۔ غلام رسول خاں۔ پیر تاج الدین۔ ملک زمان مہدی اور عاشق حسین بٹالوی) کو حکم دیا کہ کلکتہ جا کر (جناح و مرکزی لیگ سے) اپنی جنگ لڑو۔ وفد رخصت ہونے لگا تو پھر فرمایا۔ کسی کی پروا نہ کرنا (تلخیص صفحہ ۶۰۹)

اس وفد کے پاس الحاق کی نئی درخواست بھی تھی۔ مگر وہ بیکار گئی کیونکہ جب وفد کلکتہ پہنچا تو قائداعظم نے فرمایا ۔۔۔۔ پنجاب میں ایک نئی پراونشل مسلم لیگ قائم کی جائے گی۔ جسے مرتب کرنے کے لئے ۳۵ر آدمیوں کی آرگنائزنگ کمیٹی مقرر کی جاتی ہے۔ ۲۵ر آدمی یونینسٹ پارٹی کے اور ۱۰ر آدمی پنجاب لیگ سے لئے جائیں گے ۔۔۔۔ علامہ کی طرف سے تیار کردہ یہ وفد ۲۱ر اپریل کو قائداعظم سے ناکام جنگ لڑنے کے بعد جب لاہور ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تو ایک اخبار فروش لڑکا چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ علامہ اقبال وفات پا گئے۔ اور یوں اقبال کی بستر مرگ سے اپنے قائد کے خلاف یہ جنگ تاریخ کا حصہ بن کر رہ گئی۔

اقبال جناح مفاہمت ۔ عدم مفاہمت ۔ ایک اور پہلو

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" میں ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں :۔

" جہاں تک میری ناچیز معلومات کا تعلق ہے ڈاکٹر اقبال اور مسٹر جناح کے درمیان اس (۱۹۳۶ء ۔ ناقل) سے قبل کبھی گہرا ربط و ضبط قائم نہیں ہوا تھا ۔ (ص ۲۹۳) اس مفاہمت کی کہانی کچھ یوں ہے ۔ کہ ۱۹۳۶ء میں مسٹر جناح لاہور تشریف لائے اور یونینسٹ پارٹی کے بانی سر فضل حسین سے ملاقات کی اور خواہش ظاہر کی کہ مسلمان ' امیدواروں کو لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصہ لینا چاہئے ۔ سر فضل حسین کا کہنا تھا ۔ کہ یہ طریقہ کار پنجاب میں مسلمانوں کے لئے مفید نہیں رہے گا کیونکہ اسمبلی میں مسلمانوں کی اکثریت اس صوبہ میں برائے نام ہے ۔ جو کسی وقت بھی خطرہ میں پڑ سکتی ہے ۔ اول تو یہ بات بعید از قیاس ہے کہ تمام مسلمان ایک ہی ٹکٹ پر کھڑے ہوں ۔ پھر اگر ان میں سے تین چار بھی علیحدہ ہو گئے تو مسلمان ' اقلیت میں ہو جائیں گے جو ہندوؤں اور سکھوں کی فتح ہو گی ۔۔۔ مسٹر جناح نے بھی اپنے موقف کے حق میں دلائل دیئے ۔ مگر اس بحث کا کوئی نتیجہ نہ نکلا ۔۔

اس کے بعد مسٹر جناح ' علامہ اقبال سے ملے جو بعض وجوہ کے باعث سر فضل حسین اور ان کی پارٹی کے شدید مخالف تھے ۔ سر فضل حسین اور ان کی پارٹی کو چت گرانے کے شوق میں آپ نے مسٹر جناح کی امداد کی حامی بھرلی ۔ مولانا ظفر علی خاں کی مجلس "اتحاد ملت" سے کسی قسم کی خیر کی توقع نہ تھی ۔ مولانا کانگرسی رجحان رکھتے تھے ۔ " مجلس احرار بھی کانگریس کی ہمنوا تھی " (زندہ رود ص ۵۸۵) ۔ مسٹر جناح کو تو یہاں کے حالات کا تفصیلی اور جامع علم نہ تھا ۔ علامہ نے مسٹر جناح کو مشورہ دیا کہ وہ ان پارٹیوں کو بھی مسلم لیگ میں شامل کرنے کی غرض سے ان کے لیڈروں سے ملیں (ص ۵۸۵) ۔ مجلس احرار نے مسلم لیگ کے پارلیمانی بورڈ میں شریک ہونے کے لئے یہ "لایعنی مطالبہ" پیش کر دیا کہ کسی قادیانی کو لیگ میں شامل نہ کیا جائے ۔ مگر مسٹر جناح نے یہ شرط تسلیم کرنے کا وعدہ نہ کیا ۔ بہرحال ان دونوں جماعتوں

کے لیڈروں نے پارلیمانی بورڈ میں شرکت پر رضامندی کا اظہار کر دیا تو مسٹر جناح نے چار نشستیں "احرار" کو اور تین "اتحاد ملت" والوں کو دیں ۔

۔۔۔ احرار کا خیال تھا کہ جناح فنڈ سے پنجاب کو جو ایک لاکھ روپیہ ملے گا ۔ اس کا بیشتر حصہ انہی کی مرضی اور صوابدید سے خرچ ہو گا ۔ جب ایسا نہ ہو سکا تو انہوں نے لیگ سے علیحدگی کے لئے ایک تدبیر یہ نکالی ۔ کہ مسلم لیگ کے امیدواروں کے حلف نامے میں یہ شق داخل کرنے کی تجویز پیش کر دی کہ کامیاب ممبر' پنجاب اسمبلی میں جا کر قادیانیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دیئے جانے کے لئے انتہائی کوشش کرے گا ۔

۔۔۔ ظاہر ہے یہ شق قائداعظم کے منشاء کے خلاف تھی ۔

۔۔۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی ۔ لکھتے ہیں :۔

" ۔ سچی بات یہ ہے کہ (احراری لیڈر) مولانا حبیب الرحمٰن نے یہ نئی شق پیش کر کے ہمیں حیران ہی نہیں پریشان کر دیا تھا ۔ ہم میں سے کوئی شخص مرزائیت یا غیر مرزائیت کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا تھا ۔ یوں بھی مسلم لیگ جیسی قومی اور سیاسی جماعت سے توقع رکھنا کہ مرزائیت کے بارہ میں اپنے عقیدے کا اعلان کرے ایک "لایعنی بات" تھی (اقبال کے آخری دو سال ص ۳۲۵)

قائداعظم کو تو اس امر پر آمادہ نہ کیا جا سکا کہ وہ احمدیوں کو علیحدہ اقلیت قرار دے دیں ۔ مگر علامہ اقبال اس دور میں احمدیوں کے بارہ میں تعصب کا شکار ہو چکے تھے ۔ انہیں قائداعظم کے نقطہ نظر کی پروا نہ تھی ۔ وہ احرار سے مفاہمت کر چکے تھے اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے ۔ چنانچہ اگلے دن جب یہ حلف نامہ ' علامہ کو دکھایا گیا تو علامہ نے ۔۔

" مرزائیت کے متعلق نئی شق بڑھائی جانے پر کسی تعجب کا اظہار نہ فرمایا اور نہ کوئی اعتراض کیا (ایضاً ص ۳۲۶)

بہرحال کچھ عرصہ بعد بقول مصنف زندہ رود " دونوں جماعتوں کے (خود غرض ۔ ناقل) لیڈر ' اپنی اپنی اغراض حاصل نہ ہو سکنے کے سبب مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے ۔" (ص ۵۸۹)

بعد میں جب پنجاب لیگ نے مرکزی آل انڈیا لیگ سے الحاق کی درخواست دی تو قائداعظم نے یہ درخواست مسترد کر دی ۔ یہ ایک علیحدہ کہانی ہے ۔

اقبال نے اپنے مکتوب ۱۰ر نومبر ۱۹۳۷ء بنام قائداعظم میں لکھا تھا کہ اگر لیگ پارلیمنٹری

بورڈ کی نئے سرے سے تشکیل ہوئی اور اس میں یونی نسٹ پارٹی کے آدمیوں کو اکثریت عطا ہوئی تو اس کاروائی کا مقصد یہ ہو گا کہ کسی نہ کسی طرح لیگ پر قبضہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے (اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۵۰۵) اقبال کا موقف تھا کہ مسلم لیگ اور یونی نسٹ پارٹی کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے بلکہ آپ نے اس مضمون کا ایک اعلان بھی اشاعت کے لئے تیار کر لیا تھا مگر قائداعظم نے اس کی اشاعت رکوا دی۔ (زندہ رود صفحہ ۶۶۴) زاں بعد قائداعظم نے نہ صرف پنجاب لیگ کی مرکز سے الحاق کی درخواست مسترد کر دی بلکہ لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی نئے سرے سے تشکیل کر دی اور اس میں سر سکندر حیات کی زیر قیادت یونی نسٹ پارٹی کے آدمیوں کو اکثریت عطا کر دی (زندہ رود صفحہ ۶۳۵) واضح رہے کہ یونی نسٹ پارٹی کو پنجاب کے مسلمانوں کی اکثریت کی حمایت حاصل تھی اور اس میں ۹۰٪ مسلمان" تھے (اقبال کے آخری دو سال صفحہ ۴۶۱) جبکہ لیگ کو اس دور میں عوامی جماعت کا مقام حاصل نہ ہو سکا تھا۔ اور وسائل کے اعتبار سے بھی اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایسے حالات میں قائداعظم ایسے دور اندیش لیڈر کے نزدیک اقبال کے موقف سے ہم آہنگی کا اظہار مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے یا اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے مترادف تھا۔ خود مصنف زندہ رود نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے قائداعظم کے اقدام کو "دانشمندانہ" قرار دیا ہے۔ (ص ۶۴۷)

قارئین کرام! علامہ بار بار کہہ رہے ہیں کہ مسلم اتحاد کو توڑنے کی ذمہ داری یونی نسٹ پارٹی پر عائد ہوتی ہے۔ ان کے ہاتھ میں صوبائی لیگ کی باگ ڈور دینا ان کو اکثریت دینا، لیگ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے مترادف ہے۔ علامہ اس خدشہ کا بھی اظہار کر رہے ہیں۔ کہ اگر احمدیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو وہ "یونی نسٹ پارٹی کے اثر و رسوخ کے ذریعہ مسلمانوں کی تھوڑی سی اکثریت کو صوبائی لیجسلیچر میں شدید نقصان پہنچا سکتے ہیں۔" (زندہ رود صفحہ ۵۹۶)۔ مگر جب قائداعظم صوبائی لیگ کی باگ ڈور یونی نسٹ پارٹی کے ہاتھ میں تھما کر اس کے اثر و رسوخ کو سہ آتشہ بنا دیتے ہیں تو مصنف زندہ رود فرماتے ہیں کہ یہ ایک "دانشمندانہ" فیصلہ تھا۔۔۔۔

ان حالات میں کچھ عرصہ کے لئے اگر جماعت احمدیہ نے علامہ اقبال کے "غیر دانشمندانہ" طرز عمل کی حمایت کرنے کی بجائے قائداعظم کے "دانشمندانہ" فیصلہ کو وقعت دی تو بجائے'

کیا غضب ہو گیا۔ اسے لیگ دشمنی پر معمول کرنا یا یہ پروپیگنڈا کرنا کہ مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ذمہ داری جماعت احمدیہ پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکر درست قرار دیا جا سکتا ہے!

جماعت احمدیہ پر بلاوجہ۔ برہمی

راقم کی رائے میں مصنف، جماعت احمدیہ کے اس دور کے طرز فکر و عمل پر بلاوجہ برہم ہیں۔

- مصنف کو قائداعظم سے کوئی شکوہ نہیں۔ جنہوں نے سکندر جناح پیکٹ کر کے ایسے اقدام کئے جو اقبال کے نقطہ نگاہ سے لیگ کو موت کے گھاٹ اتارنے والے تھے۔
- مصنف کو پنجاب کے مسلمانوں سے بھی کوئی شکایت نہیں۔ جنہوں نے یونی نسٹ امیدواروں کے حق میں ووٹ دے کر انہیں بھاری اکثریت سے کامیاب کرایا۔
- مصنف، اقبال کی قائدانہ صلاحیتوں پر بھی انگشت نمائی کے لئے تیار نہیں جن کے صدارتی دور کے اختتام کے قریب لیگ کی مقبولیت کا گراف اس بری طرح گر گیا کہ آپ نے (اپنے مکتوب ۲۲ر اپریل ۱۹۳۷ء میں) خود مسٹر جناح کو اطلاع دی کہ۔۔ "پنجاب کے مسلمانوں میں کانگریس کی موافقت کے جذبات سرعت کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔"
- مصنف کو "شیعوں" سے بھی کوئی شکوہ نہیں۔ جنہوں نے:۔

"بورڈ میں یہ مطالبہ پیش کیا کہ مجالس قانون ساز اور انتخابی ادارت میں مسلمانوں کی نشستوں میں سے "شیعوں" کا حصہ الگ مخصوص کر دیا جائے (اداریہ انقلاب لاہور ۲۷ جنوری ۱۹۳۵ء صفحہ ۳)

- مصنف کو "اہل حدیثوں" پر کوئی غصہ نہیں۔ جنہوں نے اس دور میں علیحدہ نیابت اور مخلوط انتخاب پر زور دے رکھا تھا۔
- مصنف احراریوں کو بھی معصوم سمجھتے ہیں۔ جنہوں نے خاص طور پر لکھنؤ میں شیعوں کے خلاف فتنہ خوابیدہ، بیدار کیا اور یوں مسلم اتحاد کو ٹھیس پہنچانے کی سازشیں کیں۔

مصنف کے نزدیک مذکورہ بالا جماعتوں یا شخصیتوں کا کوئی اقدام ایسا نہیں، جس کی وجہ سے ان پر مسلم اتحاد توڑنے کا الزام عائد کر کے انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے کا مطالبہ

جائز ہو۔

مصنف کو اگر غصہ ہے تو صرف جماعت احمدیہ پر، جس کی تعداد علامہ کے نزدیک صوبہ بھر میں صرف ۵۶ ہزار تھی۔۔۔ مصنف کے نزدیک اس جماعت نے چونکہ یونی نسٹ پارٹی کے ساتھ تعاون کیا۔ اس لئے ان کے متعلق اقبال کے دل میں ایک خدشہ پیدا ہوا کہ یہ یونی نسٹوں کے کہنے پر غیر مسلموں کے ساتھ مل جائے گی۔ اس لئے اس پر مسلم اتحاد کو پارہ پارہ کرنے اور پھر اسے غیر مسلم قرار دے دینا ضروری تھا۔۔۔۔ یہ سوچ کس حد تک معقول ہے؟

قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

باب نمبر ۸

۔حواشی۔

۱۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۲۹۳

۲۔ مسلمانان ہند کے امتحان کا وقت ص ۹

۳۔ علامہ کا خط بنام قائداعظم ۲۲ ر اپریل ۱۹۳۷ء

۴۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۶۰۹

فصل نمبر ۱

باب نمبر ۹

سر فضل حسین پر نکتہ چینی

مصنف زندہ رود فرماتے ہیں:۔

"۔ اقبال' کے سر فضل حسین سے تعلقات ۔۔۔۔ ان کی ۔۔۔۔ انگریز کے ساتھ ذلت آمیز وفاداری کے باعث خراب ہوئے تھے" (صفحہ ۶۳۷)

اس الزام میں کوئی وزن دکھائی نہیں دیتا۔

سر فضل حسین کے ملی کارناموں پر مجموعی اعتبار سے نظر ڈال جائے تو کوئی غیر متعصب محقق، آپ کی معاملہ فہمی، سیاسی بصیرت اور بے غرضانہ خدمات کی داد کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ نے ہر مرحلہ پر مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے ہندو، سکھ اور انگریز کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

سر فضل حسین کی ملی خدمات

مورخہ پاکستان جناب عاشق حسین بٹالوی" کی رائے میں:۔

"۔۔۔ سر فضل حسین سے پہلے تین مسلمان علی الترتیب وائسرائے کی کونسل کے ممبر رہ چکے تھے۔ سر علی امام، سر محمد شفیع اور سر حبیب اللہ ۔۔۔ لیکن تدبر، معاملہ فہمی، سیاسی بصیرت اور مسلمانوں کی حیثیت کو مضبوط کرنے کے لحاظ سے ان تینوں میں سے کوئی شخص میاں (فضل حسین) صاحب کے برابر کام نہ کر سکا۔" ۱۔

پھر لکھتے ہیں:۔

"۔ بڑے بڑے فرعون صفت انگریزوں سے سر فضل حسین کا واسطہ پڑا۔ لیکن انہوں نے ہر فرعون کی اکڑی ہوئی گردن کو جھک جانے پر مجبور کر دیا" ۲۔

عبدالمجید سالک "سرگذشت" میں لکھتے ہیں:۔ سر فضل حسین کوئی چودہ سال اقتدار کے عہدوں پر فائز رہے اور اس مدت میں زمینداران پنجاب۔ مسلمانان پنجاب۔ مسلمانان ہند اور اہل ہند کے لئے جو کچھ انہوں نے کیا۔ اس کی داستان بہت طویل ہے۔ لارڈ ولنگڈن نے کہا تھا کہ میں تمام مسلمانان ہند کے دو ہی لیڈروں کو مانتا ہوں۔ جنہوں نے اس قوم کی مستقل و پائدار خدمت کی ہے۔ ایک سر سید احمد خاں اور دوسرے سر فضل حسین'۔ میرے نزدیک بھی یہ خراج تحسین بالکل حق بجانب تھا۔ ۳

مصنف زندہ رود کی تحقیق کے مطابق انگریز حاکم نے اواخر جنگ عظیم میں ۔۔ "اقبال کو ایک نظم تحریر کرنے کی فرمائش کی جس کو ٹالنے کی کوئی صورت نہ نکل سکتی تھی ۔ اقبال نے مجبوراً نظم لکھی ۔ ۴۔

دوسری طرف سر فضل حسین کا کردار یہ تھا کہ آپ نے ۔۔ "ہر فرعون (انگریز) کی اکڑی ہوئی گردن کو جھک جانے پر مجبور کر دیا ۔

ان حقائق کے ہوتے ہوئے مصنف زندہ رود کا یہ دعویٰ کہ ۔۔ "سر فضل حسین انگریز کے ذلت آمیز وفادار تھے ۔۔" ۔ کتنا عجیب لگتا ہے ۔

قابل فخر خدمت گزاری

سر فضل حسین کے کام اور مقام کا اندازہ کرنے کے لئے ۱۹۳۵ء کے انقلاب کا ایک اداریہ کافی ہے جس کا عنوان ہے "ملک و ملت کا ایک قابل فخر خدمت گزار"

"۔۔ آنریبل سر فضل حسین چودہ پندرہ برس تک حکومت پنجاب اور حکومت ہند کے بلند ترین عہدوں پر فائز رہنے کے بعد اواخر مارچ (۱۹۳۵ء) میں اپنی گراں بہا ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو رہے ہیں ۔ انہوں نے اپنے رنگ میں اپنے دائرہ عمل کے حدود کو مد نظر رکھتے ہوئے ملک ۔ قوم اور ملت کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں ۔ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ کوئی دوسرا ہندوستانی ان کی نظیر اور امثال پیش نہیں کر سکتا .....

مسلمانوں پر انہوں نے جو گراں بہا احسان کئے ان کے تشکر اور سپاس گزاری سے ہماری ملت کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی ۔ اسلامی حکومت کے زوال کے بعد ' مسلمان ہر لحاظ سے تباہ ہو چکے تھے ۔ اس دور زوال میں سب سے پہلے سرسید احمد خاں مرحوم اٹھے ۔ جنہوں نے بدلے ہوئے حالات اور بدلی ہوئی فضا کے مطابق مسلمانوں کو از سر نو اٹھنے اور زندہ ہونے کی راہیں بتائیں ۔۔۔۔ مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے مسلمانوں میں مذہبیت اور ملیت کے بے پناہ جذبات پیدا کئے ۔۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہو گا کہ ایک جوہڑ میں جوش و تموج پیدا کر کے اسے ایک اتھاہ سمندر بنا دیا ۔۔۔۔ لیکن ملی و قومی زندگی کا ایک اہم دائرہ یہ بھی تھا کہ مسلمان ایک قوم کی حیثیت میں ایک مستقل پروگرام کو لے کر بہ حالت سکوں کیونکر آگے بڑھیں ۔ بلند مقاصد کے لئے مجاہدانہ اقدامات ۔ بڑے قیمتی ۔ بڑے بیش بہا اور بڑے قابل قدر

ہیں ۔ لیکن مجاہدانہ اقدامات قوموں کے اندر ہر وقت جاری نہیں رہ سکتے ۔ اس امر کی ضرورت تھی کہ مسلمان کے سامنے ' سکون ۔ اطمینان اور استقلال کے ساتھ تعمیری اور اصلاحی کاموں کا راستہ پیش کیا جاتا ۔ یہ وظیفہ میاں سر فضل حسین نے انجام دیا ۔ اور حق یہ ہے کہ بڑی قابلیت ۔ بڑی خوبی اور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا .....

مسلمانوں نے گذشتہ پندرہ سال کی مدت میں جتنی ترقی کی ہے ۔ اس میں سب سے بڑھ کر میاں سر فضل حسین کی شاندار اور صحیح ملکی خدمات کا حصہ ہے ۔ مسلمان اگر آج ملک کے اندر ایک مستقل اور عزت مند قوم نظر آ رہے ہیں تو اس استقلال اور عزت مندی کے لئے انہیں سب سے بڑھ کر میاں صاحب ہی کی مساعی مشکور کا ممنون ہونا چاہئے .....

بلاشبہ میاں صاحب فرشتے نہیں ہیں بلکہ انسان ہیں ۔ ممکن ہے ان سے گذشتہ پندرہ سال کی مدت میں غلطیاں بھی سرزد ہوئی ہوں ..... لیکن ان سے ان کی شاندار اور مستقل و محکم ملی و قومی خدمات پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ وہ اس دور میں مسلمانوں کے ہی نہیں بلکہ (سارے) ملک کی ایک بہت بڑی اور قابل قدر ہستی ہیں ۔

خواجہ حسین نظامی صاحب نے اعلان کیا ہے کہ ۲۹ مارچ کو ہندوستان بھر میں "یوم فضل حسین" منایا جائے اور اس روز بعد نماز جمعہ ہر مسجد میں میاں صاحب کی صحت و سلامتی کے لئے پروردگار عالم کے دربار میں دعائیں کی جائیں ۔ ہمیں امید ہے کہ مسلمان خواجہ صاحب کی اس تجویز پر پورے جوش کے ساتھ عمل کریں گے ۔ ۴۵

مسلمانوں کے "اورنگ زیب"

سر فضل حسین کے دل میں مسلم قوم کے لئے بڑا درد تھا ۔ انہوں نے مسلم مفاد کے لئے بڑا کام کیا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ

0 ۔ اسلامی انجمنوں نے قرار دادیں منظور کر کے برملا سر فضل حسین کی تائید کی ۔

0 ۔ مسجدوں تک میں فضل حسین کی تندرستی اور درازی عمر کی دعائیں مانگیں جانے لگیں ۔

0 ۔ اپنی قوم میں فضل حسین کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۳ء کو راجہ نریندر ناتھ نے پنجاب کونسل میں ان کے خلاف مسلسل کئی گھنٹے تک تقریر کی ..... انہوں نے فضل حسین کو فرقہ پرستی کا بانی ' ہندو مسلم اتحاد کا دشمن اور ہندوؤں کا بدخواہ قرار دیا ۔ آخر میں

انہوں نے میاں صاحب کو مخاطب کر کے کہا:

اورنگ زیب مت بنو۔ اکبر بننے کی کوشش کرو۔

جواباً (میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کے والد جناب احمد یار خاں دولتانہ نے اپنی پرجوش تقریر کے آخر میں کہا:۔

O "۔ راجہ صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا ہے کہ وزیر تعلیمات (میاں سر فضل حسین) اورنگ زیب کی پالیسی اختیار کر رہے ہیں۔ میں راجہ صاحب کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس وقت بہت سے "سیوا جی" ہمارے مدمقابل بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمیں "اکبر" پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں "اورنگ زیب" پیدا کرنے چاہئیں ـــ۔ مجھے یہ کہنے میں مسرت اور فخر ہے کہ خواہ کتنے ہی "سیوا جی" ہمارے سامنے آ جائیں۔ میاں سر فضل حسین تنہا ان کا مقابلہ کرنے کو کافی ہیں" ۵

جہاں تک بیرون ملک مسلم حقوق کی نگہداشت کا تعلق ہے۔ جناب عاشق حسین بٹالوی کے لفظوں میں

O "۔ گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کو جس قدر کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کا سہرا میاں فضل حسین کے سر ہے۔" ۶۔

مصنف زندہ رود لکھتے ہیں۔

" مرزا بشیر الدین محمود نے ظفر اللہ خاں کو ہدایت کی کہ کونسل میں اور سیاسی میدان عمل میں سر فضل حسین کے ساتھ پورا تعاون کیا جائے۔۷۔

اگر یہ اظہار تنقیدی پہلو لئے ہوئے ہے تو سر فضل حسین کی بے غرضانہ ملی خدمات کے پیش نظر، سوچ کا یہ رخ قابل ستائش قرار نہیں دیا جا سکتا۔

چودھری ظفر اللہ خاں صاحب اپنی خود نوشت سوانح عمری "تحدیث نعمت" میں رقمطراز ہیں:۔

"۔ ۱۹۲۶ء میں جب میں پنجاب کی کونسل کے لئے منتخب ہو گیا۔ تو حضرت امام جماعت احمدیہ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں کونسل اور سیاسی میدان عمل میں میاں سر فضل حسین کے ساتھ پورا تعاون کروں۔ حضور نے فرمایا کہ مسلمانوں میں قیادت کی کمی تو ہے ہی۔ اس پر مستزاد یہ کمزوری ہے کہ جب کوئی کام کا شخص آگے آتا ہے تو بجائے

اس کے ساتھ تعاون کرنے کے اور اس کی پوزیشن مضبوط کرنے کے اس کی مخالفت کر کے اسے کمزور کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ میاں صاحب اس وقت قوم کی دانشمندانہ اور مخلصانہ خدمت کر رہے ہیں اس لئے ان کی تائید اور ان کے ساتھ تعاون لازم ہے۔ میں تو پہلے ہی میاں صاحب کا مداح اور ممنون احسان تھا۔ اس لئے حضور کے ارشاد کی تعمیل میرے لئے آسان تھی۔۸

ظفر اللہ خاں کی دو کمزوریاں

مصنف "زندہ رود" کو چوہدری صاحب کی ایک خامی تو یہ نظر آئی کہ آپ نے سر فضل حسین کے ساتھ سیاسی میدان میں تعاون کیا۔ دوسری خامی سر فضل حسین کی زبانی آپ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ:۔

"۔ ان (ظفر اللہ خاں ۔ ناقل) کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے سر فضل حسین اپنے خط محررہ یکم ستمبر ۱۹۳۰ء میں فرماتے ہیں:۔

"۔ ظفر اللہ خاں ایک اچھا خاموش شخص ہے جو اپنے آپ کو آگے کرنے کی خواہش نہیں رکھتا اور ہر وہ کام کرنے کے لئے تیار ہے جو اسے کرنے کو کہا جائے۔" (زندہ رود صفحہ ۵۹۱)

گویا مصنف کے نزدیک ظفر اللہ خاں، میاں سر فضل حسین کی رائے سے اتفاق کرتے تھے ۔ خاموش شخص تھے۔ اسی سبب سے "ان کے منظور نظر" تھے۔۹۔

غالب قیاس یہی ہے کہ سر فضل حسین نے اپنے خط میں ظفر اللہ خاں کی "شرافت اور خاموشی" کا ذکر ایک خوبی کے طور پر کیا ہو گا نہ کہ ایک ایسے شخص کے طور پر کہ جسے بات کرنا نہیں آتی۔ کیونکہ بات کر سکنے کے سلیقے اور پھر اسے بہ دلائل منوا لینے کے ملکہ کا مظاہرہ تو آپ سر فضل حسین کی زندگی میں ہی کر چکے تھے اور کون حقیقت پسند و منصف مزاج انسان اس حقیقت سے انکار کر سکتا ہے کہ چودھری صاحب نے لیجسلیٹو اسمبلی میں ـــ فیڈرل کورٹ میں۔ سنٹرل اسمبلی میں ـــ پاکستان کی پارلیمنٹ میں ـــ اقوام متحدہ میں ـــ حتیٰ کہ عالمی عدالت انصاف، غرض کہ کہاں کہاں بات کرنے کا لوہا نہیں منوایا۔

آپ کے بولنے کے انداز و اظہار کا اعتراف تو صرف اپنوں کو ہی نہیں بلکہ آپ کے

مخالفین و معاندین تک کو ہے ---- اور اگر مصنف زندہ رود کے نزدیک "خاموشی" ایک وصف نہیں ۔ کمزوری اور خامی ہے تو مصنف کا حضرت اقبال کے بارے میں کیا خیال ہے جنہوں نے اپنی وفات سے چند برس پیشتر اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی تھی (جسے مصنف نے اپنی کتاب زندہ رود میں بھی درج کیا ہے) اور جس کا پہلا فقرہ یہ ہے ۔

"۔ جاوید کو میری نصیحت یہی ہے کہ وہ دنیا میں شرافت اور "خاموشی" کے ساتھ اپنی عمر بسر کرے "۱۰ ۔

ہاں ظفر اللہ خاں خاموش شخص تھا ---- سر فضل حسین کی ان کے متعلق یہ رائے اس اعتبار سے سو فی صد درست ہے کہ ظفر اللہ خاں کو حضرت قائداعظم کی طرح بلاوجہ اور بغیر سوچے سمجھے بیان بازی کا شوق نہیں تھا ۔

"کردار قائداعظم" ۔ کے مصنف قائداعظم کے متعلق لکھتے ہیں :۔

"۔ عام لیڈروں کی طرح قائداعظم کو بیان بازی کا شوق نہ تھا ۔ آپ نے "کم گوئی" کو ہمیشہ اپنا شعار بنائے رکھا ۔ آپ اپنی زندگی اور اپنی صلاحیتوں کو قوم کی امانت سمجھتے تھے اور اسے اشد ضرورت کے بغیر خرچ کرنا خیانت تصور کرتے تھے ۔ "۱۱ ۔

ظفر اللہ خاں بھی ایک کم گو ۔ شریف اور بظاہر خاموش انسان تھے ۔ لیکن جب مسلم مفاد کی وکالت و ترجمانی کے لئے بولنے کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ خاموش نہیں رہتے تھے ۔ بولتے تھے اور خوب بولتے تھے اور باون تولے پاؤ رتی بات کہتے تھے ۔

اہل فکر و نظر کے نزدیک سر فضل حسین کا یہ فتویٰ کہ

"۔ ظفر اللہ خاں ہر وہ کام کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں جو انہیں کرنے کو کہا جائے ۔" بھی تعریف ہی کا رنگ رکھتا ہے ۔ جو ان کی پارٹی لیڈر کے احکامات کی تعمیل ' وفاداری اور مستعدی کو دیکھتے ہوئے کہا گیا ہو گا -- "روح الاجتماع" کے نقطہ نظر سے تو جب کسی رکن کو اپنے پارٹی لیڈر کی سیاسی فراست ' بصیرت ' اخلاقی دیانتداری اور خلوص نیت کا یقین و اعتبار ہو جائے تو پھر اس کے لئے یہ بات فرض کا حکم رکھتی ہے کہ وہ اس کی ہر ہدایت پر بے چوں و چرا عمل پیرا ہو --- پارٹی کے ڈسپلن کا خیال رکھے -- اپنے آپ کو اس کا ایک "سپاہی" سمجھے

سر فضل حسین پارٹی کے لیڈر تھے اور ظفر اللہ خاں پارٹی کے ایک رکن -- حیرت ہوئی یہ

پڑھ کر کہ خلوص نیت پر مبنی اپنے پارٹی لیڈر کے ہر حکم کی تعمیل بھی مصنف زندہ رود کو خامی اور کمزوری محسوس ہوئی ۔ جبکہ مصنف ' علامہ اقبال کے بارے میں (جنہوں نے ایک طویل عرصہ تک قائداعظم سے لاتعلقی اختیار کئے رکھی) اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں :۔

"۔ اقبال کو محمد علی جناح کی سیاسی بصیرت اور اخلاقی دیانتداری پر پورا اعتماد تھا اور اس اعتماد کی بنا پر اپنے آپ کو ان کا معمولی "سپاہی" تصور کرتے تھے " ---- نیز ان کے حکم کی تعمیل میں سر سکندر کے خلاف اپنا فروری ۱۹۳۸ء کا بیان جاری نہ کیا ۔ یہ اقبال کے پارٹی ڈسپلن کے احترام کی ایک نہایت عمدہ مثال ہے ۔" ۱۲

چوہدری ظفر اللہ خاں نے سر فضل حسین کو شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے ۔

"۔ اگر آج قوم میں زندگی کے آثار نظر آ رہے ہیں اور قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہے تو یہ تمام تر واجب الاحترام خادمان ملت کی مساعی اور ان کی مسلسل قربانیوں کا ثمرہ ہے ۔ میاں سر فضل حسین صاحب اس گروہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۶ء کے دور میں ان کی تعمیری خدمات ' مسلمانان ہند کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی تھیں ۔ اس صدی کے چھٹے اور ساتویں عشرے کے سیاسی نقاد اور مؤرخ بھول جاتے ہیں کہ صدی کے آغاز میں مسلمان باوجود پنجاب میں اکثریت رکھنے کے دوسری قوموں کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتے تھے ۔ اگر ۱۹۲۱ء کے بعد بھی وہی حالات جاری رہتے تو ترقی کے راستے کھلنے پر غیر مسلم عناصر کا قدم ترقی کی شاہراہ پر مسلمانوں کے مقابلہ میں تیز سے تیز تر ہوتا جاتا اور ہر سال مسلمانوں کی نسبتی حالت گرتی چلی جاتی ---- قیاس غالب ہے کہ ان نقادوں اور مؤرخوں میں سے اکثر کو کالج میں داخلہ بھی نصیب نہ ہو سکتا ۔ "۱۳ ۔

سر فضل حسین پر احمدیوں کو آگے بڑھانے کا الزام

مصنف زندہ رود کے نزدیک سر فضل حسین نے کوشش کی کہ مسلمانوں کی بجائے احمدیوں کو ترجیح دی جائے اور انہیں زندگی میں آگے بڑھایا جائے۔ اس وجہ سے بھی اقبال کے ان کے ساتھ تعلقات خراب ہوئے (ص ۶۲۷)

ترجیحی سلوک کا تجزیہ

راقم عرض کرتا ہے کہ مسلمانوں کی بجائے احمدیوں کو ترجیح دینے یا مسلمانوں کے لئے مخصوص مناصب احمدیوں کو دینے کے الزام (ص ۵۹۲) کا تقاضا تھا کہ سو پچاس احمدیوں کے اسماء درج کئے جاتے جنہیں سر فضل حسین نے مسلمانوں پر ترجیح دیتے ہوئے اعلیٰ مناصب سے نوازا تھا۔۔۔ پھر یہ بھی بتانا چاہئے تھا کہ اہلیت کے اعتبار سے یہ احمدی اپنے ہم رتبہ غیر احمدی امیدواروں سے کم تر تھے۔ مختلف محکموں کے احمدیوں کی تعداد کا جائزہ لے کر ثابت کرنا چاہئے تھا۔ کہ اس دور میں یہ سو پچاس احمدی نہ انتخاب کے ذریعہ آئے نہ امتحان میں پاس ہوئے۔ بلکہ مسلمانوں کی حق تلفی کرتے ہوئے سر فضل حسین کے دباؤ کی وجہ سے رعایتاً مخصوص مناصب پر فائز کر دیئے گئے۔ مگر مصنف نے اس قسم کی جانچ پڑتال کرنا ضروری نہیں سمجھا اور اس ضمن میں صرف ایک ہی نام درج کرنے پر اکتفا کیا ہے اور وہ ہے سر محمد ظفر اللہ خاں کا اسم گرامی۔ مصنف لکھتے ہیں۔ "اس منصب (وائسرائے کونسل کی رکنیت۔ ناقل) پر سر ظفر اللہ خاں کی متوقع تقرری کے خلاف " اخبار زمیندار " اور دیگر (احراری۔ ناقل) اخباروں میں سخت احتجاج ہو رہا تھا اور کہا جا رہا تھا کہ ایک احمدی کی بجائے کسی جلیل القدر مسلمان کو یہ منصب دیا جائے۔ (ص ۸۹۵)۔ گویا اقبال کے سر فضل حسین سے تعلقات اس لئے بھی بگڑے کہ آپ نے ایک احمدی کو زندگی میں آگے بڑھانے کی کوشش کی۔

اقبال نے امام جماعت احمدیہ کو آگے بڑھایا

قبل اس کے کہ ہم اس اکلوتے احمدی کی اہلیت کے بارے میں کچھ عرض کریں۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ خود اقبال نے ۱۹۳۱ء میں برصغیر کے قابل ذکر لیڈروں کی موجودگی میں "آل

اردن کے شاہ حسین کی تصویر

۵۴-۱۹۵۳ء کے دور میں جب چودھری **محمد ظفر اللہ خاں** کو عالم اسلام کا بدخواہ قرار دیا جا رہا تھا۔ عالم اسلام میں آپ کی اسلامی خدمات کے غلغلے بلند ہو رہے تھے۔ اسی دور میں **اردن کے شاہ حسین** نے اپنی یہ تصویر چودھری صاحب کی خدمت میں پیش کی اور اس پر لکھا:۔

"۔ عزت مآب **ظفر اللہ خاں** کی طرف، ہماری پاکیزہ محبت کے ساتھ اور ان عظیم الشان کاوشوں کے اعتراف کے طور پر جو وہ **عالم اسلام** کی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔"

انڈیا کشمیر کمیٹی " کی تشکیل کے موقعہ پر امام جماعت احمدیہ کو سب حاضر زعماء پر ترجیح دی تھی اور علامہ کی تحریک و ترغیب پر ہی شملہ میں اس مسلم کمیٹی کی صدارت کے لئے امام جماعت احمدیہ کے انتخاب پر ' اتفاق کیا گیا ۔ سوال یہ ہے کہ کیا " امام جماعت احمدیہ " کو " آگے بڑھانے " کی وجہ سے مسلمانان برصغیر کے لئے یہ جائز تھا کہ وہ اپنے تعلقات علامہ سے بگاڑ لیتے

حقیقت یہ ہے کہ علامہ کو اپنے گذشتہ تجربات کی بناء پر یقین ہو چکا تھا کہ احمدیہ جماعت میں بہت سے مستعد آدمی موجود ہیں جو مسلمانوں کے لئے " بہت مفید کام " سرانجام دے سکتے ہیں ۔ اس کا اظہار آپ نے اپنے خط محررہ ۵ ستمبر ۱۹۳۰ء میں بھی کیا تھا ۔

انہی مستعد آدمیوں میں ایک سر ظفر اللہ خاں بھی تھے ۔ سر فضل حسین نے کیا برا کیا کہ جن احمدی مخلصین کو علامہ " مسلمانوں کے لئے مفید کام کرنے والے " سمجھتے تھے ۱۴ ، انہی میں سے ایک کو ۱۹۳۲ء میں چار ماہ کے لئے اپنی جگہ عارضی طور پر کام کرنے کی سفارش کر دی ۔

چلئے ! مان لیا کہ چودھری ظفر اللہ خاں کی وجہ سے پنجاب کے ڈیڑھ کروڑ مسلمانوں کے حصہ میں آنے والے اعلیٰ مناصب میں سے ایک عہدہ کم ہو گیا ۔ مگر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اس ایک منصب کے طفیل " مسلم مناصب کے شجر " کو کتنے شیریں پھل لگے ۔ چودھری صاحب نے تو صرف اور صرف " مسلم حقوق " کی حفاظت کے جذبہ سے وائسرائے کونسل کی رکنیت قبول کی تھی ۔ آپ کے ہمہ گیر کارناموں میں سے ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے وائسرائے کی عاملہ کا رکن بنتے ہی یہ جدوجہد شروع کر دی ۔ کہ مسلمان ' اعلیٰ مناصب سے محروم نہ رہیں ۔ چودھری صاحب کی اس کاوش کا حال ' غیر مسلموں کی زبانی سنئے ۔ ایک ہندو اخبار لکھتا ہے ۔

ممبر فار مسلم

" سر ظفر اللہ خاں کے متعلق ایک دلچسپ بات معرض وجود میں آئی ہے ۔ جس جوش و خروش سے وہ مسلم حقوق پر زور دے رہے ہیں ۔ وہ ضرب المثل بن گئی ہے ۔ سیکرٹریٹ میں سر ظفر اللہ خاں کو اب مذاق کے طور پر " ممبر فار مسلم " کہا جاتا ہے ۔ سب سے پہلا عظیم الشان کارنامہ ان کا یہ ہے کہ انہوں نے ایک " خاں صاحب " کو ایک ہندو کی جگہ پر سل اسسٹنٹ بنوا دیا ہے ۔ " ۱۵ ؎

یہ طنز صاف بتا رہا ہے کہ غیر مسلموں کو حضرت چودھری صاحب کی کونسی ادا ناپسند تھی ۔

انہیں یقین تھا کہ اس شخص کو " آگے بڑھانا " درحقیقت مسلم مناصب کے تحفظ کا سامان پیدا کرنا ہے ۔ اسی لئے غیر مسلم حضرت چوہدری صاحب کے اعلیٰ مناصب پر تقرریوں کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں ۔

چین سے مکتوب

۱۹۴۲ء میں جب چودھری صاحب چین میں برطانوی حکومت کی طرف سے پہلے نمائندہ یا سفیر مقرر ہوئے ا ۔ تو آپ نے چنگ کنگ سے وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو کو ذاتی اور خفیہ مراسلہ لکھا کہ اب جبکہ وائسرائے کونسل میں ممبران کی تعداد گیارہ ہو چکی ہے ۔ مسلمانوں کی تعداد ۳ کی بجائے ۴ ہونی چاہئے ۔ آپ نے تجویز کیا کہ

(ا) ۔ ایم ۔ ایس ۔ حیدری یا (ب) سر مرزا اسماعیل کو بطور ممبر لیا جائے ۔ نیز لکھا کہ اگر (ا) اور (ب) پر عمل نہ ہو سکتا ہو تو پھر مسٹر غلام محمد (جو بعد میں گورنر جنرل پاکستان بنے) کا نام زیر غور لایا جا سکتا ہے ۔ " ۱۶ ؎

میں مستعفی ہو جاؤں گا

راقم عرض کرتا ہے کہ جب چوہدری صاحب وائسرائے کونسل میں تھے ۔ پنجاب اور بنگال کی مجالس میں مسلم نشستوں میں کمی کرنے کی تجویز پیش ہوئی ۔ تو مسلم حقوق کے اس پاسبان نے وائسرائے ہند پر واضح کر دیا کہ اگر کوئی تخفیف عمل میں لائی گئی ۔ تو میں " وائسرائے کونسل " سے مستعفی ہو جاؤں گا ۔ چنانچہ آپ کی مخلصانہ کاوشوں کے نتیجہ میں یہ تجویز عملی جامہ نہ پہن سکی ۔ ۱۷ ؎

ان حالات میں قائداعظم ۔ سر فضل حسین ۔ برطانوی حکومت ۔ اقوام متحدہ یا کسی بھی انجمن پر یہ نکتہ چینی کرنا کہ اس نے چودھری صاحب کو " احمدی " ہونے کی وجہ سے " آگے بڑھایا " ۔۔۔ راقم کی رائے میں نظرثانی کے لائق ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت چودھری صاحب کی ذاتی قابلیت ' حسن تدبر ' دور اندیشی ' سیاسی سوجھ بوجھ ' دیانتداری ' محنت اور خلوص کی وجہ سے ہر حلقہ آپ کی قیادت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ۔

دونوں مرتبہ کی تقرریوں کے متعلق چند حقائق

اس ضمن میں راقم ایک اور گذارش کرنے کی جسارت کرتا ہے۔ بقول مصنف زندہ رود علامہ اقبال ۱۹۳۵ء سے قبل جماعت احمدیہ کو مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ سمجھتے تھے۔" ۱۸

پہلی تقرری۔ حضرت چوہدری صاحب کا وائسرائے کونسل میں پہلا (عارضی تقرر (چار ماہ کے لئے) ۱۹۳۲ء میں ہوا۔ اس وقت چوہدری صاحب' علامہ اقبال کے نزدیک "مسلمان" تھے۔ ظاہر ہے سر فضل حسین نے "ایک مسلمان" کو ہی آگے بڑھایا۔

دوسری تقرری۔ دوسری مرتبہ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں چوہدری صاحب کی مستقل تقرری کا اعلان بھی ۱۹۳۵ء سے قبل ہوا جبکہ چوہدری صاحب' علامہ اقبال کے نزدیک "مسلمان" تھے۔ اس موقعہ پر بھی سر فضل حسین نے ایک مسلمان کو ہی آگے بڑھا ---- لیکن راقم یہاں ایک گذارش اور بھی کرنا چاہتا ہے اور وہ یہ کہ مستقل تقرری کے لئے وزیر ہند نے چودھری صاحب کے قیام انگلستان کے دوران از خود ہی آپ کو اس منصب کی آفر کی تھی۔ چودھری صاحب نے اس موقعہ پر وزیر ہند کے روبرو تین عذر پیش کئے۔

چودھری صاحب کے تین عذر

اول یہ کہ -- میرا تعلق پنجاب سے ہے۔ گذشتہ چار میں سے دو "ممبران وائسرائے کونسل" کا تقرر پنجاب سے ہوا ہے۔ مناسب ہے کہ اب بنگال۔ یوپی یا بمبئی کے مسلمانوں میں سے کسی کا انتخاب کیا جائے۔

دوم یہ کہ -- اس منصب کے لئے نواب صاحب چھتاری اور سر سکندر حیات کی موزونیت پر غور کر لیا جائے۔

لیکن --- وزیر ہند نے ان تجاویز کو کوئی وقعت نہ دی اور اپنی پیشکش کو منظور کرنے پر اصرار کیا۔ اس پر حضرت چودھری صاحب نے -- "ایک اور عذر" -- وزیر ہند کے سامنے رکھ دیا۔

آپ نے فرمایا -- میرے گذشتہ عارضی تقرر پر بعض مسلمانوں نے جنہیں میرے عقائد سے اختلاف ہے۔ میرے تقرر پر اعتراض کیا تھا۔

وزیر ہند نے کہا۔ آپ نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں اب تک جو

وائسرائے کی کونسل کے اراکین

خدمات انجام دی ہیں - اس کے بعد کوئی بحث ہی - "کوتاہ اندیش" - مسلمان ہو گا - جو آپ کے تقرر پر معترض ہو گا - " ١٩ ؎

یہ ہیں آپ کے دوسری مرتبہ کے تقرر کے بارے میں حقائق --- جنہیں مصنف زندہ رود نے گول مول انداز میں یوں پیش کیا ہے :-

" اکتوبر ۳۴ میں جب مستقل طور پر سر ظفر اللہ خاں کا وائسرائے کونسل میں تقرر ہوا تو اسے بھی سر فضل حسین کی کوششوں کا نتیجہ سمجھا گیا " ۲۰ ؎

مسلمانوں کے فہمیدہ طبقہ کی سوچ

یہ درست ہے کہ چودھری صاحب کی تقرری کے خلاف احتجاج ہوا مگر اسے سب مسلمانوں کی ناراضی نہیں کہا جا سکتا - حقیقت یہ ہے - مسلمانوں کا وہ طبقہ جنہیں امت مسلمہ کا دل و دماغ کہا جا سکتا ہے - جنہوں نے اپنی عمریں ' ملت کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی خدمت میں صرف کر دی تھیں --- جس طبقہ کو منتخب شدہ طبقہ شمار کیا جاتا تھا - ان کے دل اس تقرر پر خوشی و مسرت کے جذبات سے پر تھے - ان رہنماؤں نے چودھری صاحب کے اعزاز میں ہونے والے جلسوں میں شریک ہو کر چودھری صاحب کی قومی و ملکی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور اس تقرر کو ملک و قوم کے لئے ایک نعمت عظمیٰ اور اپنے لئے باعث فخر سمجھا - ان رہنماؤں میں سے چند ایک نام شائع شدہ موجود ہیں - ا ؎ یہ درست ہے کہ احرار نے مسلسل اشتعال انگیز تقاریر کر کے اور " زمیندار " نے پے در پے ایڈیٹوریل لکھ کر عامتہ المسلمین کے ایک طبقے کو جو قائدین کی طرح سوچنے سمجھنے کی خاطر خواہ صلاحیت نہیں رکھتا تھا ' متاثر کیا - مگر درج ذیل قسم کے فہمیدہ و سنجیدہ لیڈر اس پراپیگنڈا کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے - یہ امر سوچنے کے لائق ہے کہ کیا چودھری صاحب کی تقرری کے یہ سب مداح ' سر فضل حسین کے آلہ کار اور انگریزوں کے ایجنٹ اور صوبائی لیجسلیچر میں مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے تھے - ؟

(۱) آنریبل ملک سر فیروز خان صاحب نون وزیر تعلیم پنجاب گورنمنٹ
(۲) آنریبل نواب خان صاحب مظفر خان سی - آئی - ای ریونیو ممبر پنجاب گورنمنٹ
(۳) آنریبل مسٹر جسٹس شیخ دین محمد صاحب

(۴) آنریبل نواب سر ملک محمد حیات خان صاحب نون ایم سی ایس
(۵) نواب اللہ بخش خان صاحب ٹوانہ ایم ایل اے
(۶) نواب سر سید محمد مہر شاہ صاحب ایم - ایل - اے
(۷) کیپٹن راجہ شیر محمد خان صاحب سی - آئی - ای ' ایم - ایل - اے
(۸) خانصاحب شیخ فضل حق صاحب پراچہ ایم - ایل - اے
(۹) میاں غیاث الدین صاحب ایم - ایل - اے
(۱۰) نواب محمد شاہنواز خان صاحب نواب آف ممدوٹ
(۱۱) میجر سردار محمد نواز خان صاحب آف کوٹ فتح خان
(۱۲) نواب زادہ کیپٹن ملک خضر حیات خان صاحب ٹوانہ
(۱۳) نواب نثار علی خان صاحب قزلباش
(۱۴) خان بہادر حاجی رحیم بخش سیکرٹری آل انڈیا مسلم کانفرنس
(۱۵) خان بہادر شیخ عبدالعزیز صاحب سی آئی - ای او - بی - ای (انڈین پولیس ریٹائرڈ)
(۱۶) شیخ افتخار علی صاحب او - بی - ای - آئی - سی - ایس - (ریٹائرڈ)
(۱۷) خان بہادر سید احسن علی آف آشیانہ لاہور
(۱۸) خان بہادر شیخ محمد نقی صاحب آنریری مجسٹریٹ - لاہور
(۱۹) خانصاحب مولوی فیروز دین صاحب مالک "ایسٹرن ٹائمز" لاہور
(۲۰) نواب زادہ خورشید علی خان صاحب
(۲۱) سید حبیب شاہ صاحب مالک روزنامہ "سیاست" لاہور -
(۲۲) فقیر سید نجم الدین صاحب جاگیردار لاہور
(۲۳) خان بہادر سید مراتب علی صاحب آشیانہ لاہور
(۲۴) چودھری عبدالکریم صاحب آنریری مجسٹریٹ لاہور
(۲۵) شیخ عبدالحمید صاحب پروپرائٹر انگلش ویرہاؤس
(۲۶) سید امجد علی صاحب
(۲۷) چودھری فتح محمد صاحب ایم - اے - آنریری مجسٹریٹ
(۲۸) خاں صاحب حکیم احمد شجاع صاحب

(۲۹) خان بہادر شیخ چراغ دین صاحب

(۳۰) ملک محمد دین صاحب ایم - ایل - سی پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی لاہور

(۳۱) خان صاحب چودھری فتح شیر خان جونیئر وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی

(۳۲) خان صاحب میاں امیر الدین صاحب میونسپل کمشنر لاہور

(۳۳) میاں جلال الدین صاحب میونسپل کمشنر لاہور

(۳۴) مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب کے سی - آئی - ای - ایم - ایل - سی

(۳۵) نواب میاں محمد حیات صاحب قریشی - سی - آئی - ای - ایم - ایل - سی

(۳۶) نواب محمد جمال خان صاحب ایم - ایل - سی

(۳۷) خان بہادر میاں احمد یار خان صاحب دولتانہ ایم ایل سی

(۳۸) نواب فضل علی صاحب او - بی - ای 'ایم - ایل - سی

(۳۹) خان بہادر ملک محمد امین خان صاحب ایم ایل سی

(۴۰) خان بہادر سردار حبیب اللہ خاں صاحب ایم - ایل - سی

(۴۱) خان بہادر ملک زمان مہدی خان صاحب ایم - ایل - سی

(۴۲) خان بہادر کیپٹن ملک مظفر خان صاحب ایم - ایل - سی

(۴۳) خان بہادر میاں مشتاق احمد کرمانی صاحب ایم - ایل - سی

(۴۴) خان صاحب شیخ فضل الٰہی صاحب ڈائریکٹر انفرمیشن بیورو

(۴۵) بیگم صاحبہ شاہ نواز ۲۱ ص

سالوں کا کام دنوں میں

پھر یہ امر بھی سنجیدہ توجہ کا مستحق ہے کہ چودھری صاحب کو جس دور میں بھی کوئی منصب دیا گیا - آپ نے اپنے مفوضہ فرائض کو اس محنت 'خلوص اور بصیرت سے سرانجام دیا کہ اگر اس پر متعدد عہدیدار ا... بھی مقرر کئے جاتے تو شاید وہ مل کر بھی اپنے فرائض کو اس خوبی سے نہ نبھا سکتے جس خوبی سے آپ نے نبھایا - ہم یہاں باؤنڈری کمشن میں چودھری صاحب کی طرف سے مسلم لیگ کی وکالت کے کام کو بطور مثال پیش کرتے ہیں -

مورخ پاکستان جناب عاشق حسین بٹالوی مرحوم "ہماری قومی جدوجہد" میں لکھتے ہیں :-

فوٹو --- بہ شکریہ جنرل چوہدری ناصر احمد صاحب -

۶ ستمبر ۱۹۵۴ء - آٹھ ملکوں کے اعلیٰ مندوبین = بائیں سے دائیں = ہز ایکسی لینسی رچرڈ جی کیسے - آسٹریلیا = ہز ایکسی لینسی گے لاچیمبر- فرانس = ہز ایکسی لینسی ٹی کلفٹن گب نیوزی لینڈ - سر محمد ظفر اللہ خاں - پاکستان - آنریبل کارلوس - پی گارسیا - فلپائن - پرنس وان وا - تھایا کون - تھائی لینڈ - ہز ایکسی لینسی مارکوئس آف ریڈنگ - برطانیہ - آنریبل جان فاسٹر ڈلز - امریکہ

معاہدہ سیٹو میں جارحانہ اقدام کی دو صورتیں بیان کی گئی تھیں - ایک ایسا جارحانہ اقدام جو کسی اشتراکی ملک کی طرف سے کیا جائے - اس صورت میں سیٹو کے تمام ممالک کا فرض تھا کہ وہ ایسے اقدام کو روکیں اور متعلقہ ملک کے دفاع کے ذمہ دار ہوں ---- دوسرے ایسا اقدام جو کسی اور ملک کی طرف سے کیا جائے - اس صورت میں سیٹو ممالک کا صرف یہ فرض قرار دیا گیا - کہ ان کے نمائندے اکٹھے ہوں اور جارحانہ اقدام کو روکنے کے لئے باہمی مشورہ کریں - کہ دفاع کے لئے کیا طریق اختیار کیا جائے - چوہدری ظفر اللہ خاں (پاکستان) کے نزدیک یہ صورت قابل قبول نہ تھی - اس لئے آپ نے صرف یہ ذمہ داری قبول کی کہ معاہدے کا مسودہ حکومت پاکستان کو بھیج دیا تاکہ وہ فیصلہ کرے - چوہدری صاحب کی عدم موجودگی میں یہ مسئلہ کابینہ کے سامنے پیش ہوا اور فیصلہ ہوا کہ پاکستان کو سیٹو میں شمولیت اختیار کرنی چاہئے -

---

In an impassioned plea at the Manila conference, the Pakistan delegate, Foreign Minister Zafrullah Khan, insisted that "aggression is evil and there are no varieties of aggression and it is necessary to resist it wherever it comes from."[25]

[J.R.S.P., Vol. XXVIII, No. 2, 1991]

جرنل - آف ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان نمبر ۲ - ۱۹۹۱ء

"۔ ۱۹۴۲ء کے نومبر میں ملک برکت علی نے قائداعظم کو لکھا کہ اگر واقعی مسلم لیگ کی قرارداد لاہور کے مطابق 'ہندوستان کی تقسیم ہمارے پیش نظر ہے۔ تو ہمیں چاہئے کہ ابھی سے ایک کمیٹی بنالیں، جس میں مسلم لیگی لیڈروں کے علاوہ چند جغرافیہ دان' مورخ' قانون دان' ماہر اقتصادیات' زبان دان' انجینئر' ریٹائرڈ مسلمان فوجی افسر وغیرہ شامل ہوں۔ تاکہ ہندوستان کا نقشہ سامنے رکھ کر مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے کہ 'تقسیم کی نوبت آئی تو حد بندی کی لائن کہاں پڑنی چاہئے ----- ملک صاحب کا یہ خط میں نے پڑھا ضرور تھا لیکن کچھ معلوم نہیں' قائداعظم نے اس کا جواب کیا دیا تھا۔ یہ احساس مجھے اب تک پریشان کر رہا ہے کہ ہم نے سات سالوں میں تقسیم ہند کا کوئی نقشہ' کوئی فارمولا' کوئی بلیو پرنٹ تیار نہ کیا۔ سات سال مسلسل نعروں' تقریروں اور بیان بازیوں میں صرف کر دیئے۔ بالاخر جب قرارداد لاہور کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو چودھری ظفراللہ خاں کو صرف تین دن کی مدت دی گئی کہ اس قلیل عرصہ میں تن تنہا بیٹھ کر کیس بھی تیار کریں اور گذشتہ ایک سو سال کا تاریخی مواد بھی فراہم کریں۔" ۲۲ ے۔

راقم عرض کرتا ہے ان تین دنوں کی تیاری میں چودھری صاحب نے گذشتہ ایک سو سال کے ریکارڈ کا مطالعہ کر کے مسلم لیگ کا کیس کس خوبی و ہنرمندی اور خلوص سے پیش کیا؟ سابق سفیر پاکستان متعینہ مصر' سابق صوبائی وزیر خزانہ' سابق صدر بار ہائی کورٹ لاہور کی زبانی سنئے!۔ جناب سید احمد سعید کرمانی فرماتے ہیں:۔

سابق سفیر پاکستان برائے مصر کے تاثرات

"جب میں نے چودھری صاحب کو (باؤنڈری کمشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے ضمن میں۔ ناقل) بولتے سنا تو پتہ چلا کہ وہ کیا چیز ہیں۔ انہوں نے سارے حاضرین کو مسحور کر کے رکھ دیا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وقت رک گیا ہے۔ شاید وقت یہ عظیم تاریخی لمحات اپنے دامن میں سمونے کے لئے تھم ہی گیا تھا۔ جب وقفہ ہوا تو میری یہ حالت تھی اور جذبات ایسے ہو گئے تھے کہ میں بار بار چودھری صاحب کے ہاتھ چومتا تھا۔ مختصر سے وقت میں وہ شخص میرے لئے عظمت اور ذہانت کا مینار بن گیا..... (گھر جاکر میں نے اپنی والدہ محترمہ سے کہا۔ ناقل) وہ تو کوئی مافوق البشر Super Human شخص ہے۔ میں حیران ہوں وہ

کہاں سے الفاظ لاتا ہے۔ کوئی خیالات تھے۔ کوئی زبان تھی۔ کوئی روانی اور الفاظ کی شوکت تھی۔ کوئی ادائیگی تھی۔ کوئی منطق کا زور تھا۔ غرض کیا کیا تھا میں کیا بتاؤں۔ ..... جب دلائل ختم ہوئے تو کانگریس کے وکیل سر سیتلواڈ نے جو بڑا ماہر اور مشہور وکیل تھا۔ چودھری صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھے پتہ نہیں کہ کیا فیصلہ ہوگا۔ لیکن ایک فیصلہ میں ابھی کر جاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اگر صرف دلائل سے فیصلہ ہونا ہے تو میں فیصلہ دیتا ہوں کہ ظفراللہ خاں کیس جیت گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے بڑی قابلیت سے یہ کیس پیش کیا ہے۔ یہ باتیں انہوں نے کمشن کے اجلاس میں سب لوگوں کے روبرو کہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میرا دوسرا ساتھی سر تیک چند (سابق جج لاہور ہائی کورٹ) بھی میرے خیالات سے متفق ہے۔"

لیکن چودھری ظفراللہ خاں کو جسٹس دین محمد نے یہ بتا دیا کہ "ریڈ کلف" کانگریس سے مل گیا ہے اور قائداعظم کے علم میں بھی یہ بات لائی گئی۔ ۲۲ ے

اب اگر کوئی قائداعظم کے انتخاب میں کیڑے نکالے کہ انہوں نے چودھری صاحب کو کیوں آگے بڑھایا؟ تو ہم کسی کی زبان یا قلم کو تو روک نہیں سکتے۔

پنجاب حد بندی کمیشن کے ممبران چوہدری محمد ظفراللہ خان کے ہمراہ

ممبران۔ جسٹس دین محمد' جسٹس محمد منیر (چوہدری محمد ظفراللہ خان) جسٹس تیجا سنگھ۔ جسٹس مہر چند مہاجن

باب نمبر۹

- حواشی -

۱۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۔ ۱۳۷
۲۔ ایضاً
۳۔ " سرگذشت " ص ۳۶۱ مطبوعہ جنوری ۱۹۵۵ء
۴۔ اخبار " انقلاب " ۱۰ مارچ ۱۹۳۵ء
۵۔ اقبال کے آخری دو سال ص ۱۴۰
۶۔ ایضاً ص ۲۵۴ مطبوعہ ۱۹۷۸ء
۷۔ زندہ رود ص ۔ ۵۹۱
۸۔ طبع دوئم ص ۔ ۲۳۹
۹۔ زندہ رود ص ۔ ۵۹۱
۱۰۔ زندہ رود ص ۔ ۶۷۰
۱۱۔ " کردار قائداعظم " ص ۱۰۶
۱۲۔ زندہ رود ص ۶۴۷
۱۳۔ تحدیث نعمت طبع دوئم ص ۲۳۵
۱۴۔ مکتوب اقبال بنام (پرائیویٹ سیکرٹری) حضرت امام جماعت احمدیہ ' تاریخ احمدیت جلد نمبر ۶
۱۵۔ بحوالہ الفضل ۱۳ جولائی ۱۹۳۵ء
۱۶۔ ٹرانسفر آف پاور نمبر ۲ نمبر ۴۱۲ ۔ مورخہ ۴ ر اگست ۱۹۴۲ء
۱۷۔ تحدیث نعمت طبع دوئم ص ۳۱۷
۱۸۔ زندہ رود ص ۔ ۵۷۸

نوٹ ۔ واضح رہے کہ سر فضل حسین نے جب وائسرائے کے سامنے چوہدری ظفر اللہ خاں کا نام کونسل میں تقرری کے لئے پیش کیا ۔ تو وائسرائے نے فوراً ہی خوش دلی سے آمادگی کا اظہار نہیں کیا ۔ سر فضل حسین اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ

He was at first opposed to it but gradually gave in and eventually said' he would think over it' (Dairy dated 12-5-31)

یعنی وائسرائے نے شروع میں تو چودھری صاحب کی تقرری کی تجویز کی مخالفت کی ۔ آہستہ آہستہ یہ مخالفت ترک کر دی ۔ بالاخر اس نے کہا کہ اچھا! میں اس نام پر غور کروں گا ۔ "

سر فضل حسین نے اپنی جانشینی کے لئے چودھری صاحب کا نام کیوں پیش کیا ؟ اس سوال کا جواب بھی سر فضل حسین کی ڈائری میں موجود ہے ۔ آپ لکھتے ہیں :۔

Merits should be the sole test and I really Can't think of a more competent man. (Dated 17 May)

یعنی کسی منصب پر تقرری کا معیار محض استحقاق ہونا چاہئے ۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ (مسلمانوں کی نمائندگی کے اس اعلیٰ منصب کے لئے) ظفر اللہ خاں سے بہتر کوئی آدمی مل سکتا ہو ۔ (ڈائری شائع کردہ " ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان " ۔ لاہور)

۱۹۔ خلاصہ ۔ تحدیث نعمت طبع دوئم ص ۳۵۵
۲۰۔ ص ۵۹۷

نوٹ ۔ یہاں شاید یہ سوال پیدا ہو کہ " اخبار زمیندار " اور " احرار " سر فضل حسین کی مخالفت کیوں کرتے تھے ۔ مولانا عبدالمجید سالک اپنی کتاب " سرگزشت " میں لکھتے ہیں :۔

" ---- زمیندار اور احرار ' سر فضل حسین کو لیڈری کی سند سے اتارنا چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے آگے ہماری دال نہ گلے گی ۔ وہ ان کی جگہ سر سکندر حیات کو پنجاب کا لیڈر بنانا چاہتے تھے ۔ (ان کے نزدیک) سر سکندر سے معاملہ خوب رہے گا ۔ " (ص ۳۵۸)

۲۱۔ بحوالہ الفضل ۲۱ ر اپریل ۱۹۳۵ء
۲۲۔ ص ۔ ۱۳۴
۲۳۔ ماہنامہ " انصار اللہ " نومبر دسمبر ۱۹۸۵ء ص ۵۰

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں ۔ اور آنے والے امتی یا ظلی نبی کی حیثیت سورج سے روشنی حاصل کر کے اس کے طابع ہو کر چاند سی ہے ۔ جس طرح چاند کے نکلنے سے سورج کی حکومت ختم نہیں ہوتی بلکہ سورج کی حکومت کا اقتدار اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح مرزا صاحب کے دعویٰ ظلی و بروزی یا امتی نبی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ آپ کی نبوت کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے ۔ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال "آخری نبی" ہیں ۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں جہاں اسلام کی ظاہری تشریح یا تعریف فرمائی ہے وہاں صرف کلمہ طیبہ کو اسلام کا مرکزی نقطہ قرار دیا ہے ۔ اس لئے ابتدائی مسلمانوں نے بلکہ ہر زمانہ کے محقق علماء نے ختم نبوت کے عقیدہ کی بحث میں پڑنے کے بغیر اسلام کی ظاہری حد بندی صرف کلمہ طیبہ قرار دی ہے ۔

باب نمبر ۱۰

مسلم اتحاد کو توڑنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے

مصنف زندہ رود فرماتے ہیں :-

"۔ پنجاب کے مسلمانوں میں اتحاد کی شدید ضرورت تھی ..... اس اتحاد کو سیاسی طور پر توڑنے کی ذمہ داری اقبال کی رائے میں سر فضل حسین اور ان کی یونینسٹ پارٹی پر عائد ہوتی تھی ۔ ..... دوسری طرف مذہبی طور پر اس اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ذمہ داری اقبال کے نزدیک جماعت احمدیہ پر عائد ہوتی تھی " !

مسلم سیاسی اتحاد کی کیفیت

راقم یہ پوچھنے کی جسارت کرتا ہے کہ پنجاب سمیت برصغیر کے مسلمانوں میں وہ کونسا سیاسی اتحاد تھا ۔ جسے یونینسٹ پارٹی نے توڑا ؟ جواب دیتے وقت " زندہ رود " میں اسی دور سے متعلق درج شدہ مندرجہ ذیل حقائق سامنے رکھنے چاہئیں ۔

--- مصنف لکھتے ہیں :

"۔ قائداعظم ۴ ر مارچ ۱۹۳۴ء کو مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے ..... اس دور میں برصغیر میں مسلم سیاسی جماعتوں کی تعداد بیس سے اوپر جا چکی تھی اور ہر مسلم سیاسی جماعت کا مسلک دوسری سے مختلف تھا ۔ خلافت کمیٹی کے رہنماؤں کا آپس میں اختلاف تھا ..... جمعیتہ علماء ہند ' کانگریس کی ہمنوا تھی ۔ پنجاب کی مجلس احرار ' جمعیتہ علماء ہند سے وابستہ تھی ۔ خان عبدالغفار خاں نے صوبہ سرحد میں ایک سیاسی خدائی خدمت گار قائم کر رکھی تھی ۔ لکھنؤ میں کانگریس کی شہ پر شیعہ مسلمانوں نے شیعہ پولیٹکل کانفرنس قائم کر رکھی تھی ۔ کشمیر میں مسلمان مختلف دھڑوں میں یا سیاسی گروہوں میں بٹے ہوئے تھے ۔ عنایت اللہ مشرقی نے پنجاب میں خاکسار پارٹی کی بنیاد رکھی ۔ ان مسلم سیاسی جماعتوں کے علاوہ کئی اور علاقائی یا فرقہ وارانہ بنیاد پر جماعتیں بھی موجود تھیں ۔ مثلاً کلکتہ میں مومن کانفرنس ' بنگال میں مسلم پرجا پارٹی ۔ پنجاب میں زمینداروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے سر فضل حسین کی یونینسٹ پارٹی ۔ دیگر سیاسی جماعتوں کا یہاں ذکر غیر ضروری ہے ۔ مگر ان کی تعداد سے ظاہر ہے کہ اس دور میں مسلم

سیاسی رہنماؤں کے ذہنی انتشار کی کیا کیفیت تھی۔" ۲ے

--- پھر لکھتے ہیں:۔

"۔ گورنمنٹ کا انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں مسلمانوں کا صوبائی مختاری کا مطالبہ کچھ حد تک تسلیم کر لیا گیا..... یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں میں سیاسی انتشار اپنی انتہا تک پہنچ چکا تھا اور وہ مختلف سیاسی گروہوں اور ٹولیوں میں بٹے ہوئے تھے۔" ۳ے

کیا مسلمانوں میں مذہبی اتحاد موجود تھا؟

کس نے توڑا؟

سیاسی اتحاد کی خستہ حالی کے بعد اب مذہبی اتحاد کی کسمپرسی ملاحظہ ہو۔ تحریک احمدیہ کے معرض وجود میں آنے سے بہت بیشتر علماء سو اور کفرباز مولویوں کے طفیل، امت کا اتحاد پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ اختلاف و انتشار اور کفر کے فتاویٰ کا دائرہ اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ علماء اسلام کے نزدیک:۔

اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو وہ کافر ہو جاتا تھا۔ اگر کوئی کہے کہ مجھے علم نہیں کہ حضرت آدم نبی تھے یا نہیں تو کافر۔ اگر کوئی کہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے تو کافر۔ اگر کوئی حرام فعل کرتے وقت بسم اللہ پڑھے تو کافر۔ اگر کوئی سکول ماسٹر کہے کہ غیر مسلم، مسلمانوں سے بہت اچھے ہیں تو کافر۔ ۴ے

علاوہ ازیں اہل السنت و الجماعت کہتے تھے۔ شیعہ کافر بلکہ واجب القتل ہیں۔ ۵ے شیعہ کہتے تھے کہ سوائے فرقہ اثنا عشریہ امامیہ کے کوئی ناجی نہیں۔ ۶ے

غرض تکفیر کا ایک سیلاب تحریک احمدیہ سے قبل بہایا جا چکا تھا۔ کوئی فرقہ ایسا نہیں تھا جو تکفیر کی مہر سے بچا ہوا ہو۔ دو بڑے فرقے شیعہ سنی کی منافرت اس حد تک بڑھ چکی تھی۔ کہ جب ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے تعلیم کی طرف توجہ کی تو ان فرقوں کے طالب علم ایک جگہ بیٹھ کر دینی تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب ۱۸۷۲ء میں

"۔ انگریزی حکومت نے "نواب فنڈ" سے اینگلو عربک سکول دہلی میں مسلمانوں کے لئے

(عربی فارسی کے علاوہ) دینی تعلیم کا انتظام بھی کر دیا تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل مذہب سے بیگانہ نہ رہے تو دہلی کے مسلمانوں اور علماء نے گورنر پنجاب کو یہ درخواست دے کر کہ شیعہ، سنی طلبا کا ایک جگہ بیٹھ کر دینی تعلیم حاصل کرنا مذہبی فساد کا موجب ہو گا دینی تعلیم کا سلسلہ بند کروا دیا۔ چنانچہ وہاں حسب سابق صرف عربی فارسی کی تعلیم جاری رہی۔

ہم رسالہ "اردو نامہ" سے اس درخواست کی نقل درج کرتے ہیں۔ جس میں اس دور کے اردو کی جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ یہ درخواست دسمبر ۱۸۷۴ء کی ہے جبکہ جماعت احمدیہ کا قیام ۱۸۸۹ء میں عمل میں آیا تھا۔

بحضور جناب نواب لیفٹنٹ گورنر صاحب بہادر ممالک پنجاب وغیرہ

عالی جناب

"۔ حضور نے براہ نوازش مسلمانان دہلی کے فائدہ کے لئے نواب فنڈ سے ایک علیحدہ مدرسہ قائم کیا اور اس میں سب طرح کے علوم جاری کئے۔ جس سے یہاں کے مسلمانوں کو بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ مگر اب سنا گیا ہے۔ کہ یہاں مذہبی کتابیں بھی جاری ہوں گی۔ اور دونوں فریق یعنی اہل سنت اور اہل تشیع کے کتابیں پڑھائی جائیں گی۔ چونکہ اس باب میں.... پہلی ہی سی کچھ تنازع ہیں۔ تو دونوں فریقوں کی مذہبی کتابوں کا ایک جائی ہونا اس امر میں کچھ دشواری پیدا کرے گا اور ایک ہی مکان میں... مشترک کتابوں کی وقت دونوں فریقوں کے لڑکوں کا اکٹھا بیٹھنا شاید کچھ مذہبی چرچی کا سبب ہو گا.... ہماری یہ آرزو ہی کہ اس مدرسہ میں (دینی تعلیم بند کر کے) صرف عربی فارسی وغیرہ کی کتابیں پڑھائی جائیں۔"

اس درخواست پر دہلی کے مختلف الخیال علماء کے دستخط اور مہریں بھی اردو زبان میں ثبت ہیں "گورنر نے درخواست منظور کرتے ہوئے دینی تعلیم کا سلسلہ بند کروا دیا۔ ۷ے

راقم عرض کرتا ہے کہ باہمی تکفیر بازی نے چمن اسلام کو پامال کر رکھا تھا۔ جس کی تفصیل کے لئے الگ جلد درکار ہے۔ اس مضمون میں اس کا عشر عشیر بھی نقل نہیں کیا جا سکتا۔ نمونہ کے طور پر اب ایک بریلوی فتویٰ درج کیا جاتا ہے۔ بقول سابق وفاقی وزیر حاجی حنیف طیب، مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی دور حاضر کے فقیہ اعظم اور مجدد دین تھے۔ ان کے ملفوظات و ارشادات کتابی شکل میں شائع شدہ موجود ہیں۔ نمونہ "آپ کا ایک فتویٰ ملاحظہ ہو

بحضور جناب نواب لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر ممالک پنجاب وغیرہ

اور مشترک کتابوں کی وقت دونوں فریقوں کے لڑکوں کا اٹھنا بیٹھنا شاید کبھی چرچے کا سبب ہوگا

عرض - ایک جلسہ میں آریہ و عیسائی اور دیوبندی قادیانی وغیرہ جو اسلام کا نام لیتے ہیں وہ بھی ہوں وہاں دیوبندیوں کا رد نہ چاہیئے -

ارشاد - کیوں - کیا ان سے موافقت کیجائے گی - حاشا یہ محال ہے اسلام پر اس میں کوئی اعتراض نہیں -

عرض - آریہ وغیرہ یہ کہیں گے کہ اسلام ہی میں اختلاف ہوگیا

ارشاد - حاشا اسلام میں اختلاف نہیں اسلام واحد ہے - یہ لوگ اسلام سے نکل گئے مرتد ہو گئے مرتدین کی موافقت بدتر ہے کافر اصلی کی موافقت سے -

ارشاد - ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولا علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت راشدہ ختم ہوگئی اور اب سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت خلافت راشدہ ہوگی -

عرض - بعض علیگڑھی کو سید صاحب کہتے ہیں -

ارشاد - وہ تو ایک خبیث مرتد تھا

حامی سنت ماحئی بدعت اعلیٰ حضرت مولانا مولوی الحاج قاری محمد احمد رضا خاں صاحب قادری - برکاتی رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ

عرض - ایک جلسہ میں آریہ و عیسائی اور دیوبندی - قادیانی وغیرہ جو اسلام کا نام لیتے ہیں - وہ بھی ہوں - وہاں دیوبندیوں کا رد نہ چاہیئے -

ارشاد - کیوں - کیا ان سے موافقت کی جائے گی - حاشا ! یہ محال ہے - اسلام پر اس میں کوئی اعتراض نہیں -

عرض - آریہ وغیرہ یہ کہیں گے کہ اسلام ہی میں اختلاف ہوگیا -

ارشاد - حاشا - اسلام میں اختلاف نہیں - اسلام واحد ہے - یہ لوگ اسلام سے نکل گئے - مرتد ہو گئے - مرتدین کی موافقت بدتر ہے کافر اصلی کی موافقت سے "- ۸ سے

عرض - بعض علی گڑھی (مسلمانوں کے قائد اول سر سید احمد خاں - ناقل) کو سید صاحب کہتے ہیں -

ارشاد - "وہ تو ایک خبیث مرتد تھا" - ۹

اس نوع کے فتاویٰ کا طومار اقبال کی زندگی میں شائع ہو چکا تھا - مذہبی انتشار و افتراق کی اس نازک صورت حال کے پیش نظر اقبال یہ کہہ چکے تھے کہ - "فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں" وہ ماتم کناں تھے کہ مسلمان فرقہ آرائی کی زنجیروں میں اسیر ہیں - وہ نوحہ بلند کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے کہ امت 'انتشار و اشتقاق سے ہمدوش ہو کر ثریا سے زمین پر پٹک دی گئی ہے -- فتاویٰ ء تکفیر سے تنگ آکر آپ پکار اٹھے تھے -

ے ہمارے مولوی آجائیں جس دم اپنی آئی پر
تو منطق ان کی صرف فتویٰ ء تکفیر ہوتی ہے

بقول مصنف زندہ رود ۱۹۳۵ء میں - "یہ انتشار اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا (صفحہ ۵۶۵) -- اسی سال علامہ اقبال نے جماعت احمدیہ کے خلاف جاری شدہ مہم میں قدم رکھا اور اسی سال آپ کو یکدم یہ نظر آنے لگا کہ مسلمان تو بنیان مرصوص ہیں - ان میں زبردست یک جہتی پائی جاتی ہے - لیکن یونی نسٹ پارٹی یا جماعت احمدیہ ہی وہ جماعتیں ہیں - جنہوں نے اس اتحاد کو